نواب صدیق حسن خاںؒ کی خدماتِ حدیث

عتیق امجد

عادل حکمران، شہرہ آفاق مصنف، برصغیر کے محدثین کے سرخیل

نواب صدیق حسن خاںؒ کی خدماتِ حدیث

عتیق امجد

لیکچرار شعبہ علومِ اسلامیہ گورنمنٹ کالج جڑانوالہ

۱۴۲۸ھ ۲۰۰۷ء

نام کتاب : نواب صدیق حسن خانؒ کی خدماتِ حدیث

مؤلف : عتیق امجد

اہتمام : بیت الحکمت، لاہور

مطبع : میٹرو پرنٹرز، لاہور

قیمت : ۱۵۰ روپے

ڈسٹری بیوٹرز

کتاب سرائے
پبلشرز، ڈسٹری بیوٹرز، مشیران کتب خانہ جات
فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ
اُردو بازار، لاہور فون: 7320318 فیکس: 7239884
ای میل: hikmat100@hotmail.com

ترتیب

باب اوّل:

نواب صدیق حسن خان

تعارف وحالات

فصل اوّل

حالاتِ زندگی اور تعلیمی اسفار

فصل دوم

شیوخ واساتذہ

فصل سوم

اوصاف حمیدہ اور حسین کردار

باب ہفتم:

نواب صدیق حسن کی علوم حدیث میں تصنیفی خدمات کا جائزہ

فصل اوّل

فصل دوم

باب ہشتم:

نواب صدیق حسن خاں کی خدمات حدیث کے اثرات ونتائج

☆............☆............☆

انتساب

اپنے والد محترم کے نام!

جنہوں نے اپنی زندگی ''خدمت حدیث'' کے لیے وقف کر رکھی ہے ...... جنہیں اہل علم ''شیخ الحدیث محمد عبداللہ چھتوی'' کے نام سے جانتے ہیں ...... جن کی شفقت پدری اور استادانہ ہمدردی نے ہم بہن بھائیوں کو دینی و دنیوی تعلیم سے آراستہ کیا ...... جنہوں نے زندگی میں کبھی ماتھے پر شکن نہیں ڈالی ...... شاید اللہ تعالیٰ نے انہیں رسول مقدس ﷺ کے فرمان ''نضر اللّٰہ امرأً سمع مِنّا مقالتي ......'' کا مصداق بنا دیا ہے۔

مقالہ ھذا شعبہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب کے زیر اہتمام ایم اے علوم اسلامیہ کی ڈگری کی تکمیل کے سلسلے میں سیشن 2002-2001 میں لکھا گیا اور اس کی منظوری شعبہ علوم اسلامیہ کی بورڈ آف سٹڈیز کے مؤرخہ 26 دسمبر 2005 کے اجلاس میں D/1678/Isc مؤرخہ 20-12-05 کے تحت دی گئی

اب کون کرے گا اشاعت حدیث کی
ہے کس کے دل میں اتنی محبت حدیث کی
لطف اس کا کس زبان سے سن کر اُٹھائیں گے
قرآن کا یہ مزا ہے یہ لذت حدیث کی
لغو و رفث سے ان کی زبان آشنا نہ تھی
کہتے جو کوئی بات تو آیت ، حدیث کی
بے مایۂ حدیث ہوئے کیسے مایہ دار
کیسی لٹی دھڑلے سے دولت حدیث کی
دن رات ، صبح و شام یہی مشغلہ رہا
حق تو یہ ہے کہ خوب کی خدمت حدیث کی
اب قدر دان کہاں کوئی اہل حدیث کا
سمجھے ہوئے تھے کچھ وہ ہی وقعت حدیث کی
کیسا محدث آہ زمانے سے اُٹھ گیا
حالت ہے آج قابل رقت حدیث کی

(سیّد جمیل احمد سہسوانی)

کلمہ تشکر

میں اس مقالہ کی تکمیل پر رب غفور و رحیم کا نہایت شکر گزار ہوں کہ جس نے اپنے کم تر اور حقیر ترین بندے کو ایک عظیم کام کی تکمیل کی سعادت و توفیق سے نوازا، اور میں نہایت عاجزی و انکساری سے اس کی بارگاہ میں درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس کام کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور دارین میں اجر عظیم عطا فرمائے، اور بندہ گناہ گار کو قرآن و حدیث کی خدمت کے لیے قبول فرمائے۔ آمین

حضور اکرم ﷺ کے فرمان: ((مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰه)) کے تحت میں اس مقالہ کی منظوری سے تکمیل تک رہنمائی و سرپرستی کے لیے مقالہ کے نگران پروفیسر ڈاکٹر حمید اللہ عبدالقادر (استاد حدیث شعبہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب) چیئر مین شعبہ علوم اسلامیہ ڈاکٹر حافظ محمود اختر، والد محترم محمد عبداللہ امجد (شیخ الحدیث مرکز تعلیم الاسلام ستیانہ) اور سید عبدالشکور شاہ (نائب شیخ الحدیث مرکز تعلیم الاسلام ستیانہ) کی سرپرستی و حوصلہ افزائی پر تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہے نیز میں پروفیسر ڈاکٹر شبیر احمد منصوری چیئر مین ادارہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب اور دیگر ممبران بورڈ آف سٹڈیز کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے مقالہ ھذا کی اشاعت کی اجازت D/1678/IS مؤرخہ 20-12-2005 کو دی۔

بنا بریں میں اپنے بھائیوں پروفیسر ڈاکٹر محمد عبداللہ قاضی (گورنمنٹ کالج قصور)، پروفیسر محمد نعیم صدیقی (گورنمنٹ گورڈہ کالج راولپنڈی) اپنی پیاری بہنوں بالخصوص پروفیسر زیڈ، ایس امجد (لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی لاہور) کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے اس بحر علم میں غوطہ زنی کے لیے ہر موقع پر میری حوصلہ افزائی فرمائی۔ علاوہ ازیں اپنے دوست ضیاء القیوم چھتوی (لائبریرین جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن)، حافظ محمد شعیب (لائبریرین مرکز تعلیم الاسلام ستیانہ بنگلہ)، اپنے چچا محترم محمد حسین اور محترم مولانا عبدالرشید ضیاء (استاد حدیث مرکز تعلیم الاسلام ستیانہ بنگلہ) کا بھی احسان مند ہوں جنہوں نے کتابوں کی فراہمی اور وقتاً فوقتاً راہنمائی میں مجھے مستفید فرمایا۔

مقالہ ھذا کی اشاعت کے اہتمام پر محترم بھائی جمال الدین افغانی کا بھی شکریہ ادا کرنا نہایت ضروری ہے ان کے تعاون کے بغیر یہ مقالہ جامعہ پنجاب اور میری لائبریری کی ہی زینت رہتا اور اہل علم وطلباء اس سے فائدہ نہ اُٹھا سکتے۔

اس موقع پر میں اپنی پیاری والدہ محترمہ کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ جن کی تعلیم وتربیت اور پرخلوص دعاؤں سے میں تحقیقی میدان میں قدم رکھتا ہوں۔ نیز میں اپنے آپی اور بہن بھائیوں، بیٹیوں، فاکہہ نعیم، مریم عبداللہ اور دیگر بھانجوں، بھانجیوں کی دنیا وآخرت کی کامیابیوں کے لیے دعا گو ہوں۔

رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ.....

فجزاهم الله احسن الجزاء

مقالہ نگار

عتیق امجد

(عتیق امجد)

لیکچرار شعبہ علوم اسلامیہ گورنمنٹ کالج جڑانوالہ، فیصل آباد

☆............☆............☆

پیش لفظ

اسلام خالق کائنات کا پسندیدہ، آخری، عالمگیر اور کامل واکمل دین ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی دعوت، کائنات کے گوشے گوشے تک پہنچانے اور اسے چہار سو غالب کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ ﴾ [الصف:۹]

اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کی تکمیل اس آیت کریمہ کے ذریعے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمائی:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾ [المائدہ:۳]

دین اسلام کی تکمیل ہوئی۔ کفر و ضلالت کی تاریکیاں چھٹ گئیں اور اسلام دنیا بھر کے انسانوں کا دین بن گیا۔ رنگ ونسل، قوم وملک اور خطوں کے فاصلے مٹ گئے اور دین حق کی تنویر چار دانگ عالم میں پھیل گئی۔

فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ ﴾ [الصف:۸]

چنانچہ اسلام اپنی دعوت کے آغاز سے ہی بڑی سرعت اور تیز رفتاری کے ساتھ عراق ویمن، روم وایران، افریقہ ویورپ اور ارض ہندوستان تک جا پہنچا۔

برصغیر میں اسلام کی دعوت سب سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لے کر آئے جن کی تعداد پچیس کے قریب ہے۔ ان کے بعد تابعین و تبع تابعین اور عرب تاجر آتے رہے اور برصغیر میں اسلام کی کرنیں پھیلتی گئیں، بالآخر ۹۲ھ میں محمد بن قاسم اسلامی لشکر کی قیادت کرتے ہوئے آئے، جس سے دیبل سے ملتان تک کے علاقے میں اسلام کا سورج اپنی آب وتاب سے جگمگانے لگا، انہی اصحابِ جلیل

کی مساعی سے اسلام برصغیر کے لوگوں تک پہنچا اور ان کے لیے دستورِ حیات بن گیا۔ فللہ الحمد

برصغیر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام، تبع تابعین اور اسلامی لشکر میں موجود علمائے کرام کا تعلق براہِ راست کتاب و سنت سے تھا اور وہ عامل بالحدیث تھے۔ اس وقت تک فقہی مذاہب (ائمہ اربعہ کے مذاہب مالکی، حنفی، شافعی، حنبلی) ابھی تک وجود میں ہی نہیں آئے تھے۔ لہٰذا یہاں کے لوگ بھی براہِ راست قرآن و حدیث کی تابندہ تعلیمات پر عمل پیرا تھے۔

یہ سب حضرات اپنی وعظ و تبلیغ، درس و تدریس اور بالخصوص اپنے اعمالِ صالحہ سے قرآن و سنت کی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ ربیع بن صبیح البصری پہلے شخص ہیں جنھوں نے احادیث کے منتشر اوراق کو یکجا کیا بلکہ صاحب کشف الظنون کے مطابق آپ اسلام میں پہلے شخص ہیں جنھوں نے سب سے پہلے تصنیف و تالیف کی طرح ڈالی ہے۔ آپ ۹۳ھ میں ہندوستان تشریف لائے تھے۔[1] اس طرح ابو معشر نجیح سندھی، رجا سندھی الفرائینی وغیرہ کی خدمات سے برصغیر میں عمل بالحدیث کا رواج اور چرچا رہا اور مسلمان براہِ راست قرآن و سنت سے مستفید ہوتے رہے۔

مرورِ زمانہ کے ساتھ سندھ میں عرب حکومت کمزور ہوگئی پھر شمال مغربی سرحد کی جانب سے غزنوی اور غوری حکمران آئے اور انہوں نے یہاں حکومت قائم کی، ان کے ہمراہ جو علما خراسان وغیرہ سے تشریف لائے وہ حنفی المسلک تھے۔ جن کی تگ و دو اور جدوجہد سے برصغیر میں حنفی فقہ کو خوب فروغ حاصل ہوا تو لوگوں کا قرآن و حدیث سے براہِ راست تعلق نہ رہا۔ نتیجتاً وہ فقہ حنفی ہی کو مکمل اسلام سمجھنے لگے اور اس دائرہ سے باہر کے مسلمانوں خصوصاً عاملین بالحدیث کو مخالفِ اسلام گرداننے لگے۔ انہوں نے ان پر اپنی مساجد کے دروازے بند کر دیے، اگر بدقسمتی سے کوئی ''بے چارہ'' داخل ہو جاتا تو مسجد کو پانی سے دھویا جاتا اور ان سے تعلقات منقطع کر لیے جاتے اور ان سے شدید تعصب برتا جاتا۔ ان کے تعصب کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

علامہ ابوالحسن سندھی عظیم محدث ہیں۔ انہیں سنت رسول ﷺ یعنی رفع الیدین کرنے اور سینے پر ہاتھ باندھنے کی وجہ سے اس وقت کے حنفی قاضی نے جیل میں بھیج دیا[2] اور علامہ امیر یمانی،

---

(۱) حاجی خلیفہ، کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، ج: دوم، مطبع البہیہ ۱۹۴۱ء

(۲) سندھی، محمد عابد، تراجم الشیوخ بحوالہ صداقت مسلک اہلحدیث، محمد صفدر عثمانی، اہلحدیث پبلی کیشنز لاہور

صاحبِ سبل السلام شرح بلوغ المرام اور ان کے بعض ساتھیوں کو قید کر دیا گیا۔ (۱)

اس سے بھی بڑھ کر حدیث رسول ﷺ پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے بعض مقامات پر لڑائی اور قتل و غارت تک معاملات پہنچ گئے، اس قسم کے کئی واقعات اس پر شاہد ہیں۔

اس وقت مسلمانوں کی مسلکی حالت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ اپنے مسلک کو حق پر نہ سمجھنے والوں اور اپنے امام کے فرمان کو قبول نہ کرنے والوں پر تکفیر کے فتوے صادر ہو رہے تھے۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب ان حالات کی عکاسی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس زمانے میں تکفیر اس حد تک سستی ہو گئی ہے کہ ایک ذرّہ سے بے حقیقت جزئی فروعی فقہی مسئلہ کے اختلاف پر ایک دوسرے کے خلاف کفر کے فتوے لگائے جاتے ہیں حالانکہ وہ مسئلہ عقائد سے متعلق ہوتا ہے نہ ضروریات دین سے۔'' (۲)

مولانا عاشق الٰہی دیوبندی مرحوم اس سنگین صورتِ حال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بعض حنفیہ نے اہل حدیث یعنی غیر مقلدین کو رفع الیدین پر کافر کہنا شروع کر دیا تھا۔'' (۳)

سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اس وقت میں علم حدیث کی منظر کشی کا ایک واقعہ درج کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس عہد میں اس ملک میں علم حدیث کے ساتھ لوگوں کو جو بے اعتنائی تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق کے زمانہ میں مسئلہ سماع کی تحقیق کے لیے علماء کی ایک مجلس منعقد ہوئی، مناظرہ کے ایک فریق شیخ نظام الدین سلطانؒ الاولیا تھے اور دوسری طرف تمام دیگر علماء تھے۔ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ جب میں کوئی حدیث بیان کرتا تھا تو علما بڑی جرأت اور بے باکی سے کہتے تھے کہ اس مسلک میں حدیث پر فقہی روایت مقدم سمجھی جاتی ہے اور کبھی یہ کہتے کہ چونکہ اس حدیث سے شافعیؒ نے استدلال کیا ہے اور وہ ہمارا مخالف ہے۔ اس لیے ہم اس کو نہیں مانتے۔'' (۴)

---

(۱) ایضاً (۲) صدیق حسن، سید، ابقاء المنن بالقاء المحن ص:۷۳، لاہور۔ دار الدعوۃ السلفیہ۔ ۱۹۸۶ء

(۳) حاشیہ تذکرۃ الخلیل ص:۱۳۳ طبع کراچی

(۴) ندوی، سلیمان سید، مقالات ج:۲، ص:۷۔۶

اسی لیے شیخ نظام الدین سلطان الاولیاؒ کو کہنا پڑا:

"وہ ملک کیوں کر آباد رہے گا جس میں لوگوں کی آراء کو احادیث نبوی ﷺ پر ترجیح ہو۔"(۱)

علاوہ ازیں مدارس دینیہ میں حدیث کی تعلیم نہ ہونے کے برابر تھی، صرف مشکوٰۃ المصابیح یا مشارق الانوار کو تبرکاً شامل نصاب کیا گیا تھا اور تمام تر توجہ فقہ حنفی ہی کی تعلیم پر دی جاتی تھی اور فرمانِ نبوی ﷺ کی بجائے بانگ دہل اپنے امام صاحب کے قول کو ترجیح دی جاتی تھی۔ (اس کی بہت سی امثلہ موجود ہیں لیکن یہ ہمارا موضوع نہیں اس لیے ہم اس مبحث کو چھوڑ رہے ہیں۔) تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی حدیث پر فقہ کو اہمیت دی جاتی اور فقہ کی شروحات ہی لکھی جاتیں اور اسی کے مطابق فتویٰ نویسی ہوتی۔ غرض کہ مسلمانانِ ہند ایک طرف تو شرک و بدعت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں بھٹک رہے تھے اور دوسری طرف تقلید شخصی کے بندھنوں میں بندھے ہوئے تھے۔

ان حالات میں بھی بعض اہل علم نے محدثین کے طرزِ عمل کو جاری رکھا اور مخالفتوں کے باوجود انہوں نے درس و تدریس، وعظ و تبلیغ اور عمل بالحدیث کے ذریعے نبی محترم ﷺ کے فرامین کو زندہ رکھا۔ ان اہل علم حضرات کی فہرست طویل ہے لیکن ان میں مشہور ترین اور نمایاں ترین شخصیات میں شیخ حسن بن محمد صنعانیؒ، شیخ علی متقیؒ، شیخ محمد طاہر پٹنیؒ، شیخ ابوالحسن سندھیؒ، شیخ محمد حیات سندھیؒ، شیخ احمد سرہندی المعروف مجدد الف ثانیؒ، شاہ ابو اسحاقؒ، شیخ عبدالحق دہلویؒ، شاہ ولی اللہ دہلویؒ، شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ رفیع الدینؒ، شاہ عبدالقادرؒ، شاہ عبدالغنیؒ، سید محمد اسماعیل شہیدؒ، سید محمد فاخر زائر الہ آبادیؒ، شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلویؒ، مولانا عبدالحی لکھنویؒ اور نواب سید صدیق حسن خاں قنوجیؒ شامل ہیں۔

علاوہ ازیں قاضی ثناء اللہ پانی پتی، سید مرتضیٰ بلگرامی زبیدی، مولانا محمد امین، مولانا محمد معین بلگرامی، شاہ محمد عاشق عرب بابا پھلتی، مولانا رفیع الدین مراد آبادی، مولانا خیر الدین سورتی لکھنوی، سید جلال الدین رامپوری، مولانا عبداللہ غزنوی، سید عبدالجبار غزنوی، حافظ عبدالمنان وزیر آبادی، علامہ شمس الحق ڈیانوی، مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، شاہ عین الحق پھلواروی، مولانا محمد حسین بٹالوی، مولانا سعید بنارسی، مولانا عبداللہ روپڑی،

(۱) محمد اسحاق بھٹی، فقہائے ہند، ج:۱، ص:۲۲۳

مولانا عبدالقادر قصوری رحمہم اللہ اجمعین اور دیگر بہت سے اہل علم ایسے ہیں جنھوں نے حدیث کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا۔ ان بزرگوں میں ایسے ایسے لوگ بھی شامل ہیں جن کے محققین تلامذہ کی تعداد ایک ہزار تک اور باقی تلامذہ کی تعداد کئی ہزار ہے اور ان میں حدیث اور صاحب حدیث ﷺ کے ایسے شیدائی بھی ہیں جن کے بارے میں علامہ محمد اقبال لکھتے ہیں:

> ''مولانا عبداللہ غزنوی درس حدیث دے رہے تھے کہ ان کو اپنے بیٹے کے قتل کیے جانے کی خبر ملی۔ ایک منٹ تامل کیا پھر طلباء کو مخاطب کر کے کہا: ''برضائیے اوراضی هستیم بیائید که کار خود کینیم'' (ہم اس کی رضا پر راضی ہیں، آؤ ہم اپنا کام کریں) یہ کہہ کر پھر درسِ حدیث میں مشغول ہو گئے۔''(۱)

زمانہ قریب کے علمائے حدیث میں مولانا عطاء اللہ لکھوی، مولانا عبدالقادر لکھوی، حافظ محمد گوندلوی، مولانا اسماعیل سلفی، حافظ عبداللہ محدث بڈھیمالوی، حافظ احمد اللہ بڈھیمالوی، مولانا سلطان محمودؒ، حافظ محمد اسحاق، مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کی خدمات نہایت قابل قدر ہیں۔

بہر حال محدثین وفقہا عظام رحمہم اللہ تعالیٰ نے قرآن وحدیث کی خدمت میں اپنی زندگیاں کھپا دیں۔ تب جا کر مسلمانانِ ہند براہِ راست حدیث کو حجت پکڑنے لگے اور اس پر عمل پیرا ہونے لگے نیز ان کے مدارس میں صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث شامل نصاب ہو گئیں۔ اس طرح حدیث کے تراجم اور شروحات لکھنے کا رواج پڑا۔ ان رہنماؤں اور محسنین اُمت کی خدمات کے تذکرے کے لیے بیسیوں دفاتر، اہل علم کی ایک بڑی جماعت اور طویل وقت درکار ہے۔

ہم اپنے اس مقالہ میں ان رہنماؤں میں سے ایک عظیم رہنما اور محسن ملت کی ''خدمات حدیث'' کا تذکرہ کریں گے جنھوں نے اپنے دور میں نہ صرف برصغیر بلکہ پورے عالم اسلام سے اپنی علمی اور عملی خدمات کا لوہا منوایا تھا۔ اِس زمانے میں کوئی عالم اور طالب حدیث ایسا نہ ہو گا جو آپ سے واقف نہ ہو۔ یہ معروف عالم دین نواب صدیق حسن خان قنوجی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (جو ''والا جاہ'' ...... ''نواب'' وغیرہ کے القاب سے جانے جاتے ہیں) جنھوں نے اپنی مختصر ترین اُنسٹھ سالہ حیات مستعار کے ایک ایک لمحہ کو اقوالِ رسولِ کریم ﷺ کی اشاعت وترویج کے لیے مختص کیے رکھا اور حدیث کی خدمت کے لیے

(۱) انوار اقبال ص: ۷۱-۷۲

دن رات ایک کر دیا اور اس سلسلے میں اپنا تن من دھن قربان کیا۔

آپ کی خدمات کا دائرہ بے حد وسیع ہے لیکن ہم آپ کی شخصیت، جدو جہد اور خدمات جلیلہ کے بارے میں اپنے بجائے عظیم مؤرخ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے تاثرات کی ایک جھلک پیش کرتے ہیں، آپ لکھتے ہیں:

''نواب صاحب کی ایک بڑی خصوصیت ان کی علم پروری بلکہ علمی سرپرستی، اہل کمال کی قدر دانی، علوم دینیہ کی اشاعت اور نادر الوجود قلمی کتابوں کا جو علمی و دینی حلقوں میں بنیادی و مرجع کی حیثیت رکھتی ہیں، احیاء و ترویج جن میں تنہا یہ کارنامہ کافی ہے کہ صحیح بخاری کی معرکۃ الآراء شرح فتح الباری (تصنیف علامہ ابن حجر عسقلانیؒ) کی جس کی مثال دوسری ملتوں کے کتب خانوں میں نہیں مل سکتی اور جو فن و شروح حدیث میں حجر الزاویہ کی حیثیت رکھتی ہے، اشاعت تھی جس کو نواب صاحبؒ نے پہلی مرتبہ مصر سے طبع کرایا اور اس پر اس ارزانی کے زمانہ میں پچاس ہزار روپے کی لاگت آئی۔ چھپوانے کے بعد ہند و بیرون ہند کے اہل علم کو ہدیۃً بھیجی۔ اسی خصوصیت کی بنا پر مؤرخ ہند مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب جو تعریف و توصیف اور القاب و خطابات کے استعمال میں بڑے محتاط اور دقیقہ رس ہیں۔ نزہۃ الخواطر کی جلد ہشتم میں جب ان کا تذکرہ لکھتے ہیں تو ان الفاظ سے اس کی ابتدا کرتے ہیں:

'' علامة الزمان و ترجمان الحديث و القرآن محي العلوم العربيه و يد الاقطار الهندية.''

اسی طرح علامہ خیر الدین زرکلی اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''الاعلام'' میں جو تراجم و تذکروں کا قاموس ہے ان کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

'' من رجال الهند الاسلامية المجددين.''

(وہ اسلامی بیداری و ترقی کی تجدیدی شخصیتوں میں سے تھے)

۱۹۵۰ء میں جب میرا طویل قیام مکہ معظمہ میں رہا تو معمول تھا کہ اکثر شیخ محمد بن مانع کی خدمت میں حاضر ہوتا، جو ایک وسیع النظر، وسیع المطالعہ نجدی عالم اور مملکت سعودیہ کے مدیر المعارف (Director of Education) تھے۔ شاید کوئی دن خالی جاتا کہ وہ

نواب صاحب اوران کی تصانیف کا تذکرہ نہ کرتے ، خاص طور پر وہ ''ابجد العلوم'' کی جامعیت واحتوا کا ذکر کرتے ، انہوں نے نواب صاحب کی تصنیفات بڑے شغف اور اہتمام سے پڑھی تھیں، اس کے سالہا سال بعد جب جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی طرف سے منعقد کی ہوئی مؤتمر دعوۃ میں شرکت کے لیے مدینہ طیبہ حاضر ہوا تھا اور وہاں مقیم تھا ایک دن علامۃ العراق شیخ محمد بہجۃ الاثری جو علامہ نعمان آلوسی کے ممتاز ترین شاگردوں میں ہیں، میری قیام گاہ پر تشریف لائے اور فرمایا کہ ہندوستانی مصنفین میں دو شخص ہیں جن کی عربیت بڑی نمایاں ہے اور جن کی تحریر پر کہیں اُنگلی نہیں رکھی جاسکتی۔ایک نواب صدیق حسن خاں اور ایک تمہارے والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحی ۔اور یہ واقعہ ہے کہ ہندوستان کو جن شخصیتوں پر بجا طور پر فخر ہے اور جو عالم عربی میں اس کے تعارف کا ذریعہ ہیں، ان میں ایک نواب صاحب بھی ہیں۔''(۱)

کوئی اسلامی موضوع ایسا نہیں جس پر نواب صدیق حسن خاں نے قلم نہ اُٹھایا ہو لیکن تفسیر قرآن مجید اور حدیث مصطفیٰ ﷺ کے میدان میں تو آپ کی خدمات نہایت قابل رشک اور مثالی ہیں، صرف میدانِ حدیث اور علومِ حدیث کے سلسلے میں آپ کی تصنیفات وتالیفات تقریباً باسٹھ ہیں جب کہ تصنیفات وتالیفات کے علاوہ آپ نے مدارس حدیث کے قیام، کتب حدیث پر مشتمل لائبریریاں، کتب حدیث کے لیے مطابع ، خدمت حدیث کے لیے علماء وفقہاء کو ترغیب ووظائف ، کتب حدیث کے تراجم وشروحات لکھنے کے لیے علماء کی سرپرستی ، طلباء حدیث کو حفظ حدیث پر انعامات کے علاوہ اپنی وعظ وتقاریر، درس وتدریس اور بالخصوص عمل بالحدیث کے ساتھ وہ انمٹ اور لازوال خدمات سرانجام دی ہیں جو رہتی دنیا تک یاد رہیں گی۔علاوہ ازیں آپ کی کل تصنیفات وتالیفات کی تعداد تین سو سے زاید ہے لیکن نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس نابغہ روزگار شخصیت اور متبحر عالم دین کو (جس نے اپنے علما وطلبا اور اپنی پوری حکومتی مشینری کو قرآن وحدیث کی خدمت کے لیے وقف کر رکھا تھا) خلف نے وہ حیثیت نہ دی جس کے وہ حق دار تھے۔ان کی کتب پر علما وطلبا نے وہ توجہ نہ دی جس کی نہایت ضرورت تھی۔مدارس اسلامیہ نے

(۱) رضیہ حامد، ڈاکٹر، نواب صدیق حسن خاں (مقدمہ از ابوالحسن علی ندوی)، ص:۲۶-۲۴- طبع اولیٰ ۱۹۸۳ء حکومت اتر پردیش، ہند۔

ان کی تالیفات کو شامل نصاب نہ کیا حالانکہ ان میں سے کئی کتب ایسی ہیں جو نصاب کے لیے نہایت مفید اور ضروری ہیں اور ان کی خدمات کو اس طرح اُجاگر نہیں کیا گیا جس طرح انہیں اُجاگر کرنے اور ان سے بھرپور فائدہ اُٹھانے کی ضرورت تھی۔

نواب صاحب کی علمی مساعی پر بہت کم کام ہوا ہے۔ کیمبرج یونیورسٹی سے ڈاکٹر سعید اللہ صاحب نے انگریزی میں پی، ایچ، ڈی سطح کا کام کیا، اجتبیٰ ندوی صاحب نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے آپ کی شخصیت پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا اور ڈاکٹر رضیہ حامد نے بھوپال یونیورسٹی سے آپ پر کام کر کے پی، ایچ، ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے، لیکن یہ تمام کام زیادہ تر آپ کی شخصیت اور مجموعی علمی مساعی کا ایک جائزہ ہیں۔ ان میں آپ کی تفسیری اور حدیثی خدمات کو موضوع سخن نہیں بنایا گیا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ پی، ایچ، ڈی اور ایم فل سطح پر آپ کی تفسیری، حدیثی اور عربی ادب پر خدمات کا ایک مفصل و مبسوط جائزہ لیا جائے اور ان تینوں میدانوں میں آپ کی خدمات سے بھرپور فائدہ اُٹھایا جائے بلکہ اگر آپ کی حدیث کی شروح کے تراجم کا اہتمام کیا جائے تو اُمت مسلمہ کے لیے آپ کی یہ شروحات بہت کارآمد اور نہایت مفید ثابت ہوں گی۔ ان شاء اللہ العزیز

انتخاب موضوع کی وجوہ:

نواب صاحب علیہ الرحمۃ کی انھی بے شمار مثالی خدمات حدیث کے پیش نظر میں نے اس موضوع کا انتخاب کیا کیونکہ میں جب بھی کسی موضوع کا مطالعہ کرتا تو علامہ ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم، شاہ ولی اللہ اور نواب صدیق حسن خاں رحمہم اللہ اجمعین کی تحریری خدمات ضرور میرے سامنے آتیں اور اس پر مستزاد یہ کہ مطالعہ و تحقیق کے بعد میں عموماً ان کے موقف کو قرآن و حدیث سے ہم آہنگ پاتا، چنانچہ اس طرح آپ مجھے ایک ''جامع'' اور ''دائرہ معارف اسلامی شخصیت'' دکھائی دیے۔ لہٰذا میں نے نواب صاحب کی خدمات حدیث کا موضوع منتخب کیا۔

اس موضوع کے انتخاب کی ایک وجہ ہمارا خاندانی علمی پس منظر بھی ہے۔ میرے نانا محترم حافظ محمد عبداللہ محدث بڈھیمالویؒ ایک عظیم اور متبحر عالم دین تھے۔ آپ فن حدیث، فن تفسیر، سیرت نبوی ﷺ اور تاریخ صحابہ رضی اللہ عنہم و محدثینؒ اور مذاہب مختلفہ پر ایک اتھارٹی کی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ نے پچپن (۵۵) برس '' اصح الکتب بعد کتاب اللہ ''الجامع الصحیح للبخاری کی تدریس کا فریضہ سرانجام دیا اور رمضان المبارک کے ماہ مقدس میں مدارس کے فارغ التحصیل طلبا و

علما کو مکمل قرآن مجید کی تفسیر کا دورہ کرواتے رہے۔ اس طرح میرے والد محترم مولانا محمد عبداللہ امجد مدظلہ (شیخ الحدیث مرکز تعلیم الاسلام ستیانہ بنگلہ، فیصل آباد) بھی تقریباً ۱۹۷۰ء سے الجامع الصحیح للبخاری کی تدریس کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں اور حافظ محمد عبداللہ محدث بڈھیمالویؒ کی مسند تفسیر پر رمضان المبارک میں تفسیر قرآن مجید کا دورہ کرواتے ہیں نیز فقہ حنفی کی متداول کتاب ''الہدایہ'' پر ہر سال ماہرانہ محاضرات دیتے ہیں۔ تقبل اللہ سعیھما

علاوہ ازیں ہمارے خاندان میں اور بہت سے اہل علم بھی مدارس میں تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں اور کچھ احباب مختلف کالجز میں شعبہ عربی وعلوم اسلامیہ سے وابستہ ہیں۔

اگرچہ میں اپنے بزرگوں اور بھائیوں سے علمی طور پر نہایت کم درجہ رکھتا ہوں لیکن بقول شاعر:

فتشبھوا ان لم تکونوا مثلھم
ان التشبہ بالکرام کرام

''اگر تم ان جیسے نہ ہو سکو تو ان کا روپ دھار لو، بزرگوں کا روپ دھارنا بھی ایک سعادت ہے۔''

اس بنا پر میں نے نواب صدیق حسن خانؒ کی ''خدمات حدیث'' کا تحقیقی مطالعہ ضروری سمجھا تاکہ میں بھی اپنے علمائے کرام اور اسلافِ عظام کے نقش قدم پر چل کر دین اسلام کی خدمت کا فریضہ سرانجام دے سکوں۔ نیز اس طرح میری اس سعی بے بضاعت سے حضرت علامہ نواب صدیق حسن خاں مرحوم کی حیاتِ علمی کی یہ مثال اور ان کی تصنیفی وتالیفی کاوشیں اور اشاعت حدیث کی خدمات اہل علم وطلبائے حدیث کے سامنے آسکیں اور وہ ان سے استفادہ کر کے اپنی علمی تشنگی کی تسکین کر سکیں۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب

موضوع کی اہمیت

اسلامی تعلیمات کا سرچشمہ اوّل اور بنیادی ماخذ قرآن مجید ہے اور اس کی اوّلین تفسیر وتشریح حدیث رسول اللہ ﷺ ہے۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ قرآن مجید اور حدیث نبوی ﷺ دونوں ہی منزّل من اللہ ہیں اور دونوں میں سے ایک کو ماننا اور دوسرے کا انکار گویا دونوں کا انکار ہے۔ یہ بات مسلم ہے کہ قرآن مجید کی تفہیم کے لیے حدیث پاک ضروری ہے اور اس کے بغیر قرآن مجید سمجھ نہیں آ سکتا۔

اسی ضرورت واحتیاج کی بنا پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر تابعین عظام تک، ائمہ کرامؒ سے لے کر محدثین تک اور فقہاء سے لے کر آج تک آنے والے اہل علم حضرات نے حدیث مبارک کو اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنایا اور اس کے ایک ایک موضوع کو پر گراں قدر کام کیا۔ اس سلسلے میں بے شمار علمائے سلف نے خدمات سرانجام دیں۔

برصغیر پاک و ہند کی سرزمین بلاشبہ علم و ادب کا گہوارہ اور محدثین کی آماجگاہ رہی ہے۔ اس میں جہاں چوٹی کے مفسرین، فقہاء، شعراء، ادبا اور مؤرخین نے جنم لیا وہاں محدثین بھی بڑی تعداد میں شامل ہیں۔ جنھوں نے میدانِ حدیث میں نہایت شاندار خدمات سرانجام دیں۔ اس میدان میں خدمات انجام دینے والوں کا جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ نواب صدیق حسن خان کا نام ان محدثین میں نہایت بلند اور نمایاں ہے جنھوں نے برصغیر میں خدماتِ حدیث کے لیے اپنی تمام تر کوششیں صرف کیں۔

نواب صدیق حسن کی شخصیت وسعتِ علم، ادبی ذوق، فنی تجسس، متنوع علوم اور فن قرآن و تفسیر کا خزینہ ہونے کے ساتھ ساتھ فن حدیث، اُصول حدیث، تشریح حدیث، لغت حدیث، امتیازات حدیث، بیان حدیث اور تاریخ حدیث میں اپنا ایک خاص طرزِ فکر اور ایک امتیازی منہج رکھتی ہے، آپ قلم ولسان کے استعمال کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ آپ کی خدمات کا دائرہ بے حد وسیع ہے۔ خصوصاً میدان حدیث میں تو آپ کی خدمات ناقابل فراموش اور انمٹ ہیں۔ آپ کی

تصنیفات و تالیفات تین سو سے زاید ہیں۔ جن میں سے کم و بیش باسٹھ کتب صرف حدیث اور متعلقات حدیث پر ہیں۔

آپ کی کتب اس چشمہ کی حیثیت رکھتی ہیں کہ جس سے حدیث کا کوئی بھی عالم، استاد اور طالب علم اس کے بغیر اپنے آپ کو تشنہ سمجھتا ہے اور اس کے استفادہ سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ یہ ایک خداداد ملکہ اور ایک وہبی استعداد ہے جس میں نواب صاحب برصغیر کے محدثین کے سرخیل نظر آتے ہیں۔

نواب صدیق حسن خان صاحب نے میدان حدیث میں تصنیفی خدمات کے علاوہ مالی، تدریسی اور شاندار تبلیغی خدمات بھی سرانجام دیں۔

ناچیز نے آپ کی انہیں خدمات کی بنا پر اس موضوع کا انتخاب کیا تاکہ آپ کی خدماتِ جلیلہ کے اس پہلو کو طلبا و اہل علم کے سامنے پیش کیا جا سکے اور ان کی خدمات سے اہل علم و اہل طلب مستفید ہوسکیں۔

☆............☆............☆

باب اوّل

نواب صدیق حسن خان

(تعارف و حالات)

محی السنۃ نواب صدیق حسن خان اٹھارہویں صدی کے ایک نامور عالم، شہرہ آفاق مصنف، عادل و بے مثال حاکم اور جید محدث ہیں۔ آپ نے اپنی تمام زندگی قرآن و سنت کے اتباع اور احیاء سنت کی جدوجہد میں گزاری۔

آپ ایسی نابغہ روزگار شخصیت اور متبحر عالم روز روز پیدا نہیں ہوتے بلکہ تاریخ صدیوں ایسی عبقری شخصیتوں کا انتظار کرتی ہے اور ان کے دنیا سے رُخصت ہو جانے کے بعد ایسا خلا پیدا ہو جاتا ہے کہ دنیا کئی صدیاں اس غم میں گزار دیتی ہے۔ بلاشبہ آپ ایسی صلاحیتوں اور اعلیٰ قابلیت کے حامل انسان کو جو علم و عمل کا منبع، فکر و دانش کا محور، بیک وقت عالی شان خطیب، بے مثال ادیب، فصیح اللسان شاعر، کہنہ مشق استاد، نامور محدث، مایہ ناز مفسر، عظیم فقیہ، مثالی حکمران اور فقید المثال مصنف و مؤلف پیدا کرنے سے تاریخ قاصر ہے۔

☆..............................☆

فصل اوّل

حالاتِ زندگی اور تعلیمی اسفار

پیدائش:

آپ ۱۹ جمادی الاولی ۱۲۴۸ھ بمطابق ۱۴ر اکتوبر ۱۸۳۲ء بروز اتوار بوقت چاشت، بانس بریلی میں سید اولاد حسن کے گھر پیدا ہوئے۔[1] بانس بریلی آپ کا ننھیالی شہر تھا جب کہ آبائی وطن قنوج ہے۔ اسی بنا پر آپ قنوجی بھی کہلاتے ہیں۔ پیدائش کے چند روز بعد آپ کو آپ کی والدہ

محترمہ قنوج لے آئیں۔[۲] آپ اپنی جائے پیدائش کے بارے میں اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

بلاد بھا حل الزمان تمامی　　　　واول ارض مس جلدی ترابھا[۳]

نام ونسب:

آپ کا نام نامی صدیق حسن بن اولاد بن علی بن لطف اللہ حسینی بخاری قنوجی ہے۔ یہ نام آپ کی کتب میں موجود ہے۔[۴] بعض معاصرین نے آپ کے نام سے پہلے محمد کا اضافہ کیا ہے۔ وہ ''محمد صدیق حسن خان'' لکھتے ہیں۔[۵]

آپ نجیب الطرفین تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب تین واسطوں سے سرورِ کونین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تک پہنچتا ہے۔ اسی لحاظ سے آپ کا شمار رسول اکرم ﷺ کی اولاد واحفاد میں ہوتا ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے:

''صدیق بن حسن بن علی بن لطف اللہ بن عزیز اللہ بن لطف علی بن علی اصغر بن سید کبیر بن تاج الدین بن جلال رابع بن سید راجو شہید بن سید جلال ثالث بن حامد کبیر بن ناصر الدین محمود بن جلال الدین بخاری معروف بہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت بن احمد کبیر بن جلال اعظم گل سرخ بن علی موید بن جعفر بن احمد بن محمد بن عبداللہ بن علی اشقر بن جعفر زکی بن علی نقی بن محمد تقی بن علی رضا بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق بن محمد باقر بن علی زین العابدین بن حسین سبط رسولؐ بن فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ۔''[۶]

آپ کے آباء واجداد دینی ودنیوی اعتبار سے بلند مقام پر فائز تھے۔ ان میں سے بعض کا شمار اہل علم اور صلحائے اُمت میں ہوتا ہے جب کہ بعض مال ودولت اور دنیوی جاہ وجلال سے مالا مال تھے۔ اس کا تذکرہ آپ اس طرح فرماتے ہیں:

''میرے اور آنحضرت ﷺ کے مابین تینتیس نفوس کا واسطہ ہے اور ان میں سے آٹھ ائمہ اہل بیت ہیں، جن کا شمار ائمہ اثنا عشریہ میں ہوتا ہے۔ پھر جعفر زکی سے لے کر جناب مخدوم جہانیاں بلکہ جلال رابع تک غالباً تمام اولیاء وصلحا تھے اور سید تاج الدین سے لے کر جد امجد علی بن لطف اللہ تک تمام اہل دولت ہوئے ہیں۔ میرے دادا جو سید

اولاد علی خاں کے نام سے مشہور ہیں، انہیں ریاست حیدر آباد دکن سے نواب انور جنگ بہادر کا خطاب ملا تھا اور وہ پانچ لاکھ روپیہ سالانہ کا علاقہ اور ایک ہزار سوار اور پیادہ رکھتے تھے۔ میرے نانا مفتی محمد عوض ساکن بانس بریلی عالم عارف باللہ، صحیح النسب قریشی اور خلیفہ سوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔ ان کا اپنی جگہ مضبوط نسب نامہ ہے۔ آصف الدولہ والی اودھ ان کو نذر دکھلاتے تھے۔ میرے والد سید اولاد حسن رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالعزیز دہلوی قدس سرہما سے علم حاصل کیا اور شاہ عبدالقادر صاحب موضح القرآن کو دیکھا اور شاہ عبدالعزیز کے خلیفہ حضرت سید احمد ساکن رائے بریلی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آپ عالم باعمل تھے۔ کلکتہ سے لاہور شمال سے دکن تک کے اکثر علما و امراء آپ سے واقف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے نصائح میں نہایت اثر ودیعت فرمایا ہوا تھا، چنانچہ قنوج و اطراف قنوج کے دس ہزار سے زیادہ آدمی ان کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔"(۷)

کنیت و لقب:

نواب صدیق حسن اپنے حالاتِ زندگی لکھتے ہوئے اپنی کنیت ابوالطیب لکھتے ہیں۔(۸) اور اس کنیت کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ حج کا سفر تھا، میں بیت اللہ کے قریب کھڑا تھا اور میں نے حطیم کی مٹی کی خوشبو سے اپنے آپ کو معطر کیا تھا اور اسی جگہ کو ٹھہرنے کے لیے منتخب کیا تھا تو اس بنا پر میں اپنے آپ کو ابو الطیب کہتا ہوں (۹) اور پھر آپ نے آخری زندگی میں اپنی کنیت ابو الوفا رکھی۔(۱۰) اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ آپ کی یہ دو کنیتیں ہیں لیکن آپ کی پوری حیاتِ مبارکہ میں آپ کی کوئی کنیت معروف نہیں ہوئی۔

جہاں تک لقب کا تعلق ہے تو آپ نے پہلے پہلے "روحی" کا لقب اختیار کیا(۱۱) لیکن دوسرے لوگوں نے آپ کو مجدد کا لقب دیا۔(۱۲) جب آپ ایوانِ حکومت میں داخل ہوئے تو آپ کو خان کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔(۱۳) بعد ازاں آپ حکومتی القاب میں سے اہم ترین لقب نواب اور والا جاہ کے سزاوار ٹھہرے۔ یہ لقب حکومتی القاب میں سب سے اہم، بڑا اور ریاستی عظمت کا نشان تھا۔ جو مسلمانوں کے رہنما کے لیے چنا گیا اور اس کے بعد آپ کو ارضِ ہندوستان

میں انتہائی عظمت کا نشان سمجھا گیا اور آپ کا لقب رتبے کے اعتبار سے برطانیہ کے استعماری عہد میں امیر ہندوستان کے لیے وضع کیے گئے لقب ''مہاراجہ'' کے مساوی تھا۔ (۱۴)

بعد ازاں ملکہ بھوپال شاہ جہاں بیگم نے آپ کو یہ لقب دیے ''نواب صاحب، والا جاہ، امیر الملک، سید محمد صدیق حسن خان بہادر سلمہ اللہ تعالیٰ''۔ (۱۵)

لیکن نواب صدیق حسن خان ان فخریہ القاب اور حکومتی خطابات کو پسند نہیں کرتے تھے بلکہ آپ دنیا اور اہل دنیا کی صحبت سے نفرت کرتے تھے اور آپ کی طبیعت میں انتہائی زیادہ انکساری تھی۔ آپ انبیاء کی وراثت پر فخر کرتے تھے اور علم کی نسبت سے منسوب ہونے کو پسند کرتے تھے۔ آپ کا خیال تھا کہ نواب کا لقب، رب کائنات کی طرف سے عتاب کا باعث اور میدانِ محشر میں ہلاکت کا سبب بن سکتا ہے اور یہ حکومت و ولایت، اللہ کی طرف سے بڑی آزمائش ہے۔ (۱۶)

ابتدائی حالات:

ابھی آپ نے اپنی عمر کی پانچ بہاریں ہی دیکھی تھیں کہ آپ کے والد محترم سید اولاد حسن داغ مفارقت دے گئے۔ (۱۷) انا للہ و انا الیہ راجعون

ان معصومانہ ایامِ طفولیت میں شفیق اور نامور عالم، باپ کا سایۂ عاطفت سر سے اُٹھ گیا اور پُر حسرت و اندوہ یتیمانہ زندگی کا آغاز ہوا۔ والد گرامی کی وفات کے باوجود آپ نے عمدہ اور نفیس ماحول میں پرورش پائی اور والدہ محترمہ جو کہ عظیم عالم، مفتی عوض علی (بانس بریلی) کی نہایت نیک، اعلیٰ عادات و اطوار کی مالک، اخلاق حسنہ کی پیکر اور اتباع سنت کی حامل خاتون تھیں، کی سرپرستی اور گود میں پرورش پائی۔ جنھوں نے اپنی کسمپرسی اور عسر و تنگدستی کی حالت کے باوجود آپ کی اعلیٰ تعلیم و تربیت میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور اپنی ہمت سے بڑھ کر آپ کی تعلیم و تربیت اور آپ کے اخلاق و کردار سازی پر توجہ دی۔ وہ آپ کی دینی تربیت اور بالخصوص نماز اور ذکر و اذکار پر خصوصی توجہ دیتی تھیں۔ نواب صاحب فرماتے ہیں:

> ''میں سات برس کا تھا۔ میرے گھر کے دروازے پر مسجد تھی، مجھے خوب یاد ہے کہ صبح کے وقت اذان ہوتے ہی والدہ محترمہ مجھے بیدار کر دیتیں اور وضو کرا کر مسجد میں بھیج دیتی تھیں اور گھر میں نماز کبھی نہ پڑھنے دیتی تھیں، اگر نیند کی سستی کی وجہ سے نہ اُٹھتا

تو منہ پر پانی ڈال دیتی تھیں۔ اس وجہ سے بچپن ہی سے نماز کی عادت پڑ گئی، شاید دس برس کی عمر میں والدہ نے روزہ رکھوایا اور اس وقت سے روزہ رکھنے کی عادت پڑ گئی۔"(۱۸)

والدین کا ادب واحترام:

نواب صاحب کے والد محترم چونکہ آپ کے بچپن میں ہی وفات پا گئے تھے اور آپ نے سن شعور میں اپنی والدہ محترمہ کو پایا۔ اس لیے آپ اپنی والدہ محترمہ کی بڑی خدمت کرتے اور ان کی اطاعت وفرمانبرداری میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کرتے تھے اور آپ اولاد پر والدہ کی خدمت وتعظیم کو والد کے حق پر تین گنا زیادہ کی نسبت سے خیال کرتے ہوئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت پیش کرتے تھے کہ ایک شخص نے رسول معظم ﷺ سے پوچھا:

"میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تیری والدہ۔ اس نے کہا: پھر کون؟ آپ ﷺ نے دوسری بار فرمایا: تیری والدہ۔ اس نے کہا: پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تیری والدہ ۔ اس نے کہا: پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تیرا والد۔"

ایسے ہی ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں:

((**امك ثم امك ثم امك ثم اباك ثم ادناك ثم ادناك.**))

"تیری ماں، پھر تیری ماں، پھر تیری ماں، پھر تیرا باپ، پھر تیرا قریبی، پھر تیرا قریبی۔"

نواب صاحب ہمیشہ اپنی والدہ کی خدمت واطاعت اور ان کی رضا جوئی کے لیے کوشاں رہتے تھے، فرماتے ہیں:

"میرا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو مجھے اس قدر بکثرت مال عطا فرمایا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ میں نے حتی الامکان اپنی والدہ ماجدہ کو خوش رکھنے کی کوشش کی ہے اور میں ان کے سامنے اس طرح رہا ہوں جیسے کوئی کنیز یا غلام اپنے آقا کے سامنے رہتا ہے۔"(۱۹)

آپ اپنے والد مرحوم کے بارے میں بھی والدہ محترمہ کی طرح خدمت بجالانے اور اطاعت شعار ہونے کے ارادہ کا تذکرہ کرتے ہیں اور اپنے والدین اور بہن بھائیوں سے محبت کے عملی اظہار اور انہیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھنے کا تذکرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میں نے اپنے باپ کو نہیں دیکھا ورنہ حتی المقدور ان کی خدمت بجالانے میں بھی کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتا...... میں نے والدہ محترمہ سے سنا ہے کہ والد مرحوم مجھ سے بہت محبت کیا کرتے تھے بلکہ ساری اولاد میں سے میرے ساتھ زیادہ محبت کرتے تھے اور میرے لیے علم اور نیکی کی بکثرت دعائیں فرمایا کرتے تھے۔ میرا خیال ہے کہ یہ ان کی دعاؤں کا اثر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے علم وافر اور رزق واسع سے نوازا ہے۔ میں نے اپنے والدین، بھائی اور بہنوں کی طرف سے حج کرادیا ہے ......نفقات اور دیگر نیکیوں کا اجر انہیں ان شاء اللہ ضروری ملے گا۔''(۲۰)

آپ کی والدہ محترمہ کا انتقال ۲۴ محرم ۱۲۸۵ھ بروز پیر نماز مغرب کے بعد بھوپال میں ہوا۔ آپ لکھتے ہیں:

''مجھے خوب یاد ہے کہ اس دن انہوں نے مغرب کی نماز لیٹ کر پڑھی اور حالت مرض میں سورۃ اخلاص پڑھتی رہتی تھیں، زندگی بھر صرف اس دن عشاء کی نماز وقت اجل کے آجانے کے باعث فوت ہوئی۔ غسل اور تکفین کے بعد جب میں نے ان کی پیشانی پر بوسہ دیا تو ان کے چہرہ کا رنگ زرد تھا۔ اہل علم کی صراحت کے مطابق یہ حسن خاتمہ کی علامت ہے۔ آپ کی قبر میرے خسر مدار المہام صاحب بہادر کے باغ کے متصل ہے۔ اللھم اغفرلی ولھا مغفرۃ ظاھرۃ وباطنۃ لا تغادر ذنبا.''(۲۱)

نواب صاحب کی والدہ محترمہ زندگی بھر آپ سے خوش رہیں اور دنیا سے رخصت ہوتے وقت بھی خوش تھیں۔ آپ نے اپنی والدہ مرحومہ کی طرف سے ایک سرائے، ایک کنواں اور ایک مسجد تعمیر کروائی۔(۲۲)

خَلقی وخُلقی اوصاف:

نواب صاحب مرحوم درمیانے قد، سفید رنگت، بھرے بھرے گال، تیکھی ناک، چوڑا چہرہ و

پیشانی، خوبصورت داڑھی اور خوشنما و دلکش شکل وصورت کے مالک تھے۔ آپ کے کندھوں کے درمیان نسبتاً زیادہ چوڑائی تھی اور داڑھی لمبی نہ تھی۔ (۲۳) آپ بلند آواز رکھنے کے ساتھ ساتھ شیریں بیان اور وجیہہ و بارعب شخصیت کے حامل تھے۔ نیز ذہین و فطین، منفرد حافظہ و فہم اور اعلیٰ بصیرت و کامل استعداد کے ساتھ ساتھ فیاض طبیعت، راسخ عزم، اعلیٰ اخلاق، وافر علم، عمدہ تحریر، باصلاحیت اور حکمت سے آشنا منتظم و مدبر، مسلسل جدوجہد کے خوگر اور خالص عقیدہ سے متصف تھے۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر حسن عطا کیا تھا کہ دیکھنے والے آپ کو دیکھتے ہی رہ جاتے۔ آپ کی خوبصورتی کے حوالے سے صاحب مآثر نے یہ واقعہ درج کیا ہے کہ آپ کے زمانہ قیام بلگرام میں آپ دریائے گنگا پر نہار ہے تھے کہ سکھوں کا ایک قافلہ یہاں آ گیا، انہوں نے آپ کی سفید سرخی مائل رنگت دیکھ کر انگریز کا گمان کیا اور مارنے کے لیے بندوق کی نالی سیدھی کر لی۔ ایک کسان دوڑا اور اس نے چلا کر کہا یہ انگریز نہیں حضرت اولاد حسن صاحب کے صاحبزادے ہیں۔ میں انہیں کئی سالوں سے جانتا ہوں۔ (۲۴)

تعلیم وتربیت اور تعلیمی اسفار:

آپ نے اپنی والدہ محترمہ کی آغوش میں نہایت عمدہ اور نفیس ماحول میں پرورش پائی۔ آپ کو بچپن سے ہی پڑھنے لکھنے کا شوق تھا۔ آپ کے پاس والد محترم کی وفات کے وقت کل پونجی چند قطعات زمین و باغات تھے اور ان کے علاوہ گھر میں موجود کتب خانہ تھا۔ کتب خانہ کی کتابوں کو دھوپ دینے کے لیے جب آپ کا خاندانی ملازم شیخ حسینی انہیں دھوپ میں رکھتا تھا تو آپ ان کتابوں کو الٹ پلٹ کرتے اور ان کی ورق گردانی کرتے اور شوق سے انہیں پڑھنے کی کوشش کرتے حالانکہ اس وقت آپ کو کتابیں پڑھنا نہیں آتی تھیں اور نہ ہی آپ علم اور کتابوں کی اہمیت سے آشنا تھے۔ (۲۵)

کتابوں کی ورق گردانی سے آپ کے اندر پڑھنے کا شوق پیدا ہوا اور آپ کی علم وعمل سے مزین والدہ محترمہ آپ کے شوق علم کو پروان چڑھاتی رہیں اور آپ کے لیے ایک استاد مقرر کر دیا۔ آپ نے ان سے ایک دو پارے قرآن مجید کے پڑھے، قرآن کی باقی تعلیم آپ نے اپنی بلوغت کی عمر میں حاصل کی، فارسی میں شیخ سعدی کی ''کریما'' چند اوراق ''بوستان'' کے اور دو باب

''گلستان'' کے پڑھے۔ اس تعلیم سے آپ میں یہ صلاحیت پیدا ہوگئی کہ آپ اس وقت کی کتابیں پڑھنے کے قابل ہو گئے۔ چنانچہ آپ نے خود ہی فارسی کی مختلف کتب کا مطالعہ کیا اور ان کتب سے اچھے اچھے فقرے اور جملے یاد کر لیے۔ ان کتب کی ورق گردانی اور فقرات کے یاد کرنے سے علم کا ایک ایسا شوق دامن گیر ہوا کہ جو کتاب، قصہ، داستان خواہ وہ نظم میں ہو یا نثر میں ہاتھ لگا اول سے آخر تک پڑھ ڈالا۔ یہاں تک کہ فسانہ عجائب، مثنوی میر تقی میر، یوسف زلیخا، سکندر نامہ اور دیگر مشہور دواوین فارسی و اردو سب کا مطالعہ کیا اور ان سب کتابوں سے ''خذ ما صفاع و دع ما کدر'' کے تحت اچھی اور کارآمد باتیں اخذ کیں اور انہیں یاد کر لیا۔ (۲۶) اس طرح آپ میں ابتدائے عمر میں ہی کافی استعداد و صلاحیت پیدا ہوگئی۔

آپ نے خوشخطی کی تعلیم باقاعدہ کسی خطاط یا استاد سے حاصل نہیں کی اور نہ کبھی کسی خوش نویس سے اصلاح لی تھی۔ آپ کا خط محض طبعی تھا۔ ابتداء میں جلی قلم سے لکھا کرتے تھے لیکن عمر کے آخری حصہ میں باریک قلم سے لکھنا شروع کر دیا تھا۔ گویا زود نویسی آپ کو ورثہ میں ملی تھی لیکن اس کو جلا بخشنے اور نکھارنے کے لیے آٹھ ورق روزانہ لکھنا آپ کا زندگی بھر کا معمول تھا۔ (۲۷)

نواب مرحوم نے میزان منشعب، میزان الصرف، تصریف زبدہ شرح تہذیب اور مختصر معانی وغیرہ اپنے بھائی سید احمد حسن عرشی سے پڑھیں، اس کے بعد آپ کے والد مرحوم کے ایک عقیدت مند سید احمد علی اپنے ساتھ آپ کو فرخ آباد لے گئے۔ آپ وہاں چند ماہ رہے اور مولانا محمد حسین اور دیگر اساتذہ سے کافیہ، شرح جامی، قطبی، میر قطبی، افق المبین، درمختار اور مشکوٰۃ المصابیح پڑھیں، بعد ازیں آپ کو آپ کے والد محترم کے مرید کان پور لے گئے اور آپ نے کان پور میں ملا محمد مراد بخاری اور مولوی محمد محب اللہ پانی پتی سے کسب فیض کیا۔ (۲۸)

سفر دہلی:

آپ فرخ آباد اور کانپور کی اعلیٰ علمی مجالس میں شریک ہوتے رہے جس سے آپ کی علمی صلاحیتیں مزید نکھرتی رہیں۔ بالآخر آپ قاضی کلو کے مشورے سے ان کے ہمراہ دہلی تشریف لے گئے۔ (۲۹) دہلی کو برصغیر میں دارالحکومت ہونے کے علاوہ ایک بلند علمی مقام بھی حاصل تھا اور دہلی ہمیشہ سے علوم وفنون اور ادباء وشعراء، واعظین وخطباء اور فقہاء ومحدثین کا مرکز ومرجع رہا ہے۔

آپ نے دہلی میں مولانا بشیر الدین قنوجی مرحوم کے ہاں کئی روز تک قیام کیا پھر آپ نواب مصطفیٰ خان بہادر کے محل میں دو سال قیام پذیر رہے، نواب مصطفیٰ صاحب ثروت و دولت ہونے کے باوجود نہایت صابر و شاکر، عابد و زاہد اور درویش و قانع انسان تھے، اس بنا پر آپ کو یہاں انتہائی سکون و اطمینان حاصل ہوا۔ (۳۰)

آپ نے اس قیام کے دوران شہرہ آفاق محدث مفتی محمد صدر الدین خاں کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے اور ان سے تمام علوم وفنون کی کتب سبقاً پڑھیں اور سند فراغت حاصل کی۔ (۳۱) دوران تعلیم آپ نے بعض کتب اور حواشی اپنے ہاتھ سے نقل کیے۔ مثلاً اردو ترجمہ منہاجات ابن حجر مکی، حبل المتین، اربعین فی اصول الدین، علاوہ ازیں آپ نے تالیف وتصنیف کا کام بھی شروع کر دیا اور مختصر الممیز ان کی ایک مختصر شرح عربی زبان میں تحریر کی۔ نیز آپ نے دوران تعلیم، درس و تدریس کا بھی آغاز کر دیا اور طلبہ کو بعض درسی کتابیں بھی پڑھائیں اور علوم متداولہ سے فراغت پائی۔ (۳۲)

نواب صاحب نے قیام دہلی کے ان دو برسوں میں اہل علم و محدثین کی ملاقاتوں سے بھی خوب استفادہ کیا اور امراء سلطنت کی مجالس میں بھی شریک ہوئے۔ جن سے آپ کو آداب مجالس اور آئین دربار سے شناسائی ہوئی اور سلطنت مغلیہ کے آخری فرماں روا کے جاہ و جلال اور ان کی تباہی کا زمانہ دیکھنے کا موقع ملا، آپ نے ان متضاد واقعات و مشاہدات سے کئی قسم کی عبرتیں اور تجربات حاصل کیے جن سے لطائف و انعام ربانی کے رموز اور قہر و غضب ربانی کے اسرار و غوامض آپ پر آشکارا ہوئے اور علمی جدوجہد کی راہیں، آپ پر وسیع و کشادہ ہوئیں اور ہر طرح کی دنیوی و اخروی بلندی حاصل کرنے کے لیے حوصلہ مندی کے جذبات آپ کی ذات میں پیدا ہوئے۔

والا جاہ مرحوم کے ہاں دہلی میں دو برس قیام کے بعد مفتی صدر الدین اور دیگر اساتذہ سے سند اجازت لے کر واپس آئے۔

سفر بھوپال:

سید صدیق حسن خاں اکیس برس کی عمر میں واپس قنوج تشریف لائے (۳۳) تو آپ کو فکر معاش دامن گیر ہوا کیونکہ آپ کے علاوہ والدہ محترمہ اور ہمشیرگان کے لیے کوئی کفالت کا بندوبست

نہ تھا۔ آپ کے بھائی مولانا احمد حسن عرشی وفات پا چکے تھے لہٰذا چند ماہ بڑی تنگی و کسمپرسی کے گزارنے کے بعد تلاش معاش کے لیے ریاست ٹونک گئے اور بعد ازاں مشہور اسلامی ریاست بھوپال کا رخ کیا۔ جب آپ بھوپال تشریف لے گئے تو آپ نے ایک روایت کے مطابق موتی مسجد کے ایک حجرہ میں قیام کیا۔ (۳۴)

اس وقت بھوپال میں سکندر بیگم کی حکومت تھی۔ آپ روزگار کے لیے ریاست بھوپال کے مدار المہام نائب اول منشی جمال الدین خاں کی خدمت میں پیش ہوئے۔ چنانچہ آپ کو تیس روپے ماہانہ تنخواہ پر ملازم رکھ لیا گیا۔ آپ نہایت جانفشانی، مستعدی اور نیک نیتی سے اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے، آپ نے اس ذمہ داری کے ساتھ ساتھ وعظ و تبلیغ کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور مسجد ابراہیم خاں میں ہر جمعۃ المبارک کو خطاب کرتے رہے۔ (۳۵) بعد ازیں ریاست بھوپال میں میر دبیری خالصہ کی جگہ خالی ہوئی تو آپ کا تقرر چالیس روپے ماہانہ مشاہرے پر کر دیا گیا جسے بعد میں پچاس روپے کر دیا گیا۔ (۳۶)

وطن واپسی:

نواب مرحوم بڑی محنت سے اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہو رہے تھے کہ آپ کو ملازمت دلوانے کا باعث بننے والے مولانا علی عباس مرحوم چڑیا کوٹی سے حقہ کی اباحت پر مناظرہ ہو گیا، نواب مرحوم حقہ کی اباحت کے قائل تھے جب کہ مولانا علی عباس اس کی حرمت پر زور دیتے تھے۔ اسی طرح آپ کو ۱۸۵۵ء میں سرکار کی طرف سے میر دبیری کا جو سرکاری خلعت عطا ہوا تھا وہ کوئی چرا کر لے گیا اور سابق میر دبیر منشی عبد العلی خاں اپنے سابقہ عہدہ میر دبیری پر بحال ہو گئے۔ چنانچہ ان اسباب و وجوہ کی بنا پر آپ کو ملازمت سے برخاست کر دیا گیا۔ آپ اس سلسلے میں کہتے ہیں:

> ''میں نے اس عزیز دوست (شیخ علی عباس) سے بلاوجہ جھگڑا کیا جو میرا پرانا دوست اور ملازمت کا باعث تھا اور اس مخالفت کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں ملازمت سے معزول ہو کر بے کار ہو گیا۔'' (۳۷)

چنانچہ آپ چار و نا چار اپنے وطن قنوج واپس آ گئے۔ ابھی فکر معاش میں تھے کہ ۶ جون ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ بپا ہو گیا اور تحریک آزادی کے نام سے ملک میں بدامنی اور بے چینی پھیل گئی جسے

غدر ۱۸۵۷ء کا نام دیا گیا۔ قنوج بھی اس ہنگامہ کی لپیٹ میں آیا جس سے آپ کو بھی کئی مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ آپ کے والد گرامی کے عقیدت مند آپ کو والدہ اور بہنوں سمیت بلگرام لے گئے۔ بلگرام اودھ کا ایک مشہور قصبہ ہے اور اسے قدیم زمانہ سے دارالعلم ہونے کا فخر حاصل ہے۔ آپ اس کے ایک محلّہ میدان پورہ میں کرائے کے مکان میں قیام پذیر ہوگئے۔ یہاں آپ مع اہل خانہ نہایت کسمپرسی میں رہے ان حالات کی عکاسی آپ کے صاحبزادے علی حسن اس طرح کرتے ہیں:

> ''والا جاہ کو کئی مہینہ تک صرف ایک سیاہ جامہ خشن اور نان خشک شبینہ پر وقت گزاری کرنا پڑی، جب کپڑا پھٹ جاتا اپنے ہاتھ سے سی لیتے جب میلا ہو جاتا تو خود دریا پر جا کر دھولاتے۔''(۳۸)

اس تنگ دستی کے عالم میں بھی آپ نے اپنی خودی نہ بیچی اور کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کیا بلکہ صبر و قناعت کے ساتھ ساتھ آپ نے قرآن مجید حفظ کرنا شروع کر دیا اور اسی زمانہ میں آپ نے سکھوں سے جان بچ جانے (جس کا تذکرہ پیچھے کیا جا چکا ہے) کی خوشی میں رسول معظم ﷺ کی شان اقدس میں ایک طویل قصیدہ لکھا جس کے ستر اشعار ہیں، اس کا عنوان "قصيده العنبريه فى مدح خير البريه۔" ہے۔ آپ نے اس میں خواب میں رسول اکرم ﷺ کے دیدار مبارک کا بھی تذکرہ کیا ہے۔(۳۹)

سفرِ ٹونک:

جب ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ ختم ہوا تو آپ دوبارہ قنوج واپس تشریف لے آئے اور بعد ازیں سکندر بیگم والیۂ بھوپال کی طلبی پر دوبارہ عازم بھوپال ہوئے۔ جب وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ حاسدین نے سکندر بیگم کے کان بھر دیے ہیں، چنانچہ آپ کو ملازمت نہ مل سکی اور آپ ناکام لوٹے۔ بھوپال سے واپسی پر آپ ٹونک چلے گئے۔ ٹونک میں آپ کی ملاقات سید اسماعیل امیر کے ساتھ ہوئی اور تقریباً دو ماہ ان کے پاس قیام پذیر رہے اور اس کے بعد نواب وزیر الدولہ نے آپ کو پچاس روپے ماہانہ تنخواہ پر اپنے پاس رکھ لیا۔ لیکن یہاں آپ کا دل نہ لگ سکا اور آپ وہاں کی طرزِ معاشرت سے بے زار ہوگئے اور نواب وزیر الدولہ کے پر زور اصرار کے باوجود وہاں

ٹھہرنے پر تیار نہ ہوئے اور چار ماہ کی رخصت لے کر بھوپال آ گئے۔[۴۰] کیونکہ اسی دوران آپ کو دوبارہ بھوپال طلب کر لیا گیا تھا۔

بھوپال واپسی:

آپ ٹونک سے بھوپال ۱۸۵۹ء میں پہنچے، اب سکندر بیگم بڑی خندہ پیشانی سے پیش آئیں، گزشتہ انکار پر اظہار افسوس کیا اور آپ کو ریاست کی تاریخ نگاری کی ذمہ داری سونپی اور ۷۰ روپے ماہانہ تنخواہ مقرر کی۔[۴۱] اس پر آپ نے اپنا استعفاء نواب امیر الملک وزیر الدولہ کی خدمت میں بھیج دیا اور اس کے ساتھ اپنی نئی کتاب ''تحفہ فقیر'' بطور تحفہ بھیجی۔[۴۲] بھوپال اب وہ بھوپال نہیں رہا تھا کہ جہاں آپ کی قدم قدم پر مخالفت ہوتی تھی بلکہ اب سرزمین بھوپال آپ کے قدموں میں پھول بچھا رہی تھی اور سربلندی وعروج آپ کی قدم بوسی کو تیار تھے۔

نکاح:

ابھی تک نواب مرحوم کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ اب بھوپال میں آپ کی شہرت کا سورج جگمگانے لگا تھا۔ مدار المہام منشی جمال الدین خان نائب اول ریاست بھوپال آپ کی اعلیٰ قابلیت اور آپ کی صلاحیتوں کے پہلے ہی معترف تھے۔ انہوں نے اپنی سلیقہ شعار اور نیک بخت بیوہ دختر ذکیہ بیگم کا نکاح ثانی آپ سے کر دیا۔ آپ کا نکاح ۲۵ شعبان ۱۲۷۷ھ کو ماجی مسجد میں ہوا اور نکاح کا خطبہ مسنونہ مولانا عبد القیوم بن مولانا عبد الحی نے پڑھا۔[۴۳] اس رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے بعد آپ کا مقام مزید بلند ہو گیا اور آپ کو ریاست میں ایک اہم رکن کی حیثیت حاصل ہو گئی اور آپ کا مشاہرہ ایک سو روپے کر دیا گیا۔[۴۴]

اب آپ نے اپنی والدہ محترمہ اور بہنوں کو بھی اپنے پاس بلا لیا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ذکیہ بیگم سے دو بیٹے (سید نور الحسن خان طیب، سید علی حسن خان طاہر) اور ایک بیٹی (صفیہ بیگم) عطا کی۔[۴۵]

سفر حج:

آپ ۱۸۸۵ء میں حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنے کے لیے گئے، حج کرنے اور مدینہ منورہ کی زیارت سے فارغ ہو کر آپ آٹھ ماہ بعد واپس تشریف لے آئے۔ آپ اس سفر کے

بارے میں فرماتے ہیں:

''اس سفر میں بھی آتے جاتے اور اقامت کے وقت مطالعہ ونقل کتب کا شغل جاری رہا۔ روانگی کے وقت جہاز میں کتاب ''صارم منکی'' اپنے ہاتھ سے لکھی۔ پھر حدیدہ پہنچ کر جب اٹھارہ دن قیام ہوا تو سید محمد اسماعیل امیر وغیرہ کے بیس پچیس رسائل اپنے ہاتھ سے نقل کیے۔ منٰی اور عرفات میں بھی فرصت کے اوقات میں کتابت کی، واپسی کے وقت جہاز میں ''سنن دارمی'' لکھی۔ یہ نسخہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کا تھا اور میں نے مرزا امیر بیگ سلمہ، داماد مولوی محمد یعقوب مرحوم مہاجر مکی سے نقل کرنے کے لیے مستعار لیا تھا۔ بھوپال آ کر انہیں واپس کر دیا۔ اس نسخہ پر جابجا شاہ صاحبؒ کے قلمِ مبارک سے تصحیح ثبت تھی۔ اسی نسخہ کی نقل ہندوستان میں ''مطبع نظامی'' نے طبع کی ہے۔ اس سفر میں میں نے حدیدہ وحرمین شریفین کے بہت سے سلف وخلف صالحینؒ کی بہت سی نفیس کتابیں بھی خریدیں'' السیاسة الشرعیة '' کو مکہ معظمّہ میں نقل کیا۔ یہ قلمی رسائل ابھی تک کتب خانہ میں موجود ہیں، سفر حج کا رسالہ '' رحلة الصدیق الی البیت العتیق '' اور '' اتحاف النبلاء '' میں تفصیل کے ساتھ مرقوم ہے۔ سفر حجاز سے واپسی پر مجھے ریاست کے مدارس کا مہتمم بنا دیا گیا۔ پھر میر منشی بنا دیا گیا۔ میں اس شغل کو اپنے لیے پسند نہیں کرتا تھا کیونکہ مدرسہ میں تو علمی شغل تھا اور تمام وقت مطالعہ اور تالیف کتب میں بسر ہوتا تھا۔ چنانچہ ''مسک الختام شرح بلوغ المرام'' انہی ایام میں تالیف کی تھی۔ اور سارا کتب خانہ فروخت کر کے اس کتاب کی طباعت کا انتظام کیا۔ اب اس موجودہ خدمت میں فرصت جاتی رہی۔ انا للہ!

لیکن آئندہ سال سے پھر ایسی صورت پیدا ہوئی کہ پہلے سے بھی زیادہ مشغلۂ علم کی فرصت ہاتھ آ گئی۔ وللہ الحمد!''(۴۶)

نواب شاہجہاں بیگم سے نکاح:

رئیسۂ بھوپال نواب سکندر جہاں بیگم ۱۳ رجب ۱۲۸۵ھ بمطابق نومبر ۱۸۶۸ء کو انتقال فرما گئیں اور ان کی صاحبزادی نواب شاہجہاں بیگم تختِ شاہی پر جلوہ افروز ہوئیں۔ ان کا نکاح

نواب باقی محمد خاں مرحوم سے ہوا تھا اور وہ ان کی تخت نشینی سے پہلے ۲۱ صفر ۱۲۸۴ھ کو انتقال کر چکے تھے۔ اب نواب شاہجہاں بیگم کو اپنے امور سلطنت کو چلانے کے لیے ایسے رفیق حیات کی ضرورت تھی جو محبت و پیار کا خوگر، علم و عمل کا مجسمہ، باصلاحیت و منتظم اور والیۂ ریاست کا خیر خواہ ہونے کے ساتھ ساتھ رعایا کا مددگار اور آداب شاہانہ سے بھی آراستہ و پیراستہ ہو۔ چنانچہ ان کی نظر انتخاب نواب صدیق حسن خاںؒ پر پڑی اور بڑی شان وشوکت سے آپ کا نکاح رئیسہ بھوپال سے ۱۷ صفر ۱۲۸۸ھ بمطابق ۸ مئی ۱۸۷۱ء کو منعقد ہوا۔ اس پر شکوہ تقریب سعید میں عمائدین حکومت، ارکان ریاست، فوجی افسران اور علمائے کرام شریک ہوئے۔ پچیس ہزار روپے حق مہر مقرر ہوا۔ [۴۷]

نواب شاہجہاں بیگم زوجہ نواب صدیق حسن خاں نے اپنی تصنیف ''تاج الاقبال'' میں سید صدیق حسن خان کے انتخاب کی وجوہات بیان کی ہیں جس میں ان کی والدہ نواب سکندر بیگم کے اظہار پسندیدگی، آپ کی سترہ سالہ خدمات جلیلہ کا تذکرہ اور آپ کی وفاداری، خلوص، جانفشانی، اعلیٰ قابلیت اور دیانت داری کے ذکر کے ساتھ ساتھ آپ کی دینی خدمات اور آپ کے حسب و نسب کو بھی شاندار طریقے سے بیان کیا ہے۔ [۴۸]

نواب شاہ جہاں بیگم کے اخلاق و اطوار:

نواب صدیق حسن خاںؒ کی پہلی بیوی ذکیہ بیگم نہایت پاکباز، صالح، وفا شعار اور فرماں بردار بیوی تھی۔ نواب شاہ جہاں بیگم کو ان صفات یعنی پاکیزگی وتقویٰ اور وفا شعاری و اطاعت گزاری کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے بہت سی اور خوبیوں سے بھی نوازا تھا۔ آپ ایک شان دار اور مدبرہ حکمران، اخلاق حسنہ سے متصف، تحریر وتقریر کی خوبی سے مزین اور اپنے خاوند پر مرمٹنے کا جذبہ رکھنے والی خاتون تھیں۔ انہوں نے اپنے خاوند صدیق حسن خان سے قرآن وسنت کی تعلیمات حاصل کیں اور ان کے مطابق عمل پیرا ہوئیں، ریاست میں نواب صاحب کے اصلاحی احکامات کو نافذ کیا اور آپ کی ہدایات اور کتب سے استفادہ کرتی رہیں اور خود بھی کئی ایک کتب تالیف کیں۔

نواب صاحب مرحوم اپنی بیوی کے فضل و احسان اور حسنِ سلوک کا تذکرہ فرماتے ہوئے ''ابقاء المنن'' میں لکھتے ہیں:

''وہ انتہائی اعلیٰ اخلاق، لطیف طبع، شریفانہ عادات، عالی ہمت، حاضر جواب، بہادر، کتاب وسنت کے علماء سے محبت کرنے والی، فصیح اللسان اور فہم و ادراک اور عقل و شعور کی حامل عورت تھی۔'' (۴۹)

اعزازات وخطابات:

نواب مرحوم کی رئیسہ بھوپال سے شادی کے بعد آپ کو مملکت میں اہم مقام حاصل ہو گیا اور آپ وزیراعظم کے منصب تک جا پہنچے، سالانہ جاگیر پچیس ہزار سے شروع ہو کر پچھتر ہزار روپے سالانہ تک مرحمت کی گئی۔ علاوہ ازیں سول حکومت کے عہدیداروں اور فوجی افسران وغیرہ کی طرف سے نذریں پیش کی جانے لگیں اور علاقہ بھوپال میں سترہ توپوں کی سلامی پیش ہونے لگی نیز آپ کو نواب، والا جاہ اور امیر الملک ایسے خطابات سے سرفراز کیا گیا۔ (۵۰)

سیر وسیاحت:

اب نواب صدیق حسن خانؒ جلوت وخلوت میں نواب شاہجہاں کے دست راست تھے۔ وہ اپنے تمام نجی اور سرکاری دوروں اور اجلاسوں میں آپ کو ساتھ رکھتیں۔ اس سلسلے میں بمبئی، کلکتہ اور دہلی وغیرہ کے سفر اور حکومت برطانیہ اور ان کے وائسراؤں کے ساتھ میٹنگوں اور سرکاری تقریبات میں آپ کی شرکت اور آپ کو پیش کیا گیا مقام و مرتبہ ایک بڑی دلچسپ اور پرشکوہ داستان ہے جس کی تفصیلات مآثر صدیقی حصہ دوم میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

معزولی:

نواب صدیق حسن خان مرحوم اور ان کی اعلیٰ صفات کی حامل زوجہ نواب شاہ جہاں بیگم ریاست بھوپال کو نہایت خوش اسلوبی سے چلا رہے تھے اور ریاست کو دینی و دنیوی اعتبار سے آسمان رفعت وعظمت پر لے گئے تھے نیز بھوپال علمی مرکز کی حیثیت اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ ہر قسم کی مراعات وسہولیات سے ہمکنار ہو کر امن وامان کا منبع ومحور بن گیا تھا۔ لیکن یہ عظیم ترقی و عروج حاسدین اور سازشی عناصر کو گوارا نہ ہوا اور انہوں نے حکومت برطانیہ کو مختلف من گھڑت الزامات اور شکایتیں لگانا شروع کر دیں اور ان الزامات کے ثبوت کے لیے آپ کی ھدایت

السائل، اقتراب الساعة، ترجمان وھابیہ، وغیرہ ایسی تصنیفات وتالیفات اور آپ کے توحید وسنت سے مزین مواعظ حسنہ وغیرہ کو پیش کیا جن کی روشنی میں انگریزی حکومت نے ۲۱ مارچ ۱۸۸۱ء کو آپ پر ترغیب جہاد اور وہابیت کے پرچار کا الزام لگا کر آپ پر پابندیاں عاید کردیں اور بعد ازاں ۱۸۸۵ء میں آپ پر باغیانہ تقریر وتحریر کے الزامات عاید کر کے آپ کو ۲۸ اگست ۱۸۸۵ء کو تمام مناصب اور خطابات سے معزول و برخاست کردیا۔ اس صورت حال کو امام ابو یحییٰ خاں نوشہروی ان الفاظ کے ساتھ قلم بند کرتے ہیں:

”آخر جناب، والا جاہ نواب صدیق حسن خاں صاحب کی علمی سرگرمیوں پر برادرانِ دین نے حسد کیا، جاہ ومرتبہ، خویش واقارب کو ناپسند آیا، عام مسلمانوں میں حضرت کا یہ وقار گورنمنٹ عالیہ کی نظر میں خار ہوتا گیا۔“

گرا جو دامن گل چیں میں گل نے رو کے کہا
کہ میری جان کا دشمن تھا رنگ و بو میرا

اور ان سب کا ردعمل خطابات واختیارات سے علیحدگی تجویز ہوئی، مگر قرار داد جرم مرتب کرنے کے لیے ابھی کسی بہانہ کی ضرورت تھی۔

ادھر قصہ فرہاد و داستانِ قیس یعنی مجاہدین کا وہ خونی افسانہ ابھی زبان زد عام تھا، جس نے کوہستان کشمیر وکابل کو اپنے خون شہادت سے لالہ زار بنادیا تھا، انبالہ کا وہابی کیس ابھی ابھی ختم ہوا تھا، جس میں حضرات صادق پور و بہار۔ (مولوی احمد اللہ ومولانا یحییٰ علی وحضرت عبدالرحیم وسیدنا عبدالغفار منشی، مولانا جعفر علی تھانیسری وغیرہم) کالے پانیوں کو بحر نور سے بدلنے کے لیے بھیج دیے گئے تھے، ان احوال میں سید صدیق حسن خاں جیسے مجدد الوقت پر الزامات لگانے کیا مشکل تھے، پس یہ روئدادِ جرم یوں مرتب کی گئی۔

الزامات:

(۱) ترغیب جہاد اور گورنمنٹ کی مخالفت

(۲) مذہب وہابیت کی ترغیب

اور ان دونوں دفعات کو مجلّا کرنے کے لیے یعنی

(۳) رئیسہ عالیہ کو پردہ نشین بنا کر مدد دہی رئیسہ کے نام سے تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں لینا۔

(۴) جاگیرات کی ضبطی

(۵) سختی بندوبست

(۶) نواب قدسیہ بیگم صاحبہ کو رئیسہ عالیہ کا مخالف کرنا۔

(۷) رئیسہ عالیہ اور نواب ولی عہد میں ناموافقت پیدا کرنا۔ اور یہ رسم انتزاع ۱۷ ذیقعدہ ۱۳۰۲ھ۔ ۲۸ اگست ۱۸۸۵ء کو عمل میں آئی۔ (۵۱)

☆..........................☆

فصل دوم

شیوخ واساتذہ

نواب صدیق حسن نے اپنے زمانہ کے نامور اہل علم سے تعلیم حاصل کی اور ان سے متداول علوم صرف ونحو، لغت وادب اور علومِ قرآن وسنت حاصل کیے۔ ان اساتذہ میں سے چند چیدہ اور مشہور ترین درج ذیل ہیں۔

مفتی محمد صدر الدین خاں آزردہ صدر الصدور:

آپ کا اصل وطن کشمیر تھا، دہلی میں ۱۲۰۴ھ میں پیدا ہوئے آزردہ کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ ابتدائی علوم اپنے والد سے پڑھے اور ادب عربی، بیان، فقہ، اصول فقہ، تفسیر وغیرہ شاہ عبد العزیز دہلوی سے اور علوم حدیث، کتب رجال، منطق اور فلسفہ وغیرہ دیگر اساتذہ سے حاصل کیے۔ صاحب نزہتہ الخواطر لکھتے ہیں:

> ''یہ اپنے زمانہ کے ہر علم کے ماہر اور خصوصاً ادبی فنون میں ید طولیٰ رکھتے تھے، جب ان سے کسی بھی فن کے بارے میں سوال کیا جاتا تو دیکھنے اور سننے والا یوں سمجھتا کہ اس فن کو ان کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ہوگا۔ اس بنا پر علماء کے خیال میں یہ علمی طور پر

منفرد عالم تھے۔ شعراء کا خیال ہے کہ شاعری کے علم کے یہی علمبردار ہیں۔ امراء فیصلے کے لیے انہی کی طرف رجوع کرتے تھے۔ نواب صدیق حسن نے ان سے بعض کتب میں استفادہ کیا (۵۲) اور حکومت برطانیہ نے ۱۸۲۷ء میں ہندوستانی حکومت میں ان کو دہلی کا مفتی عام اور صدر الصدور کا منصب عطا کیا۔ (۵۳)

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ان کے فتویٰ سے انگریز کے خلاف جہاد میں تیزی آئی جس کی بنا پر انہیں پابند سلاسل کیا گیا اور ان کی املاک لوٹ لی گئیں اور ان کے موروثی مکتبہ کو جس کی کتابوں کی قیمت کئی لاکھ روپے تھی جلا کر خاکستر کر دیا گیا۔ آپ ۱۲۸۵ء کو فوت ہوئے۔ (۵۴)

شیخ حسین بن محسن السبیعی الانصاری:

آپ کا نام الشیخ الامام العلامۃ المحدث القاضی حسین بن محسن السبیعی الانصاری ہے۔ آپ کی نسبت آپ کے جد اعلیٰ تقی الدین ابن سبیعی الانصاری کی طرف ہے۔ حدیدہ شہر میں ۱۲۴۵ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے قرآن مجید اپنے والد کی زندگی میں پڑھ لیا تھا پھر علم نحو وصرف، فقہ پڑھی اور علوم حدیث میں امتیاز حاصل کیا۔

علامہ سلیمان بن محمد نے ان کو خصوصی اجازت تفویض کی پھر آپ مکہ مکرمہ چلے گئے۔ وہاں حافظ محمد بن ناصر الحازمی کی شاگردی اختیار کی، وہاں سے بھی علمی اجازت حاصل کی پھر آپ چار سال تک ملک یمن کے ایک شہر میں جج کے فرائض انجام دیتے رہے ہیں۔ قرآن وسنت کے ساتھ شدید تمسک کی وجہ سے اور بعض امراء کے خلاف فتویٰ دینے کی وجہ سے آپ کو معزول کر کے ترک وطن پر مجبور کر دیا گیا۔ لہٰذا آپ سکندر بیگم کے دور میں بھوپال واپس آ گئے۔ (۵۵) ان کے متعلق ان کے شاگرد عزیز نواب صدیق حسن لکھتے ہیں کہ: "یہ ہمارے جدید علوم کے استاذ تھے، میں نے ان سے چھ معتبر کتابیں اور کچھ دیگر کتابیں پڑھی ہیں اور آپ نے مجھے ان کے متعلق کامل اور عمومی اجازت عنایت فرمائی۔ ان کی اجازت کی تحریر اب بھی ہمارے پاس موجود ہے۔ (۵۶) آپ ۱۳۲۶ھ کو فوت ہوئے۔ (۵۷)

شیخ عبدالحق بنارسی:

عبدالحق بن فضل اللہ بنارسی اپنے دور کے مشہور عالم ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب خلیفہ ثالث

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ حج بیت اللہ کے بعد یمن گئے اور صنعاء میں قاضی محمد بن علی الشوکانی اور دیگر علماء سے تحصیل علم کیا اور ان سے علمی اجازت لے کر ۱۲۳۸ھ کو واپس آئے، سات بار حجاز کا سفر کیا اور ۱۲۸۷ھ کو منیٰ میں حالت احرام میں وفات پائی اور مسجد خیف کے دروازے کے سامنے دفن ہوئے۔ (۵۸)

الشیخ محمد یعقوب دہلوی مہاجر مکی:

آپ نے اپنے بھائی محمد اسحاق کے ساتھ مکہ ہجرت کی، آپ علم وفضل کا نمونہ تھے، بے مثال اخلاقِ جمیلہ اور مکارم حمیدہ سے متصف تھے اور قناعت و استغناء کا نمونہ تھے۔ (۵۹) دہلی میں پیدا ہوئے اور اپنے دادا شیخ عبدالعزیز دہلوی سے علم حاصل کیا، انہیں کے زیر سایہ تربیت حاصل کی اور انہیں سے علم حاصل کر کے وہیں درس و تدریس شروع کر دی، آپ نے ایک مدت تک دہلی میں قیام کیا۔ پھر ۱۲۵۸ھ میں مکہ کا سفر کیا اور وہیں سکونت اختیار کر لی، نواب صدیق حسن وغیرہ نے ان سے علمی استفادہ کیا۔ آپ جمعہ کے روز ۱۲۸۲ھ میں مکہ المکرمہ میں فوت ہوئے۔ (۶۰)

شیخ احمد حسن عرشی:

آپ عرشی تخلص رکھتے تھے، احمد بن حسن بن علی نام تھا، نواب صدیق حسن خاں کے حقیقی بھائی تھے اور دو سال بڑے تھے۔ ۱۹/ رمضان ۱۲۴۶ھ کو پیدا ہوئے۔ قنوج میں پرورش پائی، مختلف علاقوں کا سفر اور مشہور علماء سے علم حاصل کیا اور ان کے مشہور ترین استاد محدث عبدالغنی بن ابوسعید دہلوی ہیں جو کہ انتہائی ذہین تھے، ان کے متعلق نواب صدیق حسن ''ابجد العلوم'' میں لکھتے ہیں:

> ''یہ ذہانت و فطانت اور قوت حافظہ میں تمام ساتھیوں سے فوقیت رکھتے تھے اور فرماتے تھے میرا خیال ہے کہ ان کا گوشت ہڈیاں اور اعصاب تمام کے تمام علم سے بھرپور ہیں اور میری آنکھوں نے ان جیسا ذہین، وسعتِ علم کا حامل اور مسائل وعلوم کا حافظ نہیں دیکھا۔'' (۶۱) آپ ۱۲۷۶ھ میں فوت ہوئے۔ تیس سال کی عمر میں حجاز میں دفن ہوئے۔'' (۶۲)

☆..........☆..........☆

فصل سوم

اوصافِ حمیدہ اور حسن کردار

محی السنۃ نواب صدیق حسن خاں مرحوم بہت سے اوصاف حمیدہ کے حامل اور اخلاق حسنہ کے پیکر تھے، ہر چھوٹے بڑے سے اس طرح ملتے کہ ملنے والا آپ کا ہی ہو کر رہ جاتا۔ کسی سے بھی تلخ روئی، اکڑ اور غیظ وغضب سے پیش نہیں آتے تھے بلکہ میٹھی زبان، خوبصورت مسکراہٹ اور نہایت خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے مخالفین و حاسدین سے بھی کبھی آپ کی تو تکار نہیں ہوئی اور آپ کو اپنے خلاف ہونے والی ان کی سازشوں اور شرارتوں کا علم ہونے کے باوجود آپ نے ان کے خلاف زبان سے کبھی ایک لفظ تک نہیں نکالا اور کتابوں میں بھی ان کا نام تک درج کرنے سے احتراز کیا بلکہ آپ نے ان کی بھی اصلاح کی کوششیں کیں اور ان سے اپنے معاملات وتعلقات کو برقرار رکھا۔

عاجزی وانکساری:

آپ کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ آپ عاجزی وانکساری کا پیکر تھے اور آپ نے اعلیٰ حکومتی مناصب پر فائز رہنے کے باوجود بھی کبھی تکبر وغرور سے کام نہیں لیا بلکہ ہمیشہ اپنے آپ کو عاجز و منکسر بنائے رکھا اور ہر کسی سے عاجزی وخاکساری کے ساتھ پیش آتے رہے۔ بعض اوقات آپ اس قدر عاجزی وانکساری سے کام لیتے کہ بعض لوگ اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے رہے۔

آپ کی علمی قابلیت، اعلیٰ صلاحیتوں اور تبحر علمی کا زمانہ معترف ہے اور اس پر آپ کی تالیفات وتصنیفات شاہد ہیں لیکن آپ اپنے آپ کو نہایت کم درجہ پر سمجھتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''ہم جیسے لوگوں کو طالب علم ہونا ہی کفایت کرتا ہے، مرتبہ علم تک رسائی ہمارے سلف صلحاء کا کام تھا، خلف میں نہ وہ ہمت ہے نہ اشتیاق، سلف وخلف کے علوم میں بہت زیادہ تفاوت ہے۔...... علاوہ ازیں ہم لوگ علماء نہیں ہیں بلکہ محض حمّال (علم اٹھانے والے) نقّال (نقل کرنے والے) اور قوّال (زبان سے بیان کرنے والے) ہیں

پھر یہ حمل علم، عدم عمل کی وجہ سے بے اثر ہے۔"(۶۳)

آپ کی تالیفات میں ایک کتاب "نزل الابرار" بھی ہے جو دعاؤں اور ذکر و اذکار کے بارے میں بہت عمدہ کتاب ہے۔ آپ اس کتاب اور امام نووی کی کتاب کے بارے میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"علم ادعیہ واذکار میں امام نوویؒ کی کتاب معروف ومقبول ہے۔ بعض اہلِ علم نے کہا ہے: "بع الدار واشتر الاذکار." لیکن میری کتاب "نزل الابرار" اذکار کی نسبت زیادہ نفع بخش اور زیادہ جامع ہے۔ یہ بات محض تحدیث کے طور پر کہہ رہا ہوں اس لیے نہیں کہ میرا علم وفضل نووی سے زیادہ یا مساوی ہے کیونکہ میں نووی کے خاک پا کے برابر بھی نہیں ہوں، کجا ذرہ کجا آفتاب۔"(۶۴)

آپ لوگوں سے معاملات کرتے وقت انتہائی نرمی اور مساحت اختیار کرتے اور خیال کرتے تھے کہ میرا حق کسی پر رہ جائے اور کسی کا حق مجھ پر نہ ہو۔(۶۵)

بری صحبت اور برے کاموں سے نفرت:

سید صدیق حسنؒ بچپن سے ہی برے کاموں اور بری صحبت سے احتراز کرتے اور ان سے حدِامکان بچنے کی کوشش کرتے تھے۔ آپ نے کبھی آوارہ اور بدقماش نوجوانوں کی مجلس اور صحبت اختیار نہیں کی اور کبھی ایسے کھیلوں میں شریک نہیں ہوئے جو معیوب سمجھے جاتے تھے، آپ اپنی سوانح میں لکھتے ہیں:

"مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی پتنگ اڑائی ہو، مرغ لڑایا ہو، بٹیر پالا ہو، شطرنج گنجفہ، نردشیر یا کوئی سا کھیل کھیلا ہو یا کبھی شہدوں کی صحبت میں بیٹھا ہوں۔ حالانکہ کوئی بزرگ سر پر نہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا کہ مجھے کبھی بھی مکروہ امور کا شوق پیدا نہ ہوا اور میں ہمیشہ اچھے لوگوں کی صحبت کا طالب رہا اور اگر اتفاقاً کسی صحبتِ بد میں پھنس گیا تو جلد متنبہ ہوکر باز آ گیا۔ وللہ الحمد۔"(۶۶)

علاوہ ازیں آپ جاہلوں کی صحبت سے بچتے تھے اور ان کی صحبت کو غیبت، طعن وتشنیع، مکر و فریب، جھوٹ اور مخاصمت کا سبب قرار دیتے تھے۔

ذکر واذکار اور دیگر عبادات:

محی السنۃ نواب صدیق حسن خاںؒ عبادات کی ادائیگی بڑی توجہ وانہماک سے کرتے تھے۔ نماز اول وقت میں اور باجماعت ادا کرتے تھے۔ اگرچہ حکومتی معاملات اور گھریلو مصروفیات کی وجہ سے بعد میں مسجد کا التزام نہ رہ سکا۔ رمضان المبارک میں عبادت الٰہی کے لیے کمربستہ ہوجایا کرتے تھے، زکوٰۃ باقاعدہ حساب واہتمام سے دیا کرتے تھے، صبح وشام کی ادعیہ مسنونہ کے سختی سے پابند تھے۔ نماز تہجد کے وقت بیدار ہوتے۔ خصوصاً رمضان المبارک میں ضرور بارہ رکعت نماز تہجد ادا کرتے، دن رات کے معمولات میں بھی مسنون دعاؤں کا ورد کرتے، کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے، گھر داخل ہونے، نکلنے، بیت الخلا آنے جانے اور کپڑے پہننے تک کی دعائیں پڑھا کرتے تھے۔ رات کو سونے سے پہلے تسبیح فاطمہ، آیت الکرسی، سورۃ فاتحہ، چار قل، سید الاستغفار، کلمہ توحید و تمجید پڑھتے اور اپنی خطاؤں سے توبہ وتائب ہوکر سوتے تھے اور یہ تصور رکھتے تھے کہ نیند میں روح، جسم سے آسمان کی طرف چڑھتی ہے۔ اگر ظاہری وباطنی طہارت پر نیند آئی ہو تو اسے اللہ کے سامنے سجدہ کی اجازت ملتی ہے اور اگر ظاہری وباطنی طہارت کے بغیر خواب استراحت میں چلے گئے تو نیند کو دربار الٰہی میں داخل ہونے سے روک لیا جاتا ہے اور اسے سجدہ کی اجازت نہیں ملتی اور گناہگار ٹھہرتی ہے۔ (۶۷)

گناہ سے نفرت اور توبہ واستغفار کی کثرت:

آپ گناہ سے بڑے نفور تھے اور گناہ صغیرہ وکبیرہ، دونوں سے بچنے کی کوشش کرتے تھے اور اپنے گناہ پر پردہ ڈالنے کے لیے کسی فقیہ کے قول یا ضعیف روایت یا کسی حیلہ وتاویل کو ڈھونڈنے اور اسے پیش کرنے کی کوشش نہیں کرتے تھے بلکہ اس عمل کو نہایت ناپسندیدگی سے دیکھتے اور اسے عذر گناہ بدتر از گناہ سمجھتے تھے۔

گناہ ہونے کے بعد استغفار کرنا آپ کا معمول تھا بلکہ اکثر توبہ واستغفار کے الفاظ ماثورہ آپ کی زبان پر رہتے کیونکہ آپ کے نزدیک گناہ کے بعد توبہ فی الفور واجب ہوجاتی ہے اور گناہ کے بعد توبہ نہ کرنا ایک دوسرا گناہ ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ ایک انسان ایک گناہ بار بار کرتا ہے تو اسے ہر بار گناہ سے توبہ کرنی چاہیے کیونکہ ہر گناہ کے ساتھ توبہ واستغفار کی توفیق ملنا ﴿ ان

الحسنت یذھبن السیات ﴾ کی مصداق ہے۔اسی طرح آپ کے خیال میں زیادہ استغفار کرنے سے گناہ کم ہو جاتے ہیں اور انسان گناہ ترک کر دیتا ہے۔(٦٨)

نواب مرحوم اپنے گناہوں پر بہت روتے تھے اور خوف خدا سے لبریز رہتے ہوئے، اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے تھے اور مومن کی حالت کو خوف و رجاء کے بین بین تصور کرتے تھے اور صرف خوف یا صرف رجاء کے مخالف تھے۔چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

''مجھ پر حالت رجاء کی بہ نسبت حالت خوف کا غلبہ رہتا ہے لیکن اس میں عیب کی کوئی بات نہیں کیونکہ خوف کا نتیجہ بہت کم ظاہر ہوتا ہے لیکن رجاء بعض اوقات یاس میں تبدیل ہونے لگتی ہے۔ یہ خوف گویا اشتہائے کاذب ہے اور رجا گویا جرأت نالائق ہے۔خوف ہوتا تو برستے ہوئے مینہ کی طرح، یہ لگاتار گناہ کیوں ہوتے۔ پھر دل کے گناہ الگ ہیں، وہ سب ٦٦ ہوتے ہیں اور بدن کے گناہ الگ ہیں وہ سب ۱۰۴ ہیں۔اگر چہ میں یہ نہیں کہتا کہ میں رات دن یہ سارے گناہ کرتا رہا ہوں لیکن یہ ضرور کہتا ہوں کہ مجھ سے صغائر و کبائر یقیناً سرزد ہوئے ہیں۔بعض وہ ہیں جن کو میں جانتا ہوں اگر چہ میں نے ان سے توبہ کر لی ہے۔قبول و عدم قبول کا حال اللہ ہی جانے۔ بعض وہ ہیں جو صرف اللہ کو معلوم ہیں، میں ان کو نہیں جانتا یا بھول گیا ہوں۔ ہر چند ان سے بھی توبہ کرتا ہوں لیکن عقاب، حساب اور عتاب وغیرہ کا خوف لگا رہتا ہے۔ اس لیے کہ محض رجاء مرجیہ کا مذہب ہے اور محض خوف خوارج کا۔مومن کو چاہیے کہ خائف اور راجی ہو۔حیات میں خوف غالب رہے اور موت کے وقت رجاء و حسنِ ظن غالب آ جائے لیکن محض تمنا سے نہیں بلکہ ظہورِ ثمرات کے اعتبار سے۔

عمرك بالحمية افنيته | خوفا من البارد والحار
وكان اولى لك ان تتقى | من المعاصي حذر النار (٦٩)

(انسان چاہے تو اپنے نفس کی دونوں حالتوں کا امتحان کر سکتا ہے، اگر ہر ساعت میں محاسبہ نفس نہ کر سکے تو صبح و شام محاسبہ کرنے سے تو کوئی امر مانع نہیں ہے جس کا حساب اس جگہ پاک ہے اسے وہاں محاسبہ کا کچھ باک نہیں ہے۔)

آپ کو دنیا سے محبت نہیں تھی بلکہ ترکِ دنیا کو پسند فرماتے تھے اور اس کوشش میں رہتے تھے

کہ دنیا کے مال و متاع اور دنیا کی جھوٹی عزتیں نہ ہی ملیں لیکن اگر دنیا کا مال ملے تو صرف قوتِ لا یموت ملے۔

اخلاق رذیلہ سے نفرت:

نواب صدیق حسن مرحوم غیبت، چغلی، لغویات، کذب بیانی، دغا وفریب، خوشامد اور حسد ایسی بیماریوں میں مبتلا نہیں تھے اور ان سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرتے اور جاہلوں کی مجلس انہی رذائل کی بنا پر اختیار نہ کرتے۔ آپ کسی آدمی سے بھی کسی دینی دنیوی فضیلت پر حسد نہیں کرتے تھے اور نہ ہی کسی کی خوشامد کرتے تھے اور ﴿ **نحن قسمنا بينهم معيشتهم في الارض في الحيـاة الدنيا** ﴾ کے تحت انعامات الٰہیہ کی تقسیم پر شاکر وقانع تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ''کسی نے میرا حصہ تو نہیں چھینا کہ اس پر حسد کروں اور جو کسی دوسرے کی قسمت میں ہے وہ بھی مجھے ہرگز نہیں مل سکتا پھر حسد چہ؟ ہاں سلف وخلف میں جو اہل فضل وتقویٰ ہیں ان کے تراجم احوال سے مطلع ہوکر یہ رشک ضرور ہوتا ہے کاش! یہ فضائل وخصائل مجھے بھی ملتے، مجھے بھی ان جیسا علم نصیب ہوتا۔ میں بھی ویسا متقی اور عابد وزاہد ہوتا جیسے وہ لوگ تھے یا جو شخص مالِ حلال سے سخاوت کرتا رہا ہو اس پر رشک آتا ہے کہ اگر مجھے دسترس ہوتی تو میں بھی راہِ خدا میں اسی طرح ایثار سے کام لیتا اور مال خرچ کرتا۔ (۷۰)

اہل اللہ سے محبت:

آپ اہل اللہ سے بڑی گہری اور دلی محبت رکھتے تھے اور ''المـرأ مـع مـن احـب'' کی رو سے سمجھتے تھے کہ محبت محبّ کو محبوب تک پہنچا دیتی ہے۔ اس لیے آپ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اہل بیت رضی اللہ عنہم، تابعین، ائمہ مجتہدین، محدثین، فقہاء وصوفیاء وصالحین سے شدید محبت رکھتے تھے اور خواہش کرتے تھے کہ کاش مجھے ان کی صحبت نصیب ہوتی۔ اسی طرح آپ اہلِ فسق سے نفرت کرتے تھے اور ابن الدنیا کی صحبت سے کنارہ کشی اختیار کرتے تھے۔ آپ اہل اللہ کی محبت اور ان کی سیر وسوانح کو اپنے لیے مشعلِ راہ اور اعمال صالحہ ودینی کاموں کے لیے باعث ہمت وحوصلہ خیال کرتے تھے اور اپنی اس محبت کو آخرت میں نافع گردانتے تھے۔

☆............☆............☆

فصل چہارم

وفات

علم وعمل کا یہ عظیم نمونہ،تصنیف وتالیف کا نامور سرخیل،اخلاق حسنہ کا پیکر جمیل،جید مدرس،مثالی مفسر،بہترین ادیب وشاعر،قرآن وحدیث کا بے مثال داعی اور ریاست بھوپال کا عادل حکمران (۵۹) انسٹھ برس کی مختصر زندگی گزارنے کے بعد بالآخر ۲۹ جمادی الاخری ۱۳۰۷ھ بمطابق ۲۰ فروری ۱۸۹۰ءکواس جہان فانی سے جہان ابدی کے لیے چلا گیا۔[۷۰] انا لله وانا اليه راجعون .

مولانا ذوالفقار احمد بھوپالی آپ کے سفر آخرت کے ضمن میں رقم طراز ہیں:

''شیخنا المرحوم کی آخری تالیف کتاب ''مقالات الاحسان'' ہے، یہ کتاب ترجمہ ہے فتوح الغیب کا جو کہ سیدنا ومولانا حضرت سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ہے جب اس کا طبع ہونا شروع ہوا تو میں نے اور انہوں نے اس کا مقابلہ کیا، جب صحت نامہ کا وقت آیا تو وہ بیمار تھے، میں نے اور ایک اور شخص نے اس کا مقابلہ ان کے روبرو کیا، مرض استسقا ہو گیا تھا، نہایت درجہ ایذا ہوئی مگر بڑے مستقل مزاج تھے۔ وفات کے وقت تک استقلال رہا، ہراس اور بے صبری کا کلمہ ہرگز زبان سے نہیں نکلا، ایام بیماری میں شب کو میں ان کے پاس رہتا تھا۔ رات کو نیند نہیں آتی تھی اور نہ لیٹا جاتا تھا۔ پلنگ پر قبلہ رخ بیٹھے رہتے، سامنے تکیہ رکھ لیتے تھے، اس پر سر رکھ لیا کبھی اٹھا لیا، اسی طرح ساری رات بسر ہوتی تھی، اکثر یا ارحم الراحمین کہتے تھے۔ بیماری کی شدت کی وجہ سے لکھنے کی طاقت نہیں تھی مگر علم کا شوق وہی، مجھ سے کہا بھائی تم آخر اور جگہ بیٹھ کر لکھتے ہو ہمارے سامنے ہی لکھا کرو، میں اس وقت '' مرأۃ النسوان '' لکھتا تھا، پس میں نے ان کے روبرو لکھنا شروع کیا۔ ظہر سے عصر تک ان کے کمرے میں لکھتا پھر گھر جاتا، بعد عشاء کے پھر آ جاتا تھا تو رات کو بھی چراغ کے روبرو بیٹھ کر ان کے سامنے لکھتا تھا۔ اس سے ان کو انس ہوتا، اس اثنا میں باتیں

بھی کرتے جاتے تھے، کئی دنوں سے اسی طرح ہوتا تھا، کبھی فرماتے بھائی آدمی دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو مثل دوا کے کہ جب بیمار ہوں تو ان کی حاجت ہو اور ایک مثل غذا کے کہ کسی حالت میں اس سے چارہ نہیں ہے، میری یہی مثال ہے۔ غرض یہ کہ چہار شنبہ بست ونہم (۲۹)، ماہ جمادی الآخر ۱۳۰۷ھ کو ناگاہ جی میں آیا کہ آج ۳ بجے سے ان کے پاس جاؤں۔ چنانچہ جلدی سے کھانا کھا کر ان کے پاس حاضر ہوا تو تکیے پر سر رکھے ہوئے تھے، میں نے سلام کیا تو سلام کا جواب دیا اور فرمایا اچھا ہوا سویرے آگئے۔ پھر باتیں کرتے رہے، بے قراری زیادہ تھی۔ دوا علاج ہوتا رہا مگر کچھ نفع نہیں ہوتا تھا، اسی طرح ہوتے ہوتے رات کے ۱۲ بج گئے، اس وقت یا اس سے قبل کہا بھائی آگرے سے ہماری کتاب نہیں آئی، میں نے کہا وہ چھپ گئی، اس کا صحت نامہ بھی تیار ہو کر آگیا، فرمایا اچھا ہوا مہینہ بھی پورا ہوا اور ہماری تالیف بھی پوری ہوئی، پھر کوئی دوا لایا تو پی لی، ذرا دیر بعد میں نے کہا کچھ آپ کو تسکین ہے، فرمایا کسی قدر، پھر کہا اب ہم دوا نہیں پئیں گے۔ اتنے میں ایک بج گیا، ذرا دیر بعد بے قراری ہوئی تو بسرعت ٹوپی سر سے اتار کر ڈال دی اور ذرا پاؤں پھیلائے اور چہرے پر پسینہ آیا، بکشادہ پیشانی بکمال درستی ہوش وحواس جان بحق تسلیم کی، اس وقت ایک بجنے پر ۳۵ منٹ رہ گئے تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ رحمہ اللہ تعالیٰ، بعد نماز صبح غسل دیا گیا، نماز جنازہ میں ایک خلق کثیر تھی، کئی بار نماز ہوئی، بروز پنجشنبہ یکم رجب ۱۳۰۷ھ کو قبل دوپہر کے اپنے خاص قبرستان میں مدفون ہوئے۔"(۷۲)

آپ کی نمازِ جنازہ میں ہزاروں مسلمانوں نے شرکت کی اور تین بار آپ کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی جو گیارہ گیارہ اور تیرہ تیرہ صفوں پر مشتمل تھی۔(۷۳)

اللھم اغفرلہ وارحمہ وادخلہ الجنۃ الفردوس! آمین یا رب العالمین.

حواشی

۱۔ صدیق حسن، سید، ابجد العلوم ج:۳، ص:۲۷۱۔ مکتبہ قدوسیہ لاہور، ذوالفقار احمد، قضاء الارب، ص: ۲۴۵۔ مطبع مفید عام، آگرہ ۱۲۸۳ھ۔ عبدالحی۔ سید، نزہۃ الخواطر، ج:۸، ص:۱۶۸، علی حسن، سید، مآثر صدیقی ج:۲، ص:۱، لاہور، جمعیۃ اہل سنت

۲۔ مآثر صدیقی ج:۲ ص:۲

۳۔ ایضاً ص:۱

۴۔ صدیق حسن، سید، التاج المکلل ص:۵۴۶۔ طبع اولیٰ ۱۴۱۶ھ، ریاض، مکتبہ دارالسلام
صدیق حسن، سید، خبیئۃ الاکوان فی افتراق الامم علی المذاہب والادیان، ص ۹۵، طبع اول ۱۴۰۵ھ بیروت۔ دارالکتب العلمیۃ۔

۵۔ ذوالفقار احمد۔ قضاء الارب فی ذکر علماء النحو والادب، ص: ۲۴۵۔ آگرہ، مطبع مفید عام ۱۲۸۳ھ۔

۶۔ صدیق حسن، سید۔ ابقاء المنن ص ۲۹۔ ۲۸۔

۷۔ ابقاء المنن ص ۳۰۔ ۲۹۔

۸۔ صدیق حسن، سید، ابجد العلوم ج:۳، ص ۲۷۱، خبیئۃ الاکوان ص ۹۵، مآثر صدیقی: ج ۲، ص ۱:

۹۔ التاج المکلل ص:۵۵۱

۱۰۔ ذوالفقار احمد، قضاء الارب ص: ۲۴۵

۱۱۔ مآثر صدیقی ج:۴، ص:۱۸۹۔

۱۲۔ ایضاً ص:۱۸۱۔ مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم نے بہ دلائل آپ کو مجدد ثابت کیا ہے، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ اشاعۃ السنۃ جلد ۶ شمارہ ۴، ۶ جون ۱۸۸۳ء

۱۳۔ نزہۃ الخواطر ج ۸: ۱۸۵۔

۱۴۔ انطاکی، فتح اللہ۔ الہند کما رأیتھا۔ ص: ۷ طبع اولیٰ ۱۹۳۳ء مصر، مطبعۃ ودیع ابوفاضل۔

۱۵۔ ابجد العلوم۔ ج:۳، ص: ۲۷۱۔ مآثر صدیقی، ج:۲، ص:۹۴

۱۶۔ مآثر صدیقی: ج:۳، ص:۱۷۱

۱۷۔ التاج المکلل ص:۵۴۶، قضاء الآرب ص: ۲۴۵، ابقاء المنن ص ۱۸، سید عبدالحی صاحب نزہۃ الخواطر نے آپ کے والدگرمی کے انتقال کے وقت آپ کی عمر چھ برس لکھی ہے۔ دیکھیے نزہۃ الخواطر ج:۸، ص: ۱۸۷

۱۸۔ ابقاء المنن ص: ۴۸

۱۹۔ ایضاً ص:۵۱

۲۰۔ ایضاً ص:۵۱

۲۱۔ ایضاً ص:۵۵

۲۲۔ ایضاً ص:۵۴

۲۳۔ عبدالحی بن فخر الدین حسینی۔ الاعلام بمن فی تاریخ الہند من الاعلام۔ ج:۸، ص ۲۰۳۔

۲۴۔ مآثر صدیقی ج:۲، ص:۲۷

۲۵۔ رضیہ حامد۔ڈاکٹر،نواب صدیق حسن خاں۔ص:۴۷
۲۶۔ ابقاء المنن ص:۵۶
۲۷۔ مآثر صدیقی۔ج:۲،ص:۴
۲۸۔ ایضاً۔ص:۵،ابقاء المنن:ص:۴۴
۲۹۔ ابقاء المنن ص:۴۶
۳۰۔ ایضاً
۳۱۔ ایضاً
۳۲۔ مآثر صدیقی ج:۲،ص۱۲
۳۳۔ نوشہروی،تراجم علمائے حدیث ہند ج:۱،ص:۲۸۱،کراچی،مکتبہ اہل حدیث
۳۴۔ روض الخضیب ص:۱۶۵،رضیہ حامد۔ڈاکٹر،نواب صدیق حسن خان ص:۷۸
۳۵۔ مآثر صدیقی ج:۲،ص:۲۱
۳۶۔ ایضاً ص:۲۲
۳۷۔ روض الخضیب ص:۱۶۶۔
۳۸۔ مآثر صدیقی ج:۲،ص:۲۶
۳۹۔ ایضاً ص ۳۵۔۳۶
۴۰۔ تراجم علمائے حدیث ہند،ج:۱ص:۲۸۶۔۲۸۵۔
۴۱۔ ایضاً،مآثر صدیقی ج:۲،ص۴۲۔
۴۲۔ مآثر صدیقی ج:۲،ص:۴۲
۴۳۔ ابقاء المنن ص:۱۲۳۔
۴۴۔ مآثر صدیقی،ج:۲،ص۶۲۔
۴۵۔ ابقاء المنن،ص۱۲۳۔
۴۶۔ ایضاً،ص ۱۲۷۔۱۲۶۔
۴۷۔ مآثر صدیقی،ج:۲،ص ۸۶
۴۸۔ شاہ جہاں بیگم۔تاج الاقبال،ج:۳،ص ۲۷۱
۴۹۔ ابقاء المنن ص ۱۲۶
۵۰۔ تاج الاقبال ج:۳،ص:۲۹
۵۱۔ تراجم علمائے حدیث ہند،ج:۱،ص: ۲۹۵۔۲۹۴۔
۵۲۔ نزہۃ الخواطر،ج:۷،ص:۲۲۶
۵۳۔ ابجد العلوم،ج:۳،ص ۲۴۷۔
۵۴۔ تذکرہ علمائے حدیث،ہند ص:۲۴۸
۵۵۔ نزہۃ الخواطر،ج:۸،ص ۱۱۳۔۱۱۱
۵۶۔ ابجد العلوم،ج:۳،ص ۲۱۳۔۲۱۲۔

۵۷۔ نزھۃ الخواطر، ج:۸،ص:۱۱۳

۵۸۔ بدایوانی، نظام الدین، قاموس المشاہیر ج:۲،ص:۷۵، بدایوں، ۱۹۲۶ء نظامی پریس، نزھۃ الخواطر۔ ج:۷،ص:
۲۴۵

۵۹۔ تراجم علمائے حدیث ہند، ج:۱،ص:۱۲۱

۶۰۔ نزھۃ الخواطر، ج:۱،ص:۱۲۱

۶۱۔ ابجد العلوم، ج:۳،ص ۲۶۸۔ التاج المکلل ص:۲۹۹

۶۲۔ تراجم علماء حدیث ہند ج:۱،ص:۲۷۵۔۲۷۴

۶۳۔ ابقاء المنن ص:۶۱

۶۴۔ ایضاً ص:۱۷۱

۶۵۔ ایضاً:ص ۱۸۶

۶۶۔ ایضاً ص:۴۸

۶۷۔ ایضاً:ص ۱۲۹

۶۸۔ ایضاً:ص ۱۹۲

۶۹۔ ایضاً ص:۱۹۰

۷۰۔ ایضاً ص:۱۹۵

۷۱۔ رحمانی، نذیر احمد، اہل حدیث اور سیاست، ص:۱۱۶، طبع ثانی ۱۹۸۶ء بنارس ادارہ البحوث الاسلامیہ جامعہ سلفیہ۔

۷۲۔ قضاء الارب ص ۲۵۸۔۲۵۷۔

۷۳۔ مآثر صدیقی، ج:۳،ص:۲۰۱

☆..........☆..........☆

باب دوم

نواب صاحب کے دور کے حالات

یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ کسی بھی شخصیت کی خدمات کا جائزہ لینے اور اس کے نظریات کا مطالعہ کرنے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ اس شخصیت کے حالات و خدمات کو اس وقت کے حالات و واقعات کے مطابق جانچا اور پرکھا جائے، تب ہی اس کے حالات اور اس کی خدمات کی صحیح عکاسی ہوسکتی ہے۔ چنانچہ ہم بھی اس اصول و حقیقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے نواب صدیق حسن خان کی خدماتِ حدیث کا جائزہ لینے سے پہلے آپ کے عہد کے اجتماعی، سیاسی اور علمی و ثقافتی حالات ملاحظہ کرتے ہیں تاکہ اس عہد کو سامنے رکھتے ہوئے آپ کے خیالات و خدمات کی صحیح اور درست تصویر کشی ہوسکے۔ ہم ان حالات کی منظر کشی آپ ہی کی کتب کی روشنی میں کرتے ہیں۔

☆..........................☆
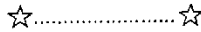
فصل اوّل

اجتماعی حالات

آپ کے عہد میں برصغیر کی اجتماعی حالت بہت دگرگوں تھی اور مسلمان مختلف الخیال ہوچکے تھے۔ بہت سے علماء کرام ایسے تھے جنہوں نے قرآن و حدیث کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنانے کے بجائے فلسفہ کے علوم اور فنونِ یونان پر اپنی مکمل توجہ مبذول کر رکھی تھی، وہ پورے انہماک سے فلسفہ پڑھنے، پڑھانے اور اس کی اشاعت و ترویج میں مشغول تھے اور وہ تقلید اور یونانی تالیفات کے مطالعہ کی بنا پر مسلمان اکابرین پر برسرِ عام تنقید کر رہے تھے، اسلاف امت ہی ان کا ہدف بنے ہوئے تھے۔(1)

بہت سے مسلمان ایسے تھے جو بدعات و رسومات کا شکار ہوچکے تھے اور اسلامی معاشرہ میں بدعات و رسومات نہایت راسخ ہوچکی تھیں اور ایسے عالم میں متبعین سنت، مغلوب ہوکر رہ گئے تھے

اور مسلمانوں میں کئی ایک عقاید کے گمراہ فرقے جنم لے چکے تھے۔ (۲)

یہ وہ دور تھا جب فلسفہ کے دلدادوں اور دولت کے پجاریوں نے مسلمانوں کو مغلوب و کمزور کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی تھی۔ جھوٹ کا دور دورہ تھا، باطل کا سر عام طوطی بولنے لگا تھا اور سادہ لوح مسلمان بچھڑے کی محبت سے معمور ہو گئے اور حالت یہاں تک ابتر ہو چکی تھی کہ قریب تھا کہ برصغیر سے اسلام اور اہل اسلام کا نام و نشان مٹ جائے گویا ان اندوہناک حالات میں کوئی مرد مجاہد ایسا نہ تھا جو حق کا پیغام مسلمانانِ ہند تک پہنچائے نیز عام مسلمانوں کے معاشرتی حالات کی گراوٹ اور دگرگونی یہاں تک پہنچ گئی کہ وہ بلند و بالا اور اونچی اونچی، شان و شوکت سے لبریز عمارتیں بنانے، سیرگاہوں کو سجانے، خوشنما لباس زیب تن کرنے اور مرغن کھانوں میں ہر وقت مشغول و مصروف دکھائی دیتے اور انہیں تحصیلِ علم اور کسبِ کمالات کے حصول کا خیال و ادراک تک نہ تھا۔ (۳)

نواب صدیق حسن خانؒ اس گھمبیر صورت حال کو دیکھ کر بڑے پریشان اور سخت رنجیدہ ہوئے، آپ ان حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

"یقیناً یہ برا دور ہے اور جس زمانہ میں وہ ایام زندگی بسر کر رہے ہیں وہ تمام زمانوں سے زیادہ برا اور نقصان دہ ہے۔" (۴)

آپ اپنے عہد کے حالات سے بہت اکتائے ہوئے تھے اور اس پر بہت شاکی تھے، یہاں تک کہ آپ نے فرمایا:

((ان كان عندك يا زمان بقية مما تسوء به الكرام فاتمها .)) (۵)

(اے زمانہ! اگر تیرے پاس معزز لوگوں کو تنگ کرنے اور ان سے برا سلوک کرنے کی کوئی کسر باقی رہ گئی ہے تو وہ بھی پورے کر لے۔)

اس زمانہ میں بدعت اپنے پورے جوبن پر تھی اور ہر طرف بدعت ہی کا راج تھا۔ آپ کے بھائی سید احمد حسن عرشی نے انہی حالات کے پیشِ نظر بدعت اور اہل بدعت کی صحبت کی تردید کی اور اتباع سنت کی ترغیب دی، آپ کے درج ذیل اشعار اس دور کے حالات کی منظر کشی کرتے ہیں۔ سید احمد حسن عرشی کہتے ہیں:

ألا يا جالسا في كل نادي — هداك الله ربي خير هادي

أتيت مجالس البدعات طرا ... الست بخائف يوم المعاد
وما من محفل الاحداث الا ... وكنت حضرته بل أنت بادي
تجاوز عن صراط مستقيم ... بعيس المحدثات وانت هادي

☆☆☆ ☆☆☆

لعلك لست تعرف بدعة ما ... لذا الغيت في هذى البوادي
وما ابتدعوه في الدين الحنيف ... من النقصان او من ازدياد
ولم يك رائجا بقرون خير ... بلا انكار اهل الاجتهاد
فذلك بدعة شر ضلال ... فساد في فساد في فساد(٦)

(اے ہر مجلس میں بیٹھنے والے! اللہ تعالیٰ تجھے ہدایت سے نوازے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی بہترین ہادی ہے۔تو بدعات کی تمام مجالس میں شریک ہوا، کیا تو روز قیامت سے نہیں ڈرتا؟ تو نے بدعات کی تمام محفلوں میں شرکت کی بلکہ تو ان محفلوں کا روح رواں ہے۔تو ہادی ہونے کے باوجود صراط مستقیم سے تجاوز کرتا ہے۔شاید کہ تو بدعت کو پہچانتا نہیں ہے، اسی لیے تو ان تباہیوں کا شکار ہو گیا ہے اور دین حنیف میں بدعت سراسر نقصان اور زیادتی ہے اور دین حنیف میں انہوں نے جو بدعات رائج کی ہیں وہ خیر القرون میں نہیں تھی اور مجتہدین امت نے ان کا انکار کیا ہے۔پس بدعت بدترین گمراہی اور فساد در فساد ہے۔)

علاوہ ازیں بہت سے مسلمان ایسے بھی تھے جنہوں نے اپنی زندگیوں کو سامراجی طرزِ زیست کے مطابق ڈھال رکھا تھا اور وہ اپنے رہنے سہنے اور انداز و اطوار میں ان کی نقالی اختیار کیے ہوئے تھے۔(۷)

☆..............................☆

فصل دوم

سیاسی حالات

برصغیر میں اسلام اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین عظامؒ اور عرب تاجروں کے ذریعے پہنچ چکا

تھا اور اسلام کی کرنیں اس خطے میں ہر سو پرتوفگن تھیں لیکن برصغیر میں باقاعدہ اسلامی تحریک کا آغاز محمد بن قاسم (۸) کے حملوں کی بنا پر اسلامی حکومت کے معرضِ وجود میں آنے سے ہوا۔ اس کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (۹) نے برصغیر کے بعض مسلم اور غیر مسلم زعماء کو خطوط لکھے جن کے باعث اسلام کی تحریک مزید پھیلی اور کئی حکمرانوں کے مسلمان ہونے کی وجہ سے کئی ایک اسلامی مراکز قائم ہوگئے۔ (۱۰) علاوہ ازیں عباسی حکومت کے دور میں علماء کرامؒ کی برصغیر میں آمد نے بھی اسلامی شمع جلانے میں اپنا کردار ادا کیا اور بالآخر سلطان محمود غزنوی (۱۱) کے حملوں نے مسلم حکمرانوں اور ملت اسلامیہ کے یہاں کے باشندوں کو نہایت تقویت پہنچائی، اس عہد میں بہت سی مساجد تعمیر کی گئیں جس بنا پر برصغیر نے باقاعدہ ایک اسلامی مملکت کی حیثیت اختیار کر لی اور پھر یکے بعد دیگرے دہلی میں سلاطین اور مغل حکومتیں معرض وجود میں آتی رہیں جن سے برصغیر کا کوئی گوشہ ایسا نہ رہا جہاں اسلام کی کرنیں نہ پہنچی ہوں۔

''ہر کمالے را زوال'' کے مقولے کے تحت بعض کمزور ایمان، مسلمان حکمرانوں کے ہاتھوں اسلامی حکومت کمزور ہونا شروع ہوگئی اور انگریز عیار نے تجارت کے بہانے برصغیر میں اپنا اثر و رسوخ بڑھانا شروع کر دیا تا آنکہ برصغیر میں انگریزوں کا راج ہوگیا۔

نواب صدیق حسن خان کی نشوونما اس اضطرابی اور مسلمانوں کے زوال کے دنوں میں ہوئی جب وہ انگریزوں کے ہاتھوں پریشان کیے جا رہے تھے اور انہیں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑ رہی تھیں۔ چنانچہ ۱۲۷۳ھ میں جب انگریز حکومت کے خلاف آواز بلند کی گئی تو نواب صدیق حسن زندگی کے سولہویں برس میں تھے۔ چنانچہ آپ نے اس اضطرابی دور میں نشوونما پائی جب مسلمان انگریزوں کے ہاتھوں پریشان تھے اور بہت سی مشکلات میں مبتلا تھے۔ (۱۲)

مغلیہ حکومت کے انحطاط و زوال کے وقت نواب صاحب مرحوم بھی بہت سے مصائب و آلام سے دوچار ہوئے۔ ان حالات میں آپ بڑی عمیق سوچ اور گہری فکر میں تھے کہ کس طرح مسلمانان ہند کو دین اسلام سے روشناس اور وابستہ رکھا جائے اور انہیں مصائب و مظالم سے نجات دلائی جائے؟ اس غور و فکر اور مختلف تجربات نے آپ کو کافی امور میں ماہر بنا دیا تھا۔

اس کے برعکس جب ہم ریاست بھوپال پر نواب صدیق حسن خانؒ کے عہد پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم اسے ایک مثالی اور امن وسکون کی ریاست پاتے ہیں اور وہاں کے باسیوں کو آزادی اظہار

رائے اور وسعت معارف کے لحاظ سے پرسکون ومطمئن دیکھتے ہیں نیز ہم ریاست بھوپال کو میدان علم میں وسعت ظرف کی حامل، ادبی موضوعات پر سلف کے انداز میں کام کے سلیقے سے متصف، عمدہ اسلوبِ تحریر سے مزین، عصری زندگی کے ساتھ منطبق اور قرآن وحدیث کی عملی تعبیر کی تصویر پاتے ہیں جو نواب صدیق حسن مرحوم کی گراں قدر محنت وکاوش اور آپ کے متبع سنت اور علم پرور ہونے کی نشاندہی کرتی ہے۔

☆......................☆

فصل سوم

علمی وثقافتی حالات

نواب صدیق حسن خاںؒ جس دور میں شعور وآگاہی کی منزل سے بہرہ ور ہوئے وہ ایک علمی وثقافتی دور ہے، یہ دور ایسے علماء سے بھرپور تھا جنہوں نے متنوع علوم وفنون کا احاطہ کیا ہوا تھا اور انہوں نے نظم ونثر، عروض قافیہ، معانی وبیان، زبان وادب، منطق وفلسفہ، تقریر وتحریر، فن مناظرہ اور مختلف دیگر علوم وفنون میں اپنی عظیم تالیفات کے ذریعے علمی وثقافتی تحریک کو پروان چڑھایا تھا۔

آپ کا دور، اہتمام کتاب، حفاظت کتاب اور اسے ہر ایک تک پہنچانے کی سعی کا دور تھا۔ نواب صدیق حسن خاں خود کثیر التالیف تھے اور اسی طرح آپ کی زوجہ محترمہ ملکہ بھوپال بھی علم وثقافت کی دلدادہ عورت تھی۔ آپ نے علم وثقافت کو پروان چڑھانے کے لیے کتاب کی اہمیت کو محسوس کیا اور کتب لکھنے کے ساتھ ساتھ پرانی کتب کو ایک دوسرے تک پہنچانے کا اہتمام بھی کیا باقاعدہ لائبریریاں قائم کیں۔ آپ نے ایک بڑی لائبریری بھوپال میں ایک عالیشان عمارت ''نورمحل'' میں قائم کی۔ علاوہ ازیں آپ نے تین مزید لائبریریاں مختلف مقامات پر قائم کیں۔ (۱۳)

خود نواب صاحب کا مکتبہ خاصا وسیع تھا، جو نادر اور قیمتی کتب سے مالا مال تھا۔ آپ کی وفات کے بعد اس مکتبہ کی بہت سی کتب ندوۃ العلماء کی لائبریری میں منتقل کردی گئیں۔ (۱۴)

سید محمد تقی (۱۵) نے لکھنؤ میں ایک بڑی اور نادر علمی کتب سے لبریز لائبریری بنائی جس کے بارے میں صاحب ''احسن الودیعۃ'' لکھتے ہیں:

''اس مکتبہ میں تیرہویں اور چودھویں صدی ہجری میں وہ نادر کتب اور مخطوطات موجود تھے جو کسی اور جگہ میں دستیاب نہ تھے۔'' (۱۶)

اسی طرح حکومتی پریس (۱۷) تھے جن کی تعداد صرف بھوپال میں چار تھی جو علمی وادبی کتب کی نشر واشاعت اور رسائل وجرائد کی ترتیب وطباعت میں مصروف تھے۔ ان مطبعوں میں بہت سے مدیر، کاتب اور تصحیح کنندگان تھے جن سے زیادہ تر کے نام نواب صاحب کی کتب میں ملتے ہیں۔ (۱۸)

ہم نواب صاحب کی خدمات میں دیکھتے ہیں کہ آپ نے اپنے بلند حکومتی وعلمی منصب کے باعث اور حالات کے تقاضوں کو بھانپتے ہوئے بالعموم تمام علوم دینیہ اور بالخصوص حدیث وسنت کی نشر واشاعت میں اپنے تمام تر اختیارات کو استعمال کیا حتیٰ کہ اس دور میں بھوپال ایک ایسا علمی مرکز بن گیا جو ثقافت اسلامیہ کی حفاظت کر رہا تھا اور علوم وآداب کی ایسی عظیم الشان مجلس کی صورت اختیار کر گیا تھا جس کی طرف ہندبھر کے اکناف واطراف سے تشنگانِ علم اور سنت رسول اللہ ﷺ کے جانثار کشاں کشاں چلے آرہے تھے اور نواب صاحب احادیث کی مختلف کتب کی طباعت پر اس آدمی کی سی کشادہ دلی سے خرچ کر رہے تھے جسے فقر وتنگدستی کا اندیشہ بھی نہ ہو اور انہیں طبع کروا کر تشنگانِ علم اور محبانِ رسول ﷺ میں مفت تقسیم کر رہے تھے۔ (۱۹)

علاوہ ازیں آپ نے بھوپال میں مدارس وجامعات اور اسلامی مراکز قائم کیے جن کی وجہ سے بھوپال میں علماء وفضلاء کثیر تعداد میں جمع ہوگئے اور انہوں نے اپنی زندگیاں علوم وفنون بالخصوص، علم تفسیر وعلم حدیث اور عربی زبان وادب سیکھنے اور سکھانے میں کھپادیں اور نتیجہ کے طور پر یہاں ادبی وثقافتی سرگرمیاں پروان چڑھیں۔ آخر کار بھوپال علم وآگاہی کا ایک مرکز بن گیا اور اس کو وہ مقام حاصل ہوگیا جو علم وثقافت کے لحاظ سے لکھنؤ کو حاصل تھا۔

بھوپال کے علمی وادبی مرکز بننے اور اس کی ادبی وعلمی فوقیت کی کئی ایک وجوہات ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

☆ ایک سبب یہ ہے کہ بھوپال کے علمی وادبی حلقوں کو ملکہ بھوپال شاہ جہاں بیگم زوجہ نواب صدیق حسن خان کی سرپرستی حاصل تھی۔ آپ ایک باذوق، علم آشنا اور سنت رسول ﷺ سے پیار کرنے والی خاتون تھیں، نواب صاحب کی رفاقت سے علم وادب اور علوم قرآن وحدیث کی ماہرہ بن گئیں اور پھر اسلامی علوم کی ترویج کی ہر تحریک کی سرپرستی کرنے لگیں۔

☆ ایک بڑا سبب نواب صدیق حسن خاں تھے کہ آپ نے بھوپال میں علم و ادب کی خوب سرپرستی کی اور حکومتی سطح پر لائبریریوں اور مطابع وغیرہ کا اہتمام کیا۔ نیز آپ نے علم و ادب کو پڑھنے، پڑھانے اور بالخصوص قرآن و حدیث کی تعلیم سیکھنے اور سکھانے والوں کی خوب حوصلہ افزائی اور پذیرائی کی، انہیں وظائف اور انعامات سے نوازا اور انہیں معاشی طور پر فارغ البال کرنے کی سعی کی، کتب مفت تقسیم کیں اور رسائل و جرائد کا اجراء کیا۔

☆ بھوپال کے علم وفنون کے مرکز بننے کے اسباب میں ایک سبب اس کا جغرافیائی محل وقوع بھی ہے۔ بھوپال ایک محفوظ قلعے کی مانند ہے جس کی وجہ سے علماء کرام امن وسکون کی تلاش میں یہاں آتے رہے۔

علاوہ ازیں نواب صاحب اور ملکہ بھوپال کے علاوہ چند ایک حکومتی عہدیداران نے بھی اس علمی تحریک کی خوب حوصلہ افزائی کی۔

بھوپال کی اسی علمی حیثیت و مرکزیت کو بیان کرتے ہوئے ایک عربی شاعر کہتا ہے:[۲۰]

اجریت یا بوفال طرف بنائی — وسلوت فیك محاسن الاوطان

بمدیح مهدی الزمان من اقتفی — فی سیره ما سنه العمران

☆☆☆ ☆☆☆

بوفال دارالعلم کم حازت ثنا — ما جازه الاصباح والقمران

ابدی به الطبع السلیم کتائبا — من کتب ذاك العالم الربانی[۲۱]

(جب میں نے مختلف علاقوں کو دیکھا تو اے بھوپال! میں نے تمام علاقوں کے محاسن اور خوبیاں تجھ میں یکجا پائیں، تو مہدئ زمان ہے، جو شخص انصاف پسند ہوگا وہ تیری تعریف کیے بغیر نہیں رہے گا۔

بھوپال ایک ایسا علمی گہوارا ہے کہ جس نے علم کی ایسی شمع روشن کی ہے جو سورج اور چاند بھی روشن نہ کر سکے اور اسی بنا پر ایک عالم ربانی[۲۲] کی کئی کتب منصۂ شہود پر آئیں۔)

☆..........☆..........☆

حواشی

۱۔ صدیق حسن خاں، سید، التاج المکلل من جواہر ماثر الطراز الآخر والاول، ص۵۵۳-۵۵۲۔ طبع اولیٰ ۱۴۱۶ھ، ریاض، مکتبہ دارالسلام۔

۲۔ صدیق حسن خاں، سید، خیرة الخیرة، ص۲۵۱۔ آگرہ، مفید عام

۳۔ التاج المکلل، ص۵۵۴

۴۔ ایضاً ص: ۵۵۵۔

۵۔ صدیق حسن خان، سید، العبره مما جاء فی الغزو والشهادة والهجرة، ص: ۹۔ محققہ ابوھاجر محمد سعید زغلول، طبع اولیٰ ۱۴۰۵ھ، بیروت، دارالکتب العلمیۃ۔

۶۔ صدیق حسن خان، اتحاف النبلاء المتقین باحیاء مآثر الفقہا المحدثین، ص: ۲۲۷، کانپور مطبع نظامی ۱۲۸۸ھ

۷۔ لقمان، اختر جمال، ڈاکٹر، السید صدیق حسن خان القنوجی آراه والاعتقادیة وموقفه من السلف، ص: ۲۲،۲۱، طبع اولیٰ ۱۴۱۷ھ، ریاض۔ دارالھجرۃ۔

۸۔ محمد بن قاسم: فاتح سندھ ہے۔ آپ نے سترہ برس کی عمر میں سندھ پر حملہ کیا اور دیبل (کراچی) سے ملتان تک کا علاقہ فتح کر کے اسلامی مملکت کی بنیاد رکھی۔ عراق میں ولید بن عبد الملک کے عہد میں ۹۸ھ میں فوت ہوئے۔ ملاحظہ ہو۔
(الزرکلی۔ خیر الدین۔ الاعلام، ج ۷، ص: ۲۲۵ طبع ثانی الطرازی، عبداللہ مبشر، موسوعة التاريخ السلامی لبلاد السند والبنجاب، ج: ۲، ص: ۳۰۲ طبع ۱۴۰۳ھ، جدة عالم المعرفۃ)

۹۔ عمر بن عبد العزیز: اموی خلیفہ ہے۔ آپ کا دور مثالی حیثیت رکھتا ہے۔ سلیمان کے بعد ۹۹ھ میں منصب خلافت پر متمکن ہوئے اور رجب ۱۰۱ھ میں اس فانی دنیا سے رخصت ہوئے۔ آپ کو خلیفہ خامس بھی کہا جاتا ہے۔
(ملاحظہ ہو ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج: ۵، ص ۵۸ طبع پنجم، دار صادر بیروت۔

۱۰۔ بلاذری، احمد بن یحییٰ، فتوح البلدان، ص ۴۴۷۔۴۴۶، طبع اولیٰ ۱۳۱۹ھ، قاہرۃ شرکۃ طبع الکتب العربیہ۔

۱۱۔ سلطان محمود غزنوی: ۳۶۱ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ہندوستان پر کئی کامیاب حملے کیے اور سومنات کے مندر کو غارت کر کے اس میں موجود بتوں کو پاش پاش کیا۔ غزنہ میں ۴۲۱ھ میں فوت ہوئے۔ (ملاحظہ ہو ابن الاثیر۔ الکامل فی التاریخ، ج: ۹، ص ۱۳۹، ذہبی، شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان، سیر اعلام النبلاء، ج: ۱۷، ص ۴۹۴۔ ۴۸۳ طبع اول ۱۴۰۳ھ، بیروت، مؤسسہ الرسالۃ)

۱۲۔ الساداتی، احمد محمود، ڈاکٹر، تاریخ المسلمین فی شبہ القارہ الہندیۃ وحضارتہم، ج: ۱، ص: ۲۳۴۔ مصر، مکتبۃ الآداب۔

۱۳۔ مآثر صدیقی، ج: ۳، ص: ۱۱۳۔ ۱۱۲

۱۴۔ ایضاً

۱۵۔ محمد تقی بن حسین مشہور شیعہ امامیہ علماء میں سے تھے۔ ۱۲۳۴ھ میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۸۹ھ میں فوت ہوئے۔ (دیکھیے عبد الحی، نزھۃ الخواطر، ج: ۷، ص ۴۳۲۔ ۴۳۱۔ طبع ثانی ۱۳۹۹ھ، حیدرآباد دکن، مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ، کحالۃ، عمر رضا، معجم المؤلفین۔ ج: ۹، ص: ۱۲۹، بیروت۔ داراحیاء التراث۔)

۱۶۔ اصفہانی، محمد مہدی، احسن الودیۃ فی تراجم اشہر مشاہیر مجتہدی الشیعۃ، ج: ۱، ص: ۶۹۔ ۶۷۔ طبع ۱۳۴۸ھ۔ بغداد،

مطبعۃ النجاح۔

۱۷۔ تفصیل باب ششم فصل سوم میں دیکھیے۔

۱۸۔ صدیق حسن خاں، سید، غصن البان المورق بمحسنات البیان ص: ۶۶، بھوپال، ۱۲۹۴ھ، مطبع شاہ جہانی۔

۱۹۔ تفصیل آئندہ ابواب میں ملاحظہ کریں۔

۲۰۔ یہ اشعار امین بن حسن حلوانی کے ہیں۔

۲۱۔ سلیم فارس، ضرۃ الاعیان ومسرۃ الاذھان فی مآثر الملک الجلیل النواب محمد صدیق حسن خان، ص: ۵۵، قسطنطنیہ ۱۲۸۹ھ۔ مطبعۃ الجوائب۔

۲۲۔ شاعر کی عالم ربانی سے مراد نواب صدیق حسن خاںؒ ہیں۔

☆............☆............☆

باب سوم

نواب صدیق حسن خاںؒ کی تصنیفات وتالیفات

اسلام ایک دعوتی اور تبلیغی دین ہے، یہ اپنے متبعین سے اس کی تبلیغ وترویج کا تقاضا کرتا ہے کہ اس دین کا ہر پیروکار منصب دعوت وتبلیغ پر فائز ہو، تا کہ کائنات کے ہر فرد تک اس کی دعوت اور پیغام پہنچے اور وہ اس مکمل اور عظیم المرتبت دین کو اپنا کر اور اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر دنیا و آخرت میں امن وامان کی زندگی کا سزاوار بن سکے۔ اسی نکتہ کو نبی محترم ﷺ نے حجۃ الوداع میں ((فليبلغ الشاهد فان الشاهد عسى ان يبلغ من هو اوعى له منه)) [۱] (ہر حاضر شخص غائب اشخاص کو احکامات اسلام پہنچائے کیونکہ ممکن ہے کہ جس شخص کو پہنچائے جائیں وہ حاضر سے زیادہ ان کو محفوظ کرنے والا ہو) کے الفاظ مبارکہ سے بیان فرمایا اور ایک حدیث مبارکہ میں اس کی اہمیت اس طرح بیان کی:

((نضر الله إمرأسمع منا شيأ فبلغه كما سمعه فرب مبلغ اوعى من سامع)) [۲]

(اللہ تعالیٰ اس شخص کے چہرے کو تروتازہ رکھے جس نے ہم سے کوئی چیز سنی اور پھر بالکل اسی طرح دوسروں تک پہنچادی جس طرح سنی تھی۔ اس لیے کہ بہت سے ایسے لوگ جنہیں حدیث پہنچے گی، وہ سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوں گے۔)

اسلام اور شارح اسلام ﷺ کی انہی ہدایات کے پیش نظر محدثین وفقہاءؒ نے دعوت وتبلیغ مذہب کو اپنا فرض اولین سمجھا اور اس کی ترویج و اشاعت کے لیے درج ذیل تین طریقوں کو استعمال کیا۔

(۱) طریقہ تدریس

(۲) طریقہ تصنیف وتالیف

(۳) طریقہ وعظ و تبلیغ

تاریخ اسلام کی ورق گردانی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ علماءِ اسلام نے ہر دور اور ہر زمانہ میں دعوت اسلام کو جاری رکھا لیکن بعض اربابِ ملت نے اس کی وعظ و تبلیغ کے ساتھ ساتھ درس و تدریس میں اپنی زندگیاں کھپا دیں جب کہ بعض نے تصنیف و تالیف کو اس کا بہترین ذریعہ سمجھا اور بعض مرد آہن ایسے بھی ہیں جنہوں نے تینوں ذرائع کو یکساں طور پر اختیار کیا، ہمارے ممدوح نواب صدیق حسن خاں کا شمار بھی ایسی ہی شخصیات جلیلہ میں ہوتا ہے جن کی ان تینوں میدانوں میں بے مثال خدمات ہیں لیکن آپ نے جس میدان میں اختصاصی کارہائے نمایاں سرانجام دیے وہ تصنیف و تالیف کا میدان ہے، آپ نے دوران تعلیم ہی تصنیف و تالیف کا آغاز کر دیا تھا۔ اور اپنی زندگی کے آخری سانسوں تک اسے جاری رکھا اور کوئی ماہ و سال ایسا نہیں ہے جس میں آپؒ نے اس میدان میں اپنی خدمات سرانجام نہ دی ہوں۔ چناں چہ خود فرماتے ہیں:

''ابتدائے عمر میں طالب علم کے لیے جو ہمت و حوصلہ تھا بحمد اللہ وہ اب تک باقی ہے، کوئی سال و ماہ ایسا نہیں جو علمی مشاغل یا تصنیف و تالیف سے خالی رہا ہو''(۳)

آپ نے تصنیف و تالیف کا کام مسلسل کیا اور اس کام کو آپ نے سفر میں بھی ترک نہ کیا، اس کا اندازہ آپ کے سفر حج سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ آپ نے اس سفر میں جو کتابیں نقل و تالیف کیں آپ ہی کی زبانی ملاحظہ فرمایئے، لکھتے ہیں:

''اس سفر میں بھی آتے جاتے اور اقامت کے وقت مطالعہ و نقل کتب کا شغل جاری رہا۔ روانگی کے وقت جہاز میں کتاب ''صارم منکی'' اپنے ہاتھ سے لکھی۔ پھر حدیدہ پہنچ کر جب اٹھارہ دن قیام ہوا تو سید محمد اسمٰعیل امیر وغیرہ کے بیس پچیس رسائل اپنے ہاتھ سے نقل کیے، منٰی اور عرفات میں بھی فرصت کے اوقات میں کتابت کی، واپسی کے وقت جہاز میں سنن دارمی لکھی۔ یہ نسخہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کا تھا اور میں نے مرزا امیر بیگ سلمہ، داماد مولوی محمد یعقوب صاحب مرحوم مہاجر مکی سے نقل کرنے کے لیے مستعار لیا تھا۔ بھوپال آ کر انہیں واپس کر دیا۔ اس نسخہ پر جابجا شاہ صاحبؒ کے قلم مبارک سے تصحیح ثبت تھی، اس نسخہ کی نقل ہندوستان میں مطبع نظامی نے طبع کی ہے۔

اس سفر میں، میں نے حدیدہ و حرمین شریفین کے بہت سے سلف و خلف صالحین کی بہت سی نفیس کتابیں بھی خریدیں، ''السیاسۃ الشرعیۃ'' کو مکہ معظمہ میں نقل کیا۔ یہ قلمی رسائل ابھی تک کتب خانہ میں موجود ہیں۔''(۴)

آپ کی اس مسلسل محنت اور جدوجہد کا ثمرہ ہے کہ آپ کی تصنیفات و تالیفات کی تعداد تین سو سے زاید ہے لیکن آپ کی مستند تالیفات ۲۲۲ ہیں جبکہ بعض کتب پر آپ نے اپنا نام درج نہیں کیا ہے۔ یا پھر بعض دوسرے لوگوں کے نام منسوب کردی ہیں۔ آپ کی کتب عربی، فارسی اور اردو زبان میں ہیں۔

نواب صدیق حسن خانؒ نے اپنی زیادہ تر توجہ تصنیف و تالیف کے میدان پر کیوں مبذول رکھی؟ اور اس کا سبب کیا ہے؟ اس کا جواب ہم خود آپ ہی کی زبان سے دیتے ہیں، فرماتے ہیں:

''تدریس کی نسبت تالیف کا کام دیرپا ہوتا ہے اور باقیات صالحات میں شمار ہوتا ہے۔ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ میں ہے کہ: ''جب انسان مرجاتا ہے تو تین کے سوا اس کا ہر عمل منقطع ہوجاتا ہے۔ ایک صدقہ جاریہ، دوسرا علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے اور تیسرا اولد صالح جو اس کے لیے دعا کرے'' اس سے معلوم ہوا کہ موت کے بعد باقی رہنے والا علم بھی ایک ایسی بھلائی ہے جو اس علم والے کے علاوہ دوسروں کے لیے بھی مفید ہے۔ اور تصنیف و تالیف ہی اس کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس وجہ سے سلف و خلف حضرات علماء کرام تصنیف و تالیف اور علوم و فنون کے جمع و تدوین میں نہایت سرگرم رہے ہیں۔ اگر ان کی تالیفات نہ ہوتیں تو امت گمراہ ہوجاتی۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے اہل علم سے عہد لیا ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے اللہ کے احکام کو بیان کریں۔ اور صرف زبانی بیان کردینا یقیناً ناکافی ہے بلکہ اس سلسلہ میں تصنیف و تالیف بھی ایک ضروری امر ہے۔ اگرچہ علمِ دین تو صرف وہی ہے جو کتاب و سنت میں ہے لیکن زمان و مکان اور لغت و زبان کے اعتبار سے اندازِ بیان بدلتے رہتے ہیں، اس علم کو جب مختلف زبانوں اور متنوع اسالیبِ نگارش میں، زمانہ کے تقاضوں کے مطابق عالم، محقق اور خوش بیان مصنف بیان کرتا ہے تو اس سے دل بہت متاثر ہوتا ہے حتیٰ کہ ہر قاری بے ساختہ پکار اٹھتا ہے:

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

(غالب)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

((ان مما یلحق المومن من علمه وحسناته بعد موته علما علمه ونشره وولدا صالحا ترکه او مصحفا ورثه او مسجدا بناه او بیتا لابن السبیل بناه او نهرا اجراه او صدقة اخرجها من ماله فی صحته وحیاته تلحقه من بعد موته))

''مومن کو اس کی وفات کے بعد اس کے درج ذیل اعمال وحسنات کا ثواب پہنچتا رہتا ہے۔ علم جس کی اس نے اشاعت کی ہو، نیک لڑکا جسے وہ چھوڑ کر فوت ہوا ہو یا قرآن مجید جو اس نے کسی کو دیا ہو یا مسجد جسے اس نے بنایا ہو یا سرائے بنائی ہو یا نہر جاری کی ہو یا وہ صدقہ جسے اس نے اپنی صحت وحیات کے زمانے میں اپنے مال سے ادا کیا ہو۔''

اس حدیث میں باقیات صالحات کا ذکر ہے۔ اور ان میں سے ایک نشر علم بھی ہے۔ علم کی نشر واشاعت تدریس یا تصنیف سے ہوتی ہے جیسا کہ قبل ازیں ذکر کیا گیا ہے، ان میں سے اول الذکر فانی اور مؤخر الذکر باقی ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیا تم جانتے ہو کہ سب سے زیادہ سخاوت کرنے والا کون ہے؟ عرض کیا گیا کہ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی زیادہ جانتے ہیں'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے زیادہ سخی اللہ تعالیٰ ہے پھر میں ہوں، اور پھر وہ شخص جو میرے بعد علم سیکھ کر اس کی نشر واشاعت میں سرگرم عمل ہو جائے، یاد رہے ایسے شخص کو قیامت کے دن ایک امت کی حیثیت میں اٹھایا جائے گا۔'' (۵)

یہاں بھی نشر واشاعت سے مقصود تدریس اور تالیف دونوں ہیں۔

ایک دوسری جگہ سبب تصنیف وتالیف کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

''ہر چند میں نے یہ کتابیں اپنے استفادہ کے لیے لکھی ہیں کسی کے افادہ کے لیے نہیں لکھیں لیکن اس کے باوجود دوسروں کے لیے نہایت مفید ہیں۔ ان کی تصنیف سے اولاً مقصود اپنا نفع ہے کہ ہر حکم اور مسئلہ میں حق کا باطل سے اور صحیح واصح کا اضعف و

ضعیف سے امتیاز ہو جائے اور دلیل سے ثابت شدہ اور محض رائے سے لکھی گئی بات میں فرق نمایاں ہو جائے۔ ثانیاً اس سے ان مسلمانوں کا فائدہ بھی مقصود ہے جو کسی قسم کے تعصب کے بغیر حق کے طالب ہیں اور جادۂ مستقیم پر چلنا چاہتے ہیں۔'' (۶)

آپ کی تالیفات و تصنیفات کئی علوم فنون پر مشتمل ہیں مثلاً علوم قرآن و تفسیرِ قرآن، حدیث واصول حدیث، فقہ، عقاید، صرف ونحو، لغت، بدیع، موعظت، ادب وشاعری، وظائف واذکار، علم الاخلاق، تاریخ وسیر اور مناقب وغیرہ۔ اب ہم نواب صاحب مرحوم کی مایہ ناز تصنیفات و تالیفات کی فہرست درج کرتے ہیں۔

☆..............................☆
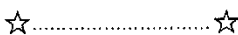
فصل اوّل

عربی تصانیف

نواب صدیق حسن خاں ایک شہرۂ آفاق مصنف و مولف ہیں، عربی زباں کے منجھے ہوئے ادیب، آپ کی تصانیف عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں ہیں۔

عربی زبان میں آپ ایک بلند مقام رکھتے تھے۔ آپ عربی زبان کے کامل ادیب، اس کے ادب کے بہت بڑے ماہر، عربی زباں کے منجھے ہوئے ادیب اور عربی زبان کے قادر الکلام خطیب بھی تھے۔

اس زبان کی باریکیوں اور اس کے رموز واوقاف سے بخوبی آشنا اور اس کی حلاوت وشیرینی سے مکمل آگاہ اور عربی زبان کی جامعیت واختصاص اور اس کی نظم ونثر کی ادبی چاشنی کے حامل تھے اور آپ کی تالیفات کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ آپ نے ادب کے سمندر میں گہری غواصی اور غوطہ زنی کر کے اس کی تہہ سے قیمتی موتیوں کو نکالا ہے اور انہیں اپنے قاری کے لیے انتہائی آسان انداز اور بہترین اسلوب نگارش میں پیش کیا ہے۔

عربی ادب میں آپ کے مقام کو آپ کی تالیفات واضح کر دیتی ہیں جن کے بغیر کوئی اسلامی کتب خانہ مکمل نہیں ہو سکتا۔

فہرست عربی کتب

تفسیر قرآن مجید:

☆ فتح البیان فی مقاصد القرآن
☆ نیل المرام من تفسیر آیات الاحکام

حدیث وعلوم حدیث:

☆ الادراك بتخریج احادیث رد الاشراك
☆ الازاعة لما كان وما یكون بین یدی الساعة
☆ اربعون حدیثا فی فضائل الحج والعمرة
☆ اكلیل الكرامة فی تبیان مقاصد الامامة
☆ بلوغ المسؤل من اقضیة الرسول
☆ الحرز المكنون من لفظ المعصوم المامون
☆ حسن الاسوة فی ماورد فی النسوة
☆ السراج الوهاج من كشف مطالب صحیح مسلم ابن الحجاج
☆ العبرة مما جاء فی الغزو الشهادة والهجرة
☆ عون الباری لحل ادلة البخاری
☆ مشیر ساكن الغرام الی روضات دار السلام
☆ یقظة اولی الاعتبار من ذكر النار واصحاب النار
☆ اربعون حدیثا متواترة
☆ فضائل الحج والعمرة فی اربعین حدیثا
☆ الرحمة المهداة الی من یرید زیادة العلم علی احادیث المشكوٰة
☆ الروضة الابسام من ترجمة بلوغ المرام
☆ فتح العلام بشرح بلوغ المرام ---

☆ منهج الوصول الى اصطلاح احاديث الرسول

فقہ واصول فقہ:

☆ الجنة فی الاسوة الحسنة بالسنة

☆ ذخر المحتی من آداب المفتی

☆ رحلة الصدیق الی البیت العتیق

☆ ظفر اللامی بما یجب فی القضأ علی القاضی

☆ قضاء الارب من تحقیق مسئله النسب

☆ حصول المامول من علم الوصول

عقاید:

☆ الانتقاد الرجیع بشرح الاعتقاد الصحیح

☆ حضرات التحلی من نفحات التحلی والتخلی

☆ الجوائز والصلات من جمیع الاسامی والصفات

علم الآخرة:

☆ الغنه به بشارة الجنة لأهل السنة

تاریخ وطبقات:

☆ ابجد العلوم

☆ السحاب المرکوم فی بیان انواع الفنون والعلوم

☆ التاج المکلل من جواهر ماثر الطراز الآخر والاول .

☆ الحطّة فی ذکر الصحاح السته .

☆ خبیة الاکوان فی افتراق الامم علی المذاهب

☆ نقطة العجلان مماتمس الی معرفة صاحبة الانسان

عربی لغت وادب وصرف:

☆ البلغة الی اصول اللغة

☆ العلم الخفاق من علم الاشتقاق دلف القماط

☆ انشاء عربی ربیع الادب

☆ کلمة العنبریه في مدح خیر البریه

علام الکلام و بدیع:

☆ قصد السبیل الی ذم الکلام والتاویل۔

☆ غصن البان المورق بمحسنات البیان

عربی شاعری:

☆ نفسح الطیب من ذکر المنزل والحبیب (عربی و فارسی)

منطق:

☆ تذهیب شرح تهذیب

متفرقات:

☆ اقطف الثمر فی عقیدة اهل الاثر

☆ احیاء المیت بذکر مناقب اهل بیت الاقلید لادلة الاجتهاد والتقلید

☆ قطع الا ومال ترجمۂ قصر الآمان الجنة فی الاسوة الحسنة بالسنة

☆ ریاض الجنة فی تراجم اهل السنة

☆ الطریق المثلی فی ارشاد الی ترك التقلید واتباع ما هو الهوی

☆ سر من رای (عربی و فارسی)

☆ نشوة السکران من صهباء تذکار الغزلان

☆ نزل الابرار

☆............☆

فصل دوم

فارسی تصانیف

نواب صدیق حسن خاںؒ کو اللہ تعالیٰ نے عربی ذوق کے ساتھ ساتھ فارسی زبان وادب کا بھی خصوصی ملکہ عطا کر رکھا تھا۔ آپ کو فارسی پر عربی زبان ہی کی طرح قدرت تامہ حاصل تھی اور دونوں کی نثر میں حلاوت وطلاقت اور شعر وسخن سے وہ دلچسپی میسر تھی جو زیادہ سے زیادہ کسی مصنف کو میسر آ سکتی ہے۔

آپ نے فارسی زبان میں بھی بہت سے موضوعات پر قلم اٹھایا اور جہت سی کتب لکھیں جن کی فہرست درج ذیل ہے:

فہرست فارسی کتب

علوم قرآن مجید:

☆ افادة الشیوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ

☆ اکسیر فی اصول تفسیر

حدیث وعلوم حدیث:

☆ الروض الخضیب من تزکیة القلب المنیب

☆ کشف الکربه عن اهل الغربه

☆ مسك الختام شرحِ بلوغ المرام

☆ موائد العوائد

فقہ واصول فقہ:

☆ بدور الاهله من ربط المسائل بالادله

☆ جلب المنفعه فی الذب عن الائمة الاربعة

☆ هدایة السائل الی ادلة المسائل

عقاید:

☆ ترجمة شرعة الاسلام

علم الآخرة:

☆ حجج الکرامة فی آثار القیامة
☆ ثمار التذکیت فی شرح اثبات التبثیت
☆ ضالة الناشد من بشریٰ الکبیب فی شرح المنظوم المسمی بتانیس الغریب

تاریخ وطبقات:

☆ اتحاف النبلاء المتقین باحیاء ماثر الفقهاء المحدثین
☆ تقصار جیود الاحرار من تذکار جنود الابرار
☆ النہج المقبول من شرائع الرسول

دینیات:

☆ بغیة الرائد فی شرح العقائد
☆ اسؤله اجؤبه پشاور

عربی لغت وادب وصرف:

☆ حل الاسئلة المشکلة
☆ دلیل الطالب فی ارجع المطالب
☆ برد الاکبار شرح قصیدہ بانت
☆ سعاد تذکرۂ شمع انجمن
☆ تذکرۂ صبح گلشن
☆ المنہل المعذب

☆ الصافی شرح منہج البیان الشافی
☆ نگارستان سخن
☆ تصریف الریاح ترجمۃ مراح الارواح
☆ صافیہ شرح کافیہ

شاعری:

☆ المغنم البادر الصادر والوارد
☆ نفع الطیب من ذکر المنزل والحبیب
☆ گل رعنا

تصوف:

☆ ریاض المرتاض وغیاض العرباض

متفرقات:

☆ الفرع النامی من اصل السامی
☆ قطع الاوصال ترجمۃ قصر الآمال (عربی و فارسی)
☆ تحفۃ فقیر در ذکر قہوہ وچاہ
☆ تکجیل العیون بتعاریف العلوم والفنون
☆ نشوۃ السکران من صہباء تذکار الغزلان
☆ خطیرۃ القدس وذخیرۃ الانس
☆ سر من رأی

☆.......................☆

فصل سوم

اردو تصانیف

نواب صدیق حسن خاں نے جہاں عربی و فارسی زبانوں میں اسلامی علوم کی نشر و اشاعت کی وہاں برصغیر میں مسلمانوں کی زبان اردو میں بھی ایک سو زاید کتب تصنیف کیں۔

آپ اردو زبان و ادب کے ماہر اور رمز شناس عالم تھے۔ اردو ادب پر آپ کو بخوبی دسترس حاصل تھی۔ اردو نظم و نثر میں آپ کو یکساں عبور تھا جس کا اظہار آپ کی اردو نظم و نثر پر تالیفات سے بہ اندازِ حسن ہو جاتا ہے۔ آپ نے اردو زبان میں خود بھی بھرپور طریقے سے اسلام کی خدمت سرانجام دی اور عربی کتب سے اردو تراجم کے لیے بھی دوسرے علماء و فضلاء کو آمادہ کیا اور اس سلسلے میں وظائف بھی مقرر کیے۔ آپ کی اردو تصانیف و تالیفات درج ذیل ہیں۔

فہرست اور کتب

تفسیر قرآن مجید:

☆ تفسیر ترجمان القرآن بلطائف القرآن

☆ تذکر الکل بتفسیر الفاتحه واربع قل

حدیث و علوم لحدیث:

☆ بشارة الفساق

☆ تميمة الصبى

☆ تقوية الايقان

☆ زيادة الايمان

☆ بغية القارى فى ثلاثيات البخارى

☆ سبيل الرشاد

☆ غنية القارى

- ☆ مکارم الاخلاق
- ☆ محو الحوبه بایثار الاستغفار والتوبه
- ☆ محاسن الاعمال
- ☆ وسیلة النجاة
- ☆ توفیق الباری ترجمة الادب المفرد للبخاری
- ☆ جامع السعادات ترجمة منبهات ابن حجرؒ
- ☆ خیر القرین ترجمۂ اربعین

فقہ واصول فقہ:

- ☆ ایضاح الحجه للعمره والحجه
- ☆ سعة المجال الی ما یحل عن الارزاق والاموال
- ☆ طراز الخمره
- ☆ تعلیم الحج
- ☆ تعلیم الصلوٰة
- ☆ تعلیم الزکوٰة
- ☆ تعلیم الصیام
- ☆ فتاویٰ امام المتقین

عقاید:

- ☆ الاحتواء علی مسئلة الاستواء
- ☆ اخلاص التوحید للحمید المجید
- ☆ اخلاد الفواد الی توحید رب العباد
- ☆ الانفکاك عن مراسم الاشراك
- ☆ التفکیك عن انحاء التشریك
- ☆ تعلیم الایمان

☆ دعوۃ الداع الی ایثار الاتباع علی ابتداع

☆ دعوت الحق

☆ عقیدہ السنی

☆ فتح الباب لعقائد أولی الالباب

☆ اللواء المعقود لتوحید الرب المعبود

☆ المعتقد المنتقد

☆ منہاج العبید الی معراج التوحید

☆ مراد المرید فی اخلاص التوحید

☆ النصح السرید لوجوبُ التوحید

علم الآخرۃ:

☆ تفریح الکروب بالتوبہ عن الذنوب

☆ توزیع المعاصی والطبقات

☆ قضیۃ المقدمہ علی فتنۃ القبور

☆ اقتراب الساعۃ

☆ ایقاظ الرقود باحوال الیوم الموعود

☆ النذیر العریان من درکات ایزان

☆ حث الانسان علی ما یوجب دخول الجنان

☆ ہادی القلب السلیم الی درجات جنات النعیم

تاریخ وطبقات:

☆ ترجمان وہابیہ

☆ نصب الذریعہ الی تعدید علوم الشریعہ

☆ حدیث الغاشیہ عن الفتن الخالیہ والفاشیہ

☆ طلائع المقدور من مطالع الدھور

دینیات:

☆ ایقاظ النیام لصلة الارحام
☆ اختیار السعادة بایثار العلم علی العبادة
☆ اسعاد العباد بحقوق الوالدین علی اولاد
☆ بذل المنفعه لایضاح الارکان الاربعه
☆ بذل الحیات الحسن الممات
☆ تحفة الصائمین
☆ تبشیر العاصی بتکفیر المعاصی
☆ تحریم الخمر والزنا واللواطة والمعارف والعشق
☆ رساله منجیات و مهلکات
☆ تطهیر الثوب بقبول الثوب
☆ تحصیل الکمال بالخصال المواجبة للظلال
☆ توزیع العباد الی الدرجات فی یوم المعاد
☆ توزیع المعاصی والطبقات
☆ دواء القلب القاسی بتذکیر الموت الناسی
☆ زیادة الایمان باعمال الجنان
☆ ضوء الشمس
☆ عین الیقین ترجمة اربعین امام غزالی
☆ عاقبة المتقین
☆ عشرة کامله
☆ غراس الجنة
☆ فتنة الانسان من تلقاء ابناء الزمان
☆ قول ثابت
☆ قول الحق

☆ قواطع البشر

☆ کشف اللثام عن غربة الاسلام

☆ منتخب زاد المتقین للشیخ عبد الحق دھلوی

سیر وسوانح ومناقب:

☆ ابقاء المنن بالقاء المحن

☆ بلوغ العلی بمعرفة الحلی

☆ تشریف البشر بذکر الائمة الاثنی عشر

☆ تکریم المؤمنین بتقویم مناقب الخلفاء الراشدین

☆ الشمامة العنبریة فی مولد خیر البریه

عربی لغت وادب وصرف:

☆ قسطاس الاذھان فی شرح المیزان

شاعری:

☆ گل رعنا (اردو وفارسی دونوں میں)

اخلاقیات:

☆ فتح الخلاق بلطائف المنن والاخلاق

☆ اللتیاء واللتی

سیاسیات:

☆ فلاح البرایا فی اصلاح الراعی والرعایا

مہلکات:

☆ قوارع الانسان

☆ قواطع البشر

☆ لسان العرفان

منجیات:

☆ ادامة السکر باقامة الصبر والشکر

☆ صدق اللجاء الی ذکر الخوف والرجاء

تصوف:

☆ خیرة الخیره

☆ مقالات الاحسان فی مقامات العرفان

متفرقات:

☆ اتباع الحسنة فی جمله ایام السنة

☆ معجب فی نحو المغرب

☆ منتخب نفخ العود فی ایام الشریف جمود

☆ عمارات الاوقات بوظائف العبادات مع بیان الدرجات والدرکات

☆ فصل الخطاب فی فضل الکتاب

☆ کشف الالتباس عما وسوس به الخناس

☆ کشف الستر عن وجهة الذکر والفکر

☆ المتضعر المختصر فی حسن الظن للمعتضر

☆ مراتع الغزلان فی تذکار ادباء الزمان

☆ اعلام البشر بوجوه الخیر والشر

☆ حسن المساعی الی اصلاح الرعیة والراعی

☆ برگ سبز

☆ خلق الانسان

☆ الدر المنضود فی ذکر المهدی الموعود

☆ رنو الخرفة بشرف الحرفه

☆ روز مره اسلام

☆ السیف المسلول علی من سب الرسول

☆ ضیافة الاخون بقیافة الانسان

فقہ السنۃ:

☆ فتح المغیث

الملل والنحل:

☆ کشف الغمه عن افتراق الائمة

دعوات:

☆ الداء والدواء

حواشی

۱۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، امیر المحدثین، صحیح بخاری، کتاب العلم ج:۱، ص:۱۳۵، قدیمی کتب خانہ، کراچی
۲۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ، الامام، جامع ترمذی، ج:۲، ص:۱۲۵، مطبع مجتبائی دہلی، ۱۳۱۵ھ۔
۳۔ ابقاء المنن، ص:۵۸
۴۔ ایضاً، ص:۱۲۷۔۱۲۶۔
۵۔ ایضاً: ص ۶۷۔۶۵
۶۔ ایضاً ص:۶۳۔۶۲

☆..........☆..........☆

باب چہارم

مسلک ونظریات

فصل اوّل

مسلک

سید صدیق حسن کا مسلک و مشرب قرآن و حدیث ہے جسے عرف عام میں ''مسلک اہل حدیث'' کہا جاتا ہے۔ آپ قرآن و حدیث کے متوالے اور اس کے عالم و عامل تھے۔ تقلید شخصی کے سخت مخالف اور نقاد تھے۔ اپنی تمام زندگی اس مسلک کو حق سمجھتے رہے اور اس کی تبلیغ کی حتی المقدور کوئی کسر نہ چھوڑی، چنانچہ آپ کی کتب کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ نے قرآن و سنت کو لازم پکڑے رکھا اور ہر مسئلہ میں قرآن و حدیث کے دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے اسے اپنایا۔ چنانچہ آپ اپنے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مجھے وہ مذہب پسند ہے جو دلائل کے اعتبار سے صحیح، قوی اور احوط ہو اور میں اس بات کو ہرگز پسند نہیں کرتا کہ اہلِ علم کے اقوال کے مقابلہ میں کتاب وسنت کے دلائل کو ترک کر دیا جائے۔ بلکہ اس بات کو زیادہ پسند کرتا ہوں کہ حتی الامکان مختلف مذاہب کے درمیان جمع و تطبیق کی راہ کو تلاش کر لیا جائے اور اس سب کچھ سے مقصود یہ ہے کہ میری عبادت، تمام یا اکثر مذاہب کے اعتبار سے صحیح ہو اور یہ احتیاط کی بات ہے کہ مکروہ سے اس طرح بچا جائے جس طرح حرام سے بچا جاتا ہے اور سنن کی اس طرح نگہداشت کی جائے گویا کہ وہ واجب ہیں۔ دین میں احتیاط کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ شبہات سے اجتناب کیا جائے۔ تفریعات فقیہ میں شبہات بکثرت پیش آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء کے فتویٰ میں بہت زیادہ اختلاف ہے، اس کے برعکس کتاب وسنت کے ظاہر اور واضح احکام میں نہ کوئی اختلاف ہے نہ شبہ۔''

﴿ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴾ (۱)

شیخ محی الدین ابن عربیؒ ظاہری مذہب سے وابستہ تھے جب کہ شیخ عبد القادر جیلانی حنبلی مشرب سے پیوستہ۔ ظاہری اور حنبلی حضرات گو بظاہر امام داؤد ظاہری اور امام احمد بن حنبلؒ کی طرف منسوب ہیں لیکن درحقیقت متبع کتاب وسنت ہیں کیونکہ ان دونوں اماموں نے اپنے اجتہاد سے کوئی فقہ مدون نہیں فرمائی بلکہ عمل بالحدیث کے قائل تھے اور یہی وہ بہترین راستہ ہے جس پر اہل اسلام کو رشک کرنا چاہیے۔ وباللہ التوفیق!

آپ مزید لکھتے ہیں:

''میرے خیال کے مطابق ان بزرگوں کے علاوہ اور بھی کوئی شیخ طریقت کسی خاص مذہب کا مقلد نہیں تھا اگر کسی نے اپنے آپ کو کسی مذہب کی طرف منسوب کیا ہے تو وہ عوام الناس کی زبان درازی سے محفوظ رہنے یا کسی اور مصلحت کے پیش نظر کیا ہے۔ حضرت جنید نے جب توحید ومعرفت کے حقائق بیان فرمانا شروع کیے اور ان پر ہر طرف سے دشمنوں کا ہجوم ہونے لگا تو انہوں نے جان کی حفاظت کے لیے مجبوراً اپنے آپ کو فقہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے امام سفیان ثوریؒ کا ہم مذہب قرار دیا لیکن گھر کی چار دیواری میں پوشیدہ طور پر بدستور توحید بیان فرماتے رہے۔ اکثر اہل علم و دین کو ہر دور میں اسی قسم کے حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ یہی وجہ ہے کہ ائمہ محدثین شافعی کہلاتے رہے۔ حالانکہ وہ مجتہد تھے۔ رسول خدا ﷺ کے سوا کسی کے مقلد وتابع نہ تھے، ان کا مسلک عمل بالحدیث تھا۔ الغرض دین میں جو فتنہ بھی آیا ہے انہی جہال مقلدین کی طرف سے آیا ہے۔'' (۲)

آپ تعصب سے پاک تھے اور اپنے مخالف مذاہب کے لوگوں سے نفرت نہیں کرتے تھے بلکہ آپ تمام مسالک کے لوگوں سے بہترین تعلقات رکھتے تھے۔ بالخصوص اہل سنت کے تمام مکاتب فکر کے علمائے کرام کی مساعی جمیلہ کو بہ نظرِ احسن دیکھتے تھے اور ان کے باہمی اختلاف کو اہمیت نہیں دیتے تھے۔ اس بات کا اظہار کرتے ہوئے آپ اپنی خودنوشت سوانح ''ابقاء المنن بالقاء المحن'' میں لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کا مجھ پر احسان ہے کہ میں کسی دوسرے مذاہب سے وابستہ انسان سے

جاہلانہ تعصب نہیں رکھتا۔ اور نہ ہی میں اہل سنت کے دوسرے مکاتبِ فکر کے لوگوں کو گمراہ سمجھتا ہوں۔ کیونکہ ائمہ اربعہ کے اصول ایک ہیں اور فروعی اختلاف ضلالت و کفر کا موجب نہیں بنتا بلکہ اسے صرف تشدید و تخفیف پر محمول کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ علامہ شعرانی نے ''میزان'' میں بیان فرمایا ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ میں متبع ہوں مبتدع نہیں اور یہ بھی دلیل کے اعتبار سے کہہ رہا ہوں۔ اس لیے کہ امت کو ظاہری اور باطنی اعتبار سے کتاب وسنت کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے اور اللہ و رسول ﷺ کے سوا کوئی متبوع نہیں ہے۔ امت کے جس قدر بھی علماء و مشائخ ہیں، ان کے اقوال مقبول بھی ہیں اور مردود بھی۔ اگر کوئی بات رد نہیں کی جا سکتی تو وہ صرف خدا کا ارشاد اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا فرمان ہے۔ پس متبع سنت بلا شک وشبہ افضل ہے اور مقلد (اگر مشاقق خدا اور رسولؐ نہیں تو) مفضول ہے۔ اس بات میں تعصب اور حمیت نفسانیہ کو دخل نہیں بلکہ یہ تو سراسر حقائق امور کا بیان ہے .... ابتدائے طالب علمی میں اس ملک کے رواج کے مطابق میں نے فقہ حنفی کی کتابیں بھی پڑھی تھیں۔ پھر جب شعور بڑھا تو مذاہب ائمہ ثلاثہ پر بھی عبور حاصل کر لیا اور راسخ علماء کے قاعدہ کے مطابق ہر مذہب کے دلائل کا میزان تحقیق میں وزن کیا اور جس بات کو دلیل کے اعتبار سے راجح پایا، اسی کا قائل ہو گیا...... ایک ہی مذہب وطریقے پر جمود کرنے والا انسان دین کے فیوض و برکات سے محروم رہ جاتا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی اپنی کتاب ''الانصاف فی سبب الاختلاف'' میں اس طرف اشارہ فرمایا ہے۔'' (۳)

آپ راہِ اعتدال کے حامی تھے اور تمام زندگی اسی اصول پر چلتے رہے اور کبھی راہِ اعتدال کا دامن نہیں چھوڑا، آپ فرماتے ہیں:

''ائمہ اربعہ کے مذاہب پر عبور حاصل کرنے کے بعد میں نے اپنے لیے دلیل کی اتباع کو پسند کیا ہے۔ یعنی دلیل کے اعتبار سے جو مذہب قوی اور صحیح ہو، میں اسے اختیار کرتا ہوں۔ خواہ وہ مذہب حنفی ہو یا شافعی، مالکی ہو یا حنبلی، میں کسی مذہب کو محض تعصب کے پیش نظر رد نہیں کرتا اور نہ کسی مذہب کو محض خواہش نفس کے مطابق اخذ

کرتا ہوں۔ مثلاً مسئلہ آب میں مذہب مالک زیادہ قوی ہے۔ تشہد کے صیغوں کے مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کا مذہب زیادہ صحیح ہے اور مسئلہ صفات میں امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک سب سے قوی ہے۔ لہٰذا میں نے انہیں اختیار کیا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس، میں نے اپنی تمام تالیفات میں اسی قاعدہ کو پیش نظر رکھا ہے۔ اس اعتبار سے میں اپنے آپ کو حنفی کہوں یا شافعی، مالکی کہوں یا حنبلی تو کذب لازم نہیں آئے گا اور اگر محض سنی کہوں تو بھی بالکل سچ ہے۔ ائمہ اربعہ اور دیگر ائمہ مجتہدین کا محبّ اور خادم ہونے کی حیثیت سے اگر میں اپنے آپ کو ان میں سے کسی امام کی طرف منسوب کروں تو بھی درست ہے۔ چنانچہ سلف امت کی طرف ائمہ علم کی اکثر نسبتیں اسی قبیل سے ہیں۔"

آپ مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

میں خوب جانتا ہوں کہ کسی امام کا کوئی مقلد ایسا نہیں ہے جو کسی مسئلہ میں بھی کسی امام کے مذہب واقوال کی مخالفت نہ کرتا ہو۔ خواہ مسئلہ کا تعلق اصول سے ہو یا فروع سے، جب یہ بات ہر مذہب خاص کے مقلدوں میں موجود ہے اور اس کا مشاہدہ بھی کیا جاسکتا ہے تو پھر مجھ پر یا کسی اور متبع پر کوئی الزام کب عاید ہوسکتا ہے؟ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ کسی نے ایک دو مسئلوں میں اپنے امام کے مذہب کے خلاف کیا اور کسی نے پانچ دس مسئلوں میں، تفاوت فقط قلت وکثرت کا ہے، تقلید واتباع کا نہیں۔ مثلاً شیخ عبدالحق دہلویؒ نے سماع موتیٰ میں مذہب شافعی اختیار کیا ہے اور جمہور حنفیہ کے مذہب عدمِ سماع موتیٰ کو چھوڑ دیا ہے۔ اسی طرح وہ مشرب میں قادری الطریقہ تھے حالانکہ شیخ جیلانی حنبلی المذہب تھے یا اس کی مثال یہ دی جاسکتی ہے کہ حنفیہ کی ایک جماعت شیخ محی الدین ابن عربی کی ولایت بلکہ قطبیت کی معتقد ہے۔ حالانکہ وہ ظاہری المذہب اور محض متبع تھے یا مثلاً امام غزالی نے "احیاء العلوم" میں زکوٰۃ کی اصناف ثمانیہ میں مذہب حنفی کو جائز رکھا ہے حالانکہ امام شافعی اس مسئلہ میں سخت ہیں یا مثلاً ملا علی قاری حنفیؒ نے بعض فروعی مسائل میں جمہور حنفیہ سے اختلاف کیا ہے۔ کتب کی ورق گردانی سے اس قسم کی صدہا مثالیں مل سکتی ہیں۔ ابن رجب حنبلی نے "طبقات" میں علماء کے تراجم کا ذکر کرتے ہوئے ان کے مختارات متفردہ بھی ذکر

کیے ہیں، جو ان کے مشہور کے خلاف ہیں۔ ''حجۃ اللہ البالغۃ'' کو دیکھو، اس میں بہت سے مقامات پر مذہب شافعی کو راجح کہا گیا ہے۔ ''معمولات مظہریہ'' کی سیر کرو۔ اس میں جا بجا ظاہر حدیث کو اختیار کیا گیا ہے۔ عدم رفع سبابہ میں مذہب مجدد نے اسے اپنے ''مکتوب'' میں بدعت قرار دیا ہے اور اس کی بہت سخت تردید کی ہے...... پہلے اہل علم اور اہل مذہب اس طرح کا تعصب نہیں رکھتے تھے جس طرح کا تعصب اس تیرہویں صدی میں ہے بلکہ وہ لوگ آپس میں موافق، محب، طالبِ حق اور متبع صدق تھے۔''

اسی لیے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ''قول جمیل'' میں لکھا ہے کہ:

''مذاہب فقہا اور مشارب صوفیاء میں سے کسی مذہب و مشرب کو کسی دیگر مذہب و مشرب پر ترجیح نہیں دینی چاہیے بلکہ ظاہر کتاب و سنت کا اتباع ہی کافی و وافی ہے چنانچہ بغیر کسی قسم کی کمی وبیشی کے ہمارا طریقہ بھی یہی ہے۔ وباللہ التوفیق!''

اللہ تعالیٰ نے مجھے قرآن و حدیث میں فہم صحیح اور درک لطیف عطا فرمایا ہے اور ذہن صافی و قلب سلیم سے نوازا ہے۔ میں کسی آیت کی تفسیر یا حدیث کی شرح میں جب اہلِ علم کے مختلف اقوال پاتا ہوں تو ان میں سے راجح اور صحیح قول کو پہچان لیتا ہوں اِمَّعۃٌ نہیں ہوں کہ جس کی تقریر تحریر سنی دیکھی اور بظاہر چست و درست اور برجستہ نظر آئی اسی کی طرف جھک گیا بلکہ اپنے فکر سے کام لیتا ہوں اور مختلف اقوال و مذاہب کو کتاب و سنت کی میزان میں تول کر جائزہ لیتا ہوں۔ جو موافق ہو اسے قبول کرتا ہوں اور جو تاویل بعید یا توجیہہ ضعیف ہو اس کو پسند نہیں کرتا، اگرچہ اس کا قائل بہت بڑا عالم یا شیخ ہی کیوں نہ ہو، اس لیے کہ حق ہی سب سے بڑا اور عظیم ہے اور ہمارا طریقہ کتاب و سنت کا پابند ہے۔'' (۴)

نواب صدیق حسن خان کتاب و سنت کے متبع تھے اور اس سلسلے میں ہمیشہ تمام آراء پر کتاب و سنت کو ہی ترجیح دیتے تھے اور اس کے اظہار میں کسی قسم کے ڈر یا خوف کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ اپنی خدماتِ جلیلہ کو اللہ کے حضور برحق اور پسندیدہ دیکھتے تھے اور کبھی بھی قرآن و حدیث کے علاوہ کسی کو ترجیح نہیں دیتے تھے خواہ وہ شخصیت کتنی ہی پارسا اور بڑی ہو۔

آپ ہر مسئلہ پر ایک محقق کی حیثیت سے نظر ڈالتے تھے کسی خاص مذہب کی طرف التفات اور دیگر مذاہب سے عناد آپ کا طریقہ نہ تھا۔ جس مذہب کی کسی مسئلہ میں تائید فرماتے تو دلائل کی بنا پر اور مخالفت بھی بر بنائے دلیل۔ اس تائید اور مخالفت میں کوئی عصبیت اور جانبداری کارفرما نہ ہوتی۔ بہت سے مسائل ہیں جن میں آپ نے مسلکِ حنفی کی پیروی کی ہے اور بعض امور ایسے ہیں جن میں دیگر مذاہب کو ترجیح دی ہے اور انہیں کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ بعض مقامات پر آپ نے دونوں مذاہب کو جمع کیا ہے لیکن جہاں یہ بات ناممکن نظر آئی وہاں جس کو اقرب الی السنۃ اور صحیح تر پایا اسے ہی اختیار کیا۔

ایک مقام پر وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''فروعی مسائل میں ان علماء محدثین کا اتباع کرنا چاہیے جو فقہ و حدیث کے جامع ہوں، تفریعات فقیہ کو ہمیشہ کتاب و سنت سے منطبق کرتے رہنا چاہیے جو مسائل تفریعی کتاب و سنت کے موافق ہوں قبول کیے جائیں، جو خلاف ہوں ان کو ترک کردیا جائے۔ امت محمدیؐ کے واسطے اجتہادی مسائل کو کتاب و سنت کی کسوٹی پر رکھنا نہایت ضروری ہے۔ کسی حال میں اس سے مفر نہیں، ایسے خشک دماغ فقہاء کی بات کبھی نہیں سننا چاہیے جو کسی ایک عالم کی تقلید کو اپنی دستاویز سمجھ لے اور سنت رسول ﷺ کو ترک کردے، اس قسم کے کوڑھ مغز فقہا کی طرف کبھی بھی التفات نہ کرنا چاہیے بلکہ خدا کی خوشنودی اور قرب ان لوگوں سے دور رہنے میں ہے''۔ (۵)

اس کے باوجود آپ اپنے آپ کو حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی یا وہابی کہلانا پسند نہیں کرتے تھے اور یہ حقیقت ہے کہ دنیا کا کوئی متبع سنت عالم اپنے آپ کو وہابی کہلانا پسند نہیں کرتا اور آخر وہ پسند بھی کیسے کرسکتا ہے جب کہ وہ حنفی، شافعی اور مالکی وغیرہ کہلانا پسند نہیں کرتا۔ البتہ نواب صاحب اہل حدیث کہلوانا پسند کرتے تھے لیکن ''اہل حدیث'' کو وہابی کہنا پسند نہیں کرتے تھے، چنانچہ فرماتے ہیں:

''مذہب حدیث نجد کی وہابی تحریک سے ایک ہزار سال پرانا ہے۔ اس لیے اہل حدیث حضرات اس (وہابی) کو کسی طرح پسند نہیں کرتے۔'' اہل حدیث لوگوں سے

بغاوت کا خوف کرنے کی کوئی وجہ نہیں، وہ خود بھی بغاوت کے شر سے دور بھاگتے ہیں اور اپنے دوستوں اور بہی خواہوں کو بھی اپنے الفاظ اور تحریروں کے ذریعہ اس طرزِ عمل سے روکنا چاہتے ہیں۔"(٦)

☆..............................☆

فصل دوم

امتیازی نظریات

نواب صدیق حسن خاں ایک راسخ العقیدہ مسلمان اور متبحر عالم دین تھے، آپ کے نظریات کی بنیاد خالص قرآن وسنت پر تھی۔ آپ قرآن وسنت کی تعلیمات کو بنیادی حیثیت دیتے تھے اور انہیں کو کامل واکمل، عالمگیر و جہانگیر اور ابدی وسرمدی تصور کرتے تھے۔ آپ کے خیال میں اسلام ہی وہ کامل اور عالمگیر نظامِ حیات ہے جو قیامت تک کے مسائل کا حل اور ہر کجی و بیماری کا علاج پیش کرتا ہے۔ کوئی بات اور کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جو قرآن وسنت میں موجود نہ ہو، ان میں تمام مسائل کے کلیات کا تذکرہ بڑی شرح وبسط اور تفصیلات سے کر دیا گیا ہے۔ اس لیے ایک مسلمان کے لیے ان کی اتباع ضروری ہے اور انہی میں اس کی کامیابی وکامرانی ہے۔

نواب صاحب اس بات پر کامل یقین رکھتے تھے کہ اسلام اللہ تعالیٰ کا آخری اور پسندیدہ دین ہے اور بنی نوع انسان کے لیے راہ ہدایت اور کامیابی کا ضامن ہے، اس کے علاوہ اور کوئی دین و مذہب خواہ وہ آسمانی ہو یا غیر آسمانی ایسا نہیں ہے جو اسلام کے آنے کے بعد انسان کو ابدی فوز وفلاح اور دائمی کامرانی وکامیابی سے ہمکنار کر سکے کیونکہ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے۔

﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾(٧)

(اور جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کرے تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور آخرت میں وہ خسارہ پانے والوں میں ہوگا)

آپ کا یہ دعویٰ حقیقت پر مبنی ہے کہ اگر قرآن وحدیث کو اپنے لیے مشعلِ راہ بناتے ہوئے

اس پر عمل کیا جائے اور معاشرہ میں اس کو نافذ کر دیا جائے تو معاشرہ اور افرادِ معاشرہ مشکلات سے نجات حاصل کر سکتے ہیں اور اس طرح برائی اور بدی کی قوتوں پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ آئندہ صفحات میں ہم آپ کے چند ایک نظریات کو مختصراً بیان کرتے ہیں تاکہ آپ کے نظریات کے قرآن وسنت کے مطابق وموافق ہونے کی وضاحت ہو سکے۔

نظریہ توحید:

نواب صدیق حسن خاں کا نظریہ توحید بڑا پختہ اور صحابہ کرامؓ واسلاف امت سے مماثل ہے۔ آپ توحید خالص کو اسلام کی بنیاد سمجھتے ہیں کیونکہ ساری کائنات کا خالق و مالک اور سب امور کا مدبر صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ لہٰذا وہ اپنے اختیارات، صفات، علم اور قدرت میں یکتا و اکیلا ہے اور اس کا کوئی شریک وساجھی نہیں ہے۔ فرشتے، انبیاء اور کائنات کی تمام مخلوقات اسی کی محتاج اور اس کے سامنے بے بس ہے۔ نواب صدیق حسن خان نے عقیدہ توحید کو بڑی وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے اور غیر اللہ کی محبت، نذر و نیاز، ان کے سامنے التجائیں کرنا، ان کو خدا کا سفارشی یا کسی بھی اختیار کا مالک سمجھنا شرک قرار دیا اور اس سے بچنے کی تلقین کی ہے اور آپ نے اپنی تصنیفات میں توحید الٰہی اور شرک کو بنیادی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ آپ توحید کی تعریف میں یوں رقم طراز ہیں:

"توحید یگانہ گردانیدان دل است یعنی تخلیص و تجرید اواز تعلق ماسوائے حق ھم ازروے طلب وارادت وھم ازجھت علم و معرفت یعنی طلب وارادت اوازھمہ مطلوبات ومرادات منقطع گرددو ھمہ معقولات و منقولات از نظر بصیرتش مرتفع شود ازھمہ رولے توجہ بگر داندو بغیر سبحانہ تعالیٰ اگاھی د شعورش نماند" (۸)

(توحید دل کو تمام ماسوائے حق سے خالی کرنا ہے یعنی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی مخلص ہونا ہے۔ جب ایسا ہوتا ہے تو تمام خواہشات ومرادوں سے دل بھر جاتا ہے اور تمام معقولات ومنقولات کا پردہ چشم بصیرت سے اٹھ جاتا ہے اور ماسوائے حق سبحانہ وتعالیٰ کے کوئی شعور باقی نہیں رہتا۔)

آپ نے اپنی کتاب ''الدین الخالص'' میں انبیاء علیہم السلام کے عقیدہ توحید کو واضح کرنے کے ساتھ ساتھ فلاسفہ، جہمیہ، جبریہ اور اتحادیہ کے نظریہ توحید پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے قرآن و حدیث کی روشنی میں ان کا رد پیش کیا ہے۔

آپ عقیدہ توحید کو بیان کرتے ہوئے توحید ربوبیت اور توحید الوہیت پر بڑی جاندار بحث کرتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

((وھذا لا ینکرہ المشرکون ولا یجعلون للّٰہ))

آپ عبادت کا معنی توحید کرتے ہیں چنانچہ ''اللواء المقعود'' میں لکھتے ہیں:

''توحید الوہیت کے تو مشرک بھی منکر نہیں۔ وہ بھی الوہیت میں خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے اور اس کا اقرار کرتے ہیں۔ خدا فرماتا ہے اے پیغمبر! اگر تو ان سے پوچھے کہ کس نے تم کو پیدا کیا ہے تو وہ یہ ہی جواب دیں گے کہ خدا نے اور توحید عبادت کے یہ معنی ہیں کہ تمام طرق و انواع عبادات خالص ذات باری کے لیے مخصوص ہوں اور ان میں کسی کو شریک و سہیم نہ ٹھہرایا جائے، یہ ہی وہ خالص توحید ہے جس میں مشرکین اپنے بزرگوں اور دیوتاؤں کو شریک خدائی کیا کرتے ہیں۔ شرکت کا لفظ خود ان کے اقرار توحید الوہیت کو ثابت کرتا ہے لیکن توحید عبادت سے وہ بے خبر ہیں۔ اس لیے خدائے سبحانہ نے انبیاء کو مبعوث کیا کہ وہ مشرکین کو توحید الوہیت کے ساتھ توحید عبادت کی تعلیم دیں چنانچہ خدا فرماتا ہے ہم نے ہر قوم میں پیغمبر بھیجے تاکہ وہ خالص خدائے وحدہٗ کی عبادت بجالائیں۔ توحید کے دو جزو ہیں ایک توحید الوہیت یعنی زبان سے لا الہ الا اللہ کہنا۔ یہ توحید تو ایک ایسے منافق میں بھی پائی جاتی ہے جس کا ظاہر و باطن یکساں نہیں ہوتا۔ دوسری توحید عبادت ہے جس سے مراد یہ ہے کہ جو حقیقی مفہوم توحید ربانی کا ہے اس سے ذرہ برابر انکار اور مخالفت قلب میں نہ ہو۔ یہاں تک تو یہ عوام کی توحید ہے لیکن اخص الخاص کی توحید یہ ہے کہ تمام خواہشات وسائط و اسباب سے قطع نظر کر کے خالص خدا کی عبادت کی جائے اور کسی غیر کا وہم تک بھی دل میں نہ لایا جائے۔ جو شخص اپنی خواہشات کا اتباع کرتا ہے اس کا معبود اس کی ہوائے نفس ہوتی ہے جیسا کہ خدا نے قرآن کریم میں فرمایا ہے: اے پیغمبر! تم

نے اس شخص کے حال پر نظر کی جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا خدا بنا رکھا ہے۔ یہ توحید عبادت مقام صدیقین ہے۔''(۹)

آپ عبادت کا معنی توحید کرتے ہیں، چنانچہ مزید رقم طراز ہیں کہ:

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قرآن حکیم میں جس جگہ عبادت کا ذکر آیا ہے اس کے معنی توحید کے ہیں۔ مثلاً اس آیت کریمہ میں ﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ. ای لیوحدون ﴾ ہم نے تمام جن وانس کو عبادت کے لیے یعنی توحید اختیار کرنے کے لیے پیدا کیا ہے۔ دعا بجائے خود عبادت ہے بلکہ سر اور مغز عبادت ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ ''الدعاء هو العبادة'' (دعا ہی عبادت ہے۔) یہ ترکیب دلیل ہے حصر پر یعنی خبر مبتدا میں منحصر ہے۔ بسبب فصل کے اس میں ایک طرح کی فضیلت کا امتیاز اور مبالغہ اور اہتمام ہے۔ دعا کی شان میں جب عبادت کے معنی توحید اور دعا کے ٹھہرے تو غیر اللہ کی دعا بھی شرک ٹھہری۔''(۱۰)

نواب مرحوم نے توحید حقیقی اور توحید عددی پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنی تصنیفِ لطیف ''خطیرۃ القدس'' میں لکھا ہے: ''توحید کی دو قسمیں ہیں توحید حقیقی اور توحید عددی'' ان کی تفصیل یہ ہے:

''ربنا اللہ کے لفظ سے توحید اقرار مراد ہے یعنی خدا کی وحدانیت کا زبان سے اقرار کرنا اور استقاموا کے لفظ سے توحید معرفت کی جانب اشارہ ہے یعنی خدا کو تمام جہات سے بالا جاننا اور اس کی وحدت پر چشم بصیرت سے نظر ڈال کر یقین کرنا، ظاہر ہے کہ عام وحدت میں بجائے خود کوئی جہت نہیں ہے پس حق سبحانہ وتعالیٰ واحد حقیقی ہے واحد عددی نہیں، اس لیے کہ واحد عددی کے تو ٹکڑے اور اجزاء ہو سکتے ہیں اور واحد حقیقی اس سے پاک اور منزہ ہے۔ واحد عددی کو تمام اعداد کے ساتھ ایک نسبت خاص ہے۔ جس طرح نصف الاثنین یعنی دو کا نصف اور ثلث کا ثلث اور ربع کا ربع غرض واحد عددی تمام اعداد میں موجود ہے۔ بخلاف واحد حقیقی کے کہ وہ ان تمام نسبتوں سے پاک ومقدس ہے، نہ اس کو زمانوں اور مکانوں سے کوئی تعلق خاص ہے نہ وہ جہات وسمات میں سما سکتا ہے۔''(۱۱)

عقیدہ توحید کے سلسلے میں نواب صدیق حسن نے عقیدہ وحدۃ اور الوجود عقیدہ حلول وغیرہ کا بھی بڑے شدومد سے رد کیا ہے اور انہیں عقیدہ توحید کے منافی قرار دیا ہے۔ (۱۲)

سید صدیق حسن خان اللہ کے قرب کے حصول کے لیے کسی بزرگ اور پیر فقیر وغیرہ کے وسیلہ و واسطہ کے قائل نہیں تھے۔ آپ خالق ومخلوق کے مابین کسی بھی تیسری ہستی کو کوئی اہمیت نہیں دیتے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوقات کی (ڈائریکٹ) بغیر کسی واسطہ کے ہر وقت اور ہر حال میں اور ہر زبان میں سنتا ہے ان کی مدد کرتا ہے۔ اس لیے کوئی بھی شخصیت خواہ وہ کتنی ہی بڑی نیک ہو اس کے وسیلہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ آپ کے نزدیک اس شخصیت سے اس کی زندگی میں دعا کروانا جائز اور درست ہے۔

آپ کے نزدیک بزرگوں کو اسلام میں وہ مقام ومرتبہ حاصل نہیں ہے جو برصغیر میں انہیں دیا جاتا ہے یعنی کہ بزرگوں اور پیروں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے اختیارات سے نواز رکھا ہے اور وہ جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ وہ جس کو چاہیں لڑکے دیں اور جس کو چاہیں شفاء دیں وغیرہ یہ سب باطل اور شرکیہ عقاید میں شامل ہیں۔ اسی طرح آپ کرامات کے حوالے سے انہیں بعض امور میں مختار سمجھنا اور ان کی ہر بات خواہ وہ کتاب وسنت کے منافی ہو ماننا اور اس پر عمل پیرا ہونا غلط اور باطل خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

> ''بزرگوں کا عرس جو مثل حج ادا کیا جاتا ہے اور قبروں کا سنگین بنانا اور پختہ کرنا اور ان پر چادر ڈالنا اور مگس رانی کرنا اور صندل ملنا اور دھونا اور آستانہ مقرر کرنا اور چوبدار فراش جو بدعتی امیروں کے مزارات پر مقرر کیے جاتے ہیں یہ سب اسراف، حرام اور ممنوع شرع ہیں۔ اسی طرح قوالانِ بدآواز اور جماعت مطربان مزامیر نواز یہاں تک کہ زنان فاحشہ اور مخنث لوگ جو نغمہ سازی کیا کرتے ہیں اور ناچا کرتے ہیں، یہ سب افعال حرام ومردود اور گناہ کبیرہ ہیں۔'' (۱۳)

آپ اولیاء اللہ کو وہ مقام دیتے ہیں جو انہیں اسلام نے دیا ہے لیکن آپ ہر کسی کو ولی اللہ نہیں سمجھتے بلکہ ولی اللہ کی علامات بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ اولیاء اللہ، اللہ تعالیٰ کی منشاء ومرضی کے مطابق چلنے والے۔ متبع قرآن وسنت، پانچ وقت کی نماز ادا کرنے والے، رمضان المبارک کے روزے رکھنے والے، زکوٰۃ ادا کرنے والے، حج ادا کرنے والے اور دیگر اوامر ونواہی کا خیال

رکھنے والے ہوتے ہیں اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے پابند اور نواہی سے اجتناب کرنے والے نہیں ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے ولی نہیں ہیں۔

آپ ولی اللہ کی ایک صفت امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی بھی نشان دہی کرتے ہیں اور اس میں اخلاق حسنہ ایسی اعلیٰ صفت پائی جانی بھی ضروری سمجھتے ہیں۔

شرک کا رد:

نواب صدیق حسن مرحوم نے اپنی تمام زندگی عقیدہ توحید کے فروغ اور شرک کے خاتمے کی جدوجہد میں بسر کی، آپ کی تصنیفات وتالیفات میں آپ نے شرک کی پرزور تردید کی ہے۔ آپ کے صاحبزادے سید علی حسن طاہر لکھتے ہیں:

والا جاہ نے اپنی مؤلفات میں توحید کی طرح جابجا اس کی تفصیل وتصریح اور اس کے درجات ومنازل واقسام کے بیان میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ اجمالاً انہوں نے شرک کی دوقسمیں بیان کی ہیں۔ شرک اصغر، اور شرک اکبر پھر درجات کے لحاظ سے اس کو حسب ذیل اقسام پر منقسم کیا ہے۔

اشراک فی الالوہیت، اشراک فی الربوبیت، اشراک فی العبادات، اشراک فی العادۃ، اشراک فی المشیت، اشراک فی العلم، اشراک فی التصرف، اشراک فی التسمیہ، اشراک فی الافعال، شرک التعطیل، شرک التمثیل، شرک فی الارادات والنیات، شرک فی المحبت یعنی عشق، اشراک فی الکواکب والنجوم، شرک فی الشفاعت۔ انہیں اقسام کے ذیل میں استغاثہ، استعانۃ، شفع وتوسل لغیر اللہ یعنی غیر اللہ کو پکارنا۔ موتی سے طلب حوائج کرنا۔ حلف لغیر اللہ کرنا، قبور کا مساجد بنانا، تعلیق تمائم، تولہ، عیافت، طرق وطیرہ پر عامل ہونا۔ ذبیحہ بنام غیر اللہ، حرث وانعام میں نذر ونیاز۔ ” کما قال تعالیٰ: مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَائِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ فِي الْاَرْحَامِ . “ غیر اللہ کی نذر ماننا، غیر اللہ کو سجدہ کرنا، شجر وحجر یا کسی مقام ومکان کی مثل بیت اللہ الحرام کے تعظیم وطواف کرنا، ان سب امور کو نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان کی تفصیل دلائل واضح کے ساتھ جس کو دیکھنا ہو وہ والا جاہ کی مؤلفات کو بغور ملاحظہ کرے۔ اس مختصر سوانح زندگی میں ان کی تفاصیل وتوضیحات کی گنجائش نہیں۔ تمام اقسام شرک کا ماحصل یہ ہے کہ تمام

عبادات و معاملات و اعتقادات و ارادات و نیات جن کا تعلق خاص ذات و صفات باری تعالیٰ کے ساتھ ہے ان کو کسی غیر اللہ، نبی مرسل یا ولی کامل، یا عارف باللہ یا مرشد یا استاد یا والدین یا جن و ملائکہ وغیرہ کے ساتھ منسوب کرنا یا عملاً بجالانا شرک باللہ کے اقسام میں داخل ہے۔ (۱۴)

قرآن و حدیث ...... علوم و فنون کا منبع:

محی السنۃ نواب صدیق حسن خاں قرآن و حدیث کو علوم و فنون کا منبع و ماخذ مانتے ہیں اور قرآن و حدیث کے علم کو قطعی و یقینی قرار دیتے ہیں۔ آپ حقیقی اور بنیادی علم ہی کتاب و سنت کے علم کو تسلیم کرتے ہیں۔ اس کی تفصیل باب پنجم ''شریعت اسلامیہ میں حدیث کے مقام'' میں بیان کی گئی ہے۔

بدعات کا رد:

نواب صاحب اتباع سنت کے پابند تھے اور رسول اللہ ﷺ کے فرمانِ اقدس'' من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد . '' کے تحت خود بھی بدعات سے اجتناب کرتے اور لوگوں کو بھی ان سے بچنے کی ترغیب دیتے تھے۔ آپ نے اپنی پوری زندگی اتباع سنت کا درس دیا اور بدعات کا پر زور رد کیا۔ اس سلسلے میں آپ کو مخالفین کے الزامات، طعن و تشنیع، مخالفتوں اور مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑا لیکن اپنے اتباع سنت کے نظریہ پر آنچ نہیں آنے دی اور اپنی آخری سانس تک بدعات کا رد کرتے رہے۔

آپ نے اپنے وقت کی تمام بدعات کا اپنی کتب میں تذکرہ کیا اور قرآن و حدیث کے دلائل کی روشنی میں ان کی تردید کی، ان بدعات میں مروجہ عید میلاد النبی کے دھوم دھام سے جشن اور ان پر لغویات و فضولیات کا ہونا۔ پیروں وفقیروں کی غیر ضروری عقیدت مندی، بزرگوں کے مزارات اور قبے تعمیر کرنا، ان کے مزارات پر محفلیں سجانا، مجاور بن کر بیٹھنا، وہاں دیگیں اور چڑھاوے چڑھانا، قوالیاں کرنا، رسول اکرم ﷺ کے اسم مبارک پر درود شریف پڑھنے کی بجائے انگوٹھے چومنا، نکاح و شادی کی فضول رسمیں، اقربا کے انتقال پر غیر ضروری واویلا کرنا اور رسمیں مثلاً قل تیسرے، ساتویں اور چالیسویں دن وغیرہ کا اہتمام کرنا، بیواؤں کی شادی کو معیوب سمجھنا، جہیز کی رسم، سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ حسین رضی اللہ عنہ شیخ عبد القادر جیلانی اور

دوسرے بزرگوں کو مدد کے لیے پکارنا وغیرہ شامل ہیں۔آپ کے نزدیک یہ تمام امور بدعات ہیں اور اسلامی معاشرے کے لیے سم قاتل ہیں۔نیز آپ نے ہر قسم کی بدعت کو ضلالت قرار دیا ہے اور بعض لوگوں کی طرح اسے بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ میں تقسیم نہیں کیا بلکہ آپ نے اس تقسیم کی تردید کی ہے اور اسے خلاف اسلام قرار دیا ہے۔

آپ نے بدعت کا رد جہاد سمجھ کر کیا اور اپنی تصنیفات و تالیفات میں بڑی وضاحت کے ساتھ ان کا رد پیش کیا ہے۔مثال کے طور پر آپ نے ''مقالہ الصحیحہ'' میں بدعات پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ان میں بعض درج ذیل ہیں:

☆ ''کاغذی تابوت جس کا نام تعزیہ ہے اور تمام رسوم شوم اور ماتم کے طریقہ مثلاً سیاہ لباس پہننا،سینہ کوبی کرنا،آنسو بہانا اور مجلس عزا کرنا یہ سب شرعاً مطرود و مردود ہے۔''

☆ ''قبر پر دفن کے بعد اذان کہنا بدعت ہے اس اذان کی سنت مطہرہ میں کچھ اصلیت نہیں ہے۔دوسری بدعت یہ ہے کہ نماز تراویح یا نماز جمعہ کے وقت دو اذانوں کے درمیان الصلوٰۃ،الصلوٰۃ کہنا تیسری بدعت یہ ہے کہ نماز کی اذان کے بعد الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ یا الصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ کہا جائے۔

☆ اشھد ان محمد الرسول اللہ کہنے کے وقت انگوٹھوں کو آنکھوں پر رکھنا اور ان کو چومنا (بھی بدعت) ہے۔''

☆ یاعلی،یاحسین،یاخواجہ،یاپیر،یاقطب،یاغوث وغیرہ کا ورد اور وظیفہ پڑھا جائے اور بغداد کی جانب پیٹھ کرنا معیوب سمجھا جائے۔اولیاء اللہ کو مثل خدا کے حاضر و ناظر جان کر ان کو معاملات خلق میں متصرف یقین کیا جائے،یہ افعال اب بدعت کے درجہ سے بھی گزر کر کفر کی حد کو پہنچ چکے ہیں۔''(۱۵)

آپ بدعتی کے بارے میں یہ خیال رکھتے تھے کہ بدعتی کو توبہ کی توفیق میسر نہیں آتی،اس لیے کہ بدعتی،بدعت کو گناہ نہیں سمجھتا بلکہ اسے نیکی سمجھ کر کرتا ہے اور اس میں علماء بھی جکڑے ہوئے ہوتے ہیں۔چنانچہ ''ابقاء المنن'' میں رقم طراز ہیں:

''شرک و بدعت سے توبہ کرنا سب سے مقدم ہے اس لیے کہ شرک کے ستر اور بدعت کے بہتر درجے ہیں۔شرک وہ بلا ہے جس سے بڑے بڑے اکابر نہ بچ سکے اور یہ

بدعت وہ آفت ہے جس میں بڑے بڑے اہل علم پھنس گئے۔ جاہل مومن، شرک کو شرک نہیں سمجھتا اور بدعتی بدعت کو اچھا سمجھتا ہے۔ اس لیے انہیں توبہ کی توفیق نہیں ملتی۔"(۱۶)

الغرض نواب مرحوم نے اپنے زمانہ کی تمام بدعات کا بلا خوف وخطر ردّ کیا اور آپ مسلمانوں کو بدعات سے بچانے کے لیے زندگی بھر اپنی تقریر و تحریر اور تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے رہے۔

مسئلہ تقلید:

نواب صدیق حسن خاں متبع سنت تھے اور کسی بھی امام کے مقلد نہ تھے، نہ ہی آپ تقلید کو جائز سمجھتے تھے۔ اس معرکۃ الآراء مسئلہ پر آپ نے اپنی کئی کتب میں بحث کی ہے اور قرآن وسنت کے دلائل اور ائمہ کرام بالخصوص ائمہ اربعہ کے اقوال و بیانات سے ثابت کیا ہے کہ اسلام میں تقلید کا کوئی تصور نہیں اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین کرام، تبع تابعین، ائمہ اربعہ اور پہلی تین صدیوں کے اہل علم مقلد تھے بلکہ ان سب نے تقلید سے سختی سے منع کیا۔ آپ نے اس حقیقت کا اظہار اپنی متعدد تحریروں میں کیا ہے اور باقاعدہ دلائل سے ثابت کیا ہے کہ کوئی امام مقلد تھا اور نہ کسی امام نے تقلید کا حکم دیا ہے اور بالخصوص ائمہ اربعہؒ نے اپنی اور غیر کی یعنی سب کی تقلید سے منع کیا ہے۔ آپ "جلب المنفعہ" میں لکھتے ہیں کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی سے یہ مروی نہیں کہ ہمارے اجتہاد کے مقابلہ میں قرآن و حدیث کو چھوڑ دو بلکہ انہوں نے اپنی اور غیر کی یعنی سب کی تقلید سے منع کیا ہے۔ امام اعظم فرماتے ہیں:

"اذا قلت قولا وكتاب الله يخالفه فاتركوا قولي بكتاب فقيل اذا كان خبر الرسول يخالفه قال اتركوا قولي بخبر الرسول فقيل اذا كان قول الصحابة يخالفه قال اتركوا قولي بقول الصحابة" (۱۷)

(جب میں کوئی بات کتاب اللہ کے خلاف کہہ دوں تو اس کو چھوڑ دو آپ سے کسی نے پوچھا کہ اگر آپ کی بات رسول مقدس ﷺ کی حدیث پاک کے خلاف ہو تو آپ نے فرمایا کہ میرے قول کو چھوڑ دو پھر آپ سے پوچھا گیا کہ اگر آپ کی بات صحابی کے فرمان کے خلاف ہو تو آپ نے فرمایا صحابی کے فرمان کے مقابلہ میں بھی میرے

قول کو چھوڑ دو۔)

آپ نے امام ابوحنیفہؒ کے فرمان " اذا صح الحدیث فھو مذھبی . "(صحیح حدیث ہی میرا مذہب ہے) نقل کرنے کے ساتھ ساتھ آپ کا یہ فرمان بھی درج کیا ہے کہ:

((لا یحل لاحد ان یاخذ بقولنا مالم یعرف ماخذہ من الکتاب والسنۃ او اجماع الامۃ اَوِ القیاس الجلی)) (۱۸)

(کسی آدمی کے لیے درست نہیں کہ وہ ہمارے ماخذ دلیل کو جانے بغیر ہمارے قول کو اختیار کرے اور جب تک وہ یہ نہ جان لے کہ اس مسئلہ کا کتاب و سنت، اجماع امت یا قیاس جلی سے کہاں تک تعلق ہے)۔

علاوہ ازیں آپ نے امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے اقوال و بیانات کا بھی تذکرہ کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ ائمہ اربعہ نہ تو خود مقلد تھے اور نہ ہی وہ اپنی اور نہ کسی غیر کی تقلید کو جائز سمجھتے تھے۔ ائمہ اربعہ کے اقوال و فرامین کی وضاحت آپ کی کتاب ''الدین الخالص'' میں موجود ہے۔ (۱۹)

آپ اپنی خود نوشت سوانح عمری میں اس مسئلہ کے متعلق یوں رقم طراز ہیں:

'' تقلید اس کو کہتے ہیں کہ آدمی دوسرے شخص کی بات کو حلت و حرمت کے سلسلہ میں بلا دلیل و نصِ شارع قبول کرلے۔ سو یہ بات ظاہر ہے کہ سب مسلمان آنحضرت ﷺ کی امت ہیں اور کسی شے کی حلت و حرمت آپ کے بتائے بغیر معلوم نہیں ہوسکتی تو اتباع آپؐ ہی کا چاہیے کسی اور شخص کا نہیں، ورنہ اسے پیغمبر ماننا پڑے گا۔

اگر کسی مجتہد نے کسی دلیل کے نہ ملنے اور نہ معلوم ہونے کی صورت میں کسی شے پر اپنے اجتہاد، رائے یا قیاس سے حکم لگایا اور بعد میں کسی دوسرے شخص پر قرآن و حدیث سے دلیل واضح ہوگئی تو وہ مجتہد معذور ہے لیکن اسے جہد و سعی کا ایک اجر ضرور ملے گا مگر وہ شخص جسے آیتِ قرآن یا سنت صحیح پہنچ گئی ہرگز معذور نہیں ہوگا اور اگر دیدہ و دانستہ نص کی مخالفت کرے گا تو خدا اور رسول کا مخالف ٹھہرے گا۔

اس بات کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے، کچھ مشکل بات نہیں ہے۔ ہم نے فقہ مذاہب اربعہ کی ساری کتابیں دیکھی ہیں۔ کسی امام مجتہد سے یہ بات منقول نہیں پائی کہ ہمارے

اجتہاد کے آگے تم قرآن و حدیث کو چھوڑ دینا، بلکہ چاروں اماموں نے اپنی اور غیر کی تقلید سے منع کیا ہے۔ ان کے اقوال خود ان کے مقلدوں کی کتابوں میں منقول ہیں۔ اس صورت میں ظاہر بات ہے کہ ان کا مقلد صحیح صادق تو وہی مسلمان ہے جو اس قول حق میں ان کی پیروی کرے نہ وہ کہ جو ان کے اس قول کی مخالفت کرے۔ کیونکہ وہ تو ان کا مخالف ہوا نہ کہ مقلد، علاوہ ازیں ائمہ اربعہ رحمہم اللہ سے فقہ کے جتنے مسائل منقول ہیں خواہ خاص ان کے اقوال ہوں یا ان کے تلامذہ واصحاب کے، وہ سارے احکام قرآن و حدیث کے خلاف نہیں ہیں۔ اگر یہ بات ہوتی تو مذہب اہل حدیث ان کے دائرہ سے خارج ہوتا۔ بلکہ سنت صحیح سے جتنے مسائل ثابت ہیں وہ ان چاروں مذاہب کے اندر منتشر اور موجود ہیں۔

ائمہ اربعہ کے درمیان اصولِ مذاہب میں کچھ اختلاف نہیں ہے۔ صرف بارہ مسائل میں ماتریدیہ اور اشعریہ کے درمیان نزاع لفظی سے مشابہ قدرے اختلاف ہے۔ فروعی مسائل میں بھی اس طول و عرض کے باوجود چار سو سے زیادہ مسائل میں اختلاف نہیں ہے۔ پھر جب انہیں تشدید و تخفیف پر محمول کیا جائے جیسے علامہ شعرانیؒ نے کیا ہے یا توفیق و تطبیق دی جائے، جیسے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے کیا ہے تو پھر تو بہت تھوڑے مسائل باقی رہتے ہیں۔ جن میں مساغ ترجیح و تضعیف ہو۔ پھر خاص طور پر حنفی مذہب میں تو ہر مسئلہ مذہب اہل حدیث کے مطابق ملتا ہے۔ بشرطیکہ امام اعظم، امام ابو یوسف یا امام محمدؒ کے مذہب کی قید نہ لگائی جائے، بلکہ ان میں سے جس کا مذہب یا قول ظاہر سنت کے موافق ہو اسے مُفتیٰ بہ ٹھہرایا جائے۔

ہمیں ساری امت میں کوئی عالم باعمل، صاحب حیثیت، طالب آخرت اور تاجر عقبیٰ ایسا نہیں ملا جو اس جمود کے ساتھ کسی مذہب کا مقلد ہو کہ وہ کسی جزئی یا کلی مسئلہ میں اپنے امام متبوع کے خلاف کوئی قول اختیار نہ کرے۔ اگر ادنیٰ سا اختلاف بھی ناقص تقلید ہے تو پھر دنیا میں تقلید کا وجود ناپید ہوگا اور مقلد بھی مقلد نہیں بلکہ متبع ٹھہریں گے۔ اگر بعض مسائل میں اختلاف ناقض تقلید نہیں تو دس بیس بلکہ سو پچاس مسائل میں اختلاف سے بھی تقلید ضائع نہیں ہوگی۔ خصوصاً جب کہ ان مسائل کو ترک کیا

جائے، جن کی کتاب وسنت میں کوئی دلیل نہیں یا جو مسائل منطوق ومفہوم قرآن کے صریحاً خلاف ہیں۔ ایسے شخص پر ترک تقلید کی وجہ سے لعن طعن کرنا ظلم عظیم ہے بالخصوص جب کہ تمام کتاب اللہ میں اس تقلید کذائی کے جواز میں ایک حرف بھی نہ ملتا ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ نے تقلید کو اہل کتاب ومشرکین کا طرز عمل بیان کر کے اس کی تردید فرمائی ہو۔ سنت صحیح کا بھی یہی حال ہے کہ اس میں نہایت شدومد کے ساتھ اعتصام بالکتاب والسنۃ کا مطالبہ کیا گیا ہے اور رائے سے تحذیر فرمائی گئی ہے۔

رہی یہ بات کہ جس طرح متبعین سنت، مقلدین کو برا کہتے ہیں۔ اسی طرح مقلدین بھی متبعین کو برا سمجھتے ہیں۔ اس کی وضاحت کے لیے یوں سمجھیے کہ اگر کوئی متبع کسی معیّن امام یا عالم پر طعن وقدح کرتا ہے تو وہ غیبت کرتا ہے اور غیبت زنا سے بھی بدتر ہے اور آحاد مسلمین کی غیبت کرنا حرام ہے۔ پھر جو ائمہ وعلماء آخرت کی غیبت کرتا ہے خواہ وہ زندہ ہوں یا مردہ تو وہ لعن طعن اسی غیبت کرنے والے پر واپس آتی ہے اور یہ بدگوئی روافض کا مذہب ہے۔ اہل سنت کا نہیں۔

اور اگر وہ متبع مجرد فعل تقلید کو ناجائز، بدعت یا شرک بتاتا ہے اور اس کی دلیل بھی بیان کرتا ہے تو اسے ہرگز بُرا نہیں کہنا چاہیے۔ اس لیے کہ یہ جرأت اس قائل پر نہیں بلکہ خدا اور رسولؐ پر ہوگی اور خدا اور رسولؐ کا استخفاف کرنا کفر بواح ہے اور خدا اور رسولؐ کو گالی دینے والا تو قتل کا مستحق ہے۔ اسی طرح اگر مقلد متبع کو برا سمجھتا ہے تو اس کی یہ حرکت متبع کی حرکت سے بھی بری ہے۔ اس لیے کہ اس نے برا کہا تھا تو تقلید کو برا کہا تھا یا اپنی بیوقوفی سے کسی معاصر وہمسر کو برا کہا تھا اور اس نے جو برا کہا تو اتباع کو برا کہا اور اللہ اور رسول ﷺ کی بے ادبی کی۔ خدا اور رسول ﷺ کا مرتبہ علماء ومجتہدین امت سے کم نہیں بے حد زیادہ ہے اور جو کم سمجھے وہ دائرہ اسلام سے دست کش ہے۔ بلکہ اللہ اور رسولؐ کی تو یہ شان ہے کہ ساری امت کے علماء واولیاء، آنحضرتؐ کا تو کیا ذکر حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ یہ تقابل اگر کفر بواح نہیں ہے تو کیا ہے؟ اتباع ایسی چیز ہے جو شرعاً مامور بہ ہے اور تقلید نصاً منہی عنہ ہے۔ اب ان دونوں شخصوں کے اقوال میں جو تفاوت ہے وہ مخفی نہیں۔

الحمدللہ کہ میں نے آج تک کسی مقلد مذہب کو بالتخصیص برا نہیں کہا، اگر چہ ردِ تقلید میں بہت کچھ لکھا ہے اور میں کسی مقلد صادق، صحیح الارداۃ، حسن العمل، متقی شخص کو برا نہیں جانتا اور عوام متبعین جو علم و عمل سے بے بہرہ ہیں ان کو بھی اچھا نہیں سمجھتا۔ فریقین کی افراط و تفریط نے اس دور میں تو دین کو بالکل لہو ولعب بنا کر رکھ دیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کہ اب نہ فقہاء باقی رہے ہیں اور نہ عامل بالحدیث۔ بس تلاعب باقی رہ گیا ہے اور امم سابقہ والا مرض قدیم ان لوگوں میں بھی مروج ہو گیا ہے جو اہل سنت کہلاتے ہیں۔ وکان امر اللہ قدراً مقدورا.''(٢٠)

تقلید پر آپ کی مستقل تصنیف ''الطریق المثلی فی ارشاد الی ترك تقلید واتباع ما هو الهوی'' میں بڑی شرح وبسط سے آپ نے اس مسئلہ کی تفصیل بیان کی ہے۔

شیطان کا مکر مغفرت:

سید صدیق حسن خانؒ ذاکر و شاکر آدمی تھے باوجود کہ تمام زندگی کتاب و سنت پر عمل پیرا ہوئے اور اس کی دعوت و تبلیغ میں کھپا دی لیکن آپ نے ہمیشہ خوف الٰہی کو مدنظر رکھا، آپ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کو غفور و رحیم تصور کرتے ہوئے عمل کو چھوڑ دینا شیطانی مکر اور دھوکہ ہے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

''ابلیس کا ایک مکر یہ بھی ہوتا ہے کہ انسان عمل نہیں کرتا اور وہ سمجھا دیتا ہے کہ اللہ غفور و رحیم ہے۔ تیری مغفرت ضرور ہو جائے گی۔ وہ اسی دھوکے میں رہ کر مر جاتا ہے۔ میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے شیطان کے اس مکر سے بچا کر عمل صالح کی توفیق بخشے۔''(٢١)

صحابہ و اولیاء کا مقام اور ان میں فرق مراتب:

نواب مرحوم صحابہ رضی اللہ عنہم اور اولیاء اللہ کے بارے میں قرآن و سنت کے مطابق عقیدہ رکھتے تھے اور ان کے مقام و مرتبہ جو انہیں اسلام نے عطا کیا ہے اس میں ذرہ بھی کمی نہیں کرتے۔ آپ لکھتے ہیں:

''بعض لوگوں کو یہ گمان ہے کہ میں اولیاء اللہ تعالیٰ کا معتقد نہیں ہوں، حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ ولایت خدا کا وجود کتاب وسنت دونوں سے ثابت ہے اور وقوع کرامات پر بھی قرآن وحدیث دلیل ہیں۔ پھر انکار کے معنیٰ؟ بلکہ میرے کتاب خانہ میں کتب تفسیر وحدیث کے بعد سب سے زیادہ کتب علم تصوف اور طبقات اولیاء کی ہیں...... میں نے ان کتابوں سے بہت کچھ فائدہ حاصل کیا بلکہ اس باب میں میری اپنی تالیفات بھی موجود ہیں مثلاً ''ریاض المرتاض'' مکارم اخلاق ترجمہ ریاض الصالحین، خیرۃ الخیرۃ وغیرہ، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ میں اس علم میں بھی کتاب و سنت کا پابند ہوں اور قیل وقال کا معتقد اور قائل نہیں ہوں۔ جو نص کتاب یا دلیل، سنت کے خلاف ہو اور نہ ان رسوم مشائخ کو جائز جانتا ہوں جو کسی برہان پر مبنی نہیں ہیں کیونکہ جس طرح تقلید فروع احکام میں بے اصل ہے اسی طرح مکشوفات ورسوم میں بھی بے سند ہے۔''(۲۲)

آپ اولیاء اللہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان فرق کو واضح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''کوئی ولی صحابہؓ کے ادنیٰ مرتبہ کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اس پر ساری امت کا اجماع ہے۔ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو دنیا میں جنت کی بشارت دی گئی لیکن اولیاء کرام کا انجام ہمیں معلوم نہیں وہ صرف خدا کو معلوم ہے کہ کس کا خاتمہ اچھا ہوا اور کس کا اچھا نہ ہو۔''(۲۳)

بیماری...... باعث کفارہ:

آپ بیماری کو گناہوں کا کفارہ سمجھتے تھے، چنانچہ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا ایک احسان مجھ پر یہ بھی ہے کہ معمولی امراض کے علاوہ کبھی کوئی ایسا مرض لاحق نہیں ہوا جس سے مخلوق خدا کو نفرت ہو۔ بس گاہے تپ لرزہ یا نزلہ وزکام وغیرہ ہو جاتا ہے۔

مزید فرماتے ہیں:

''بیماری بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہوتی ہے اور اس میں تین فائدے ہیں۔

ایک یہ کہ گناہ گزشتہ کی عقوبت ہوتی ہے۔

دوم یہ کہ چھوٹی برائیوں کا کفارہ ہوتی ہے۔

سوم یہ کہ رفع درجات کا باعث ہوتی ہے۔ (۲۴)

اختلاف امت اور ناجی فرقہ:

نواب صدیق حسن خانؒ اتحادِ امت کے نقیب تھے۔ اختلاف امت سے ہمیشہ بچنے کی کوشش کرتے رہے اور تمام فرق ملت اسلامیہ سے محبت و مروّت کے قائل تھے اور اہل سنت کے مسلک کو حق سمجھتے ہوئے اسے فرقہ ناجیہ تصور کرتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں:

”میں صرف اہل سنت کو ناجیہ سمجھتا ہوں۔ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، ظاہری، اہل حدیث اور اہل سلوک میں سے کسی کے متعلق گمانِ بد نہیں رکھتا۔ اگر چہ مجھے معلوم ہے کہ ان میں سے ہر گروہ کے کچھ مسائل خلاف دلائل ہیں اور کچھ موافق نصوص، بعض فتاویٰ صحیح اور بعض ضعیف یا مردود ہیں۔ لیکن حکم اکثر کے مطابق ہوتا ہے اقل کے مطابق نہیں۔ ائمہ سلف سے بعض احادیث پر جو عمل متروک ہو گیا ہے اس کی بیس وجوہات ہیں جو کہ جلب المنفعۃ میں لکھ دی گئی ہیں۔ ائمہ سلف پر مخالف سنت کا طعن کرنا، انصاف کا خون بہانا ہے۔ البتہ ان کے جو مقلد، تقلید پر جمے ہوئے ہیں مَیں ان کو خاطی سمجھتا ہوں گمراہ نہیں، ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار نہیں کرتا اور نہ معاذ اللہ انہیں کافر کہتا ہوں۔ (۲۵)

☆.............................☆

فصل سوم

تعلیمی افکار و نظریات

تصور حقیقت:

فلسفہ تعلیم میں تصور حقیقت ایک اہم اور بنیادی بحث ہے اور فلسفہ میں حقیقت کی تلاش اہم حیثیت رکھتی ہے۔ مختلف فلاسفروں اور حکماء نے اپنے اپنے نقطہ نگاہ کو واضح کیا ہے بعض نے

حقیقت کو تغیر پذیر قرار دیا ہے اور بعض کے نزدیک مادی دنیا کا کوئی وجود نہیں ہے جب کہ بعض نتائجیت کے حامی ہیں۔ ہیگل کے خیال میں کائنات انسانی سوچوں کا نتیجہ ہے اور اس کا خالق خود انسان ہے اور یہ کائناتِ رنگ و بو انسان کے وجود سے قائم ہے۔ کارل مارکس نے مادی دنیا کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہوئے کہا ہے کہ اگر فرد میں تبدیلی لانا مقصود ہے تو اس کے نظریات اور ماحول کو تبدیل کر دو، الغرض مختلف فلاسفہ نے مختلف انداز اور اپنی اپنی عقل کے مطابق حقیقت کو تلاش کرنا چاہا ہے۔

نواب صدیق حسن خانؒ نے بھی حقیقت کا تصور پیش کیا مگر آپ کا پیش کردہ تصورِ حقیقت، حقیقی اور اسلامی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔ آپ کے نزدیک کائنات کا حقیقی خالق اللہ تعالیٰ ہے اور یہی حقیقت الحقائق ہے، حقیقت الحقائق کا مطلب یہ کہ تمام امور و معاملات اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس سے ہی سرزد ہوتے ہیں، چنانچہ آپ حقیقت الحقائق پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

((انما سمی سبحانه الحق ای الموجود لان نقیضه الباطل وهو المعدوم)) (۲۶)

(اللہ تعالیٰ کا نام اس لیے حق ہے کیونکہ وہ قائم بالذات ہے اور اس کا نقیض باطل ہے جس کا وجود نہیں ہے)

نیز لکھتے ہیں:

((هو حقیقت الحقائق ذٰلك بان الله حق ای ذوالحق فهو عزوجل فی نفسه وافعاله وصفاته کلها حق)) (۲۷)

(وہ حقیقت الحقائق ہے کیونکہ وہ حق ہے یعنی قائم بالذات ہے اللہ تعالیٰ اپنی ذات، افعال اور تمام صفات میں حق ہے)

آپ اپنے اس نظریہ کی تائید میں قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ پیش کرتے ہیں:

﴿ اِنَّمَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلَ ﴾ (۲۸)

(اللہ تعالیٰ کے علاوہ جس کو وہ پکارتے ہیں سب باطل ہے)

آپ مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں اکیلا ہے کوئی اس کو شریک نہیں، وہ یکتا ہے کوئی اس جیسا

نہیں، وہ قدیم وازلی ہے جس کی اول وابتداء نہیں، قائم وابدی ہے جس کی آخر وانتہا نہیں، قدیم ہے اس کو فنا نہیں، ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا۔"(۲۹)

توحید الوہیت سے مراد یہ ہے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک کو معبود برحق سمجھتے ہوئے اسی کی عبادت کرنا اور اس کے سوا تمام تر معبودان باطلہ کی نفی کرنا خواہ وہ انسان ہوں یا حیوان، جمادات ہوں یا نباتات، آپ توحیدِ الوہیت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"تمام انبیاء ورسل اس لیے بھیجے گئے کہ وہ لوگوں کو الوہیت کی طرف دعوت دیں نہ کہ یہ بتانے کے لیے کہ وہ ان کا رب، خالق، رزاق اور زمین وآسمان کے بنانے والا ہے کیونکہ وہ اس کے پہلے ہی معترف تھے۔"(۳۰)

توحید ربوبیت کا مطلب ومفہوم یہ ہے کہ تمام کائنات کا خالق ومالک (رب) پالنے والا اور رزاق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ کفار مکہ (جنہیں قرآن مجید نے مشرک قرار دیا ہے) توحید ربوبیت کے قائل تھے اور وہ توحید ربوبیت میں کسی کو خدا کا شریک نہیں ٹھہراتے تھے۔ قرآن مجید نے ان کے اس عقیدہ ربوبیت کے اقراری ہونے کا تذکرہ متعدد آیات میں کیا ہے جن میں چند ایک یہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾ (۳۱)

(اگر آپ ان سے سوال کریں کہ زمین وآسمان کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ یقیناً کہیں گے کہ انہیں غالب وحکمت والے اللہ نے بنایا ہے)

ایک دوسرے مقام پر ارشاد الٰہی ہے:

﴿ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴾ (۳۲)

نواب صاحب لکھتے ہیں:

"یہ مشرک اس بات کا قائل ہے کہ اللہ اس کا خالق ہے۔ وہ زمین وآسمان کو بنانے والا ہے۔ وہی ساری کائنات کا رب ہے۔"(۳۳)

اس سے معلوم ہوا کہ کفار مکہ بھی توحید ربوبیت کے قائل تھے۔ انہیں مشرک کہنے کی وجہ ان کا توحید الوہیت میں شریک ٹھہرانا ہے۔

تصورِ قدر:

ہر نظام حیات کی تعمیر میں تصور قدر کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اسی کی اساس پر زندگی کی راہیں استوار ہوتی ہیں اور کسی بھی قوم کے خیر و شر کا معیار قائم ہوتا ہے۔ دین اسلام میں خیر و شر اور اچھائی اور برائی کا تعین اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ جس چیز کو حلال یا جائز کہہ دیں وہ خیر ہے اور جس چیز کو حرام، ناپاک یا ناجائز قرار دیں وہ شر ہے۔

نواب صدیق حسنؒ تصور قدرِ قرآن و سنت سے ماخوذ کرتے ہیں اور آپ اقدار کا منبع و سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کو سمجھتے ہیں۔ انسان کی عقل اور پسند و ناپسند کو معیارِ قرار نہیں دیتے۔ آپ قرآن حکیم کی آیت کریمہ: ﴿ عَسٰـى أَنْ تَكْـرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰى أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ﴾ کی تفسیر میں تصور قدر کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ خیر و شر کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کی خوشنودی و ناراضی ہی اقدار کا تعین کرتی ہے۔ نواب صاحب لکھتے ہیں ''کہ اللہ تعالیٰ نے خیر و شر کا راستہ واضح کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو شر کا راستہ بتا دیا ہے تا کہ اس سے اجتناب کرے اور خیر کا راستہ بھی واضح کر دیا ہے تا کہ وہ اس پر عمل پیرا ہو اور اگر وہ شر کا راستہ نہ بتاتا تو انسان اس سے اجتناب نہ کرتا۔ اول الذکر راستہ انسان کو نجات دلاتا ہے اور ثانی الذکر راستہ تباہی کی طرف لے جاتا ہے، طریق اول ممدوح ہے جب کہ طریق ثانی قابل مذمت ہے۔ (۳۴)

آپ کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی فطرت میں خیر و شر کی تمیز اور پہچان کی صلاحیت رکھ دی ہے۔ چنانچہ آپ اس کی دلیل کے طور پر آیت کریمہ: ﴿ فَـأَلْهَـمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ﴾ پیش کرتے ہیں۔ (۳۵)

الغرض آپ کے نزدیک خیر و شر اور حسن و قبح کا معیار وحی الٰہی ہے، انسان کی عقل کا اس میں قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ نواب صدیق حسن نے وحی الٰہی کو خیر و شر کا منبع قرار دیتے ہوئے اقدار کو دو اقسام اقدار محمودہ اور اقدار مذمومہ میں تقسیم کیا ہے۔

آپ کے نزدیک اقدار محمودہ یہ ہیں:

توحید، رجاء، رضا، تقویٰ، جلال، توکل، اطاعت، صبر، شکر، خوف الٰہی، عفو، مہمان نوازی، شجاعت، شفقت، الفت۔ (۳۶)

اور اقدار مذمومہ یہ ہیں:

شرک، بدعت، کذب، غیبت، چغلی، حسد، ظلم، بخل، تکبر، کینہ، نمود و نمائش، غصہ، شیخی، عداوت، اسراف، معصیت، مفلسی، افتراء، نفاق۔ (۳۷)

تصور علم اور حقیقت علم:

فلسفہ تعلیم میں علم کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ نواب مرحوم نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''ابجد العلوم'' میں علم کی سترہ اقسام کا ذکر کیا ہے اور علم کی مختلف تعریفیں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کوئی علم الفرائض کو علم کہتا ہے کوئی ''تصوف وسلوک'' کو، کوئی ''علم الکلام'' کو علم کہتا ہے اور کسی نے کہا ہے کہ علم وہ ہے جو دلیل پر قائم ہو اور جہالت کو رفع کرے۔ (۳۸)

جب کہ آپ کے نزدیک علم کی تعریف یہ ہے:

((العلم ادراك الشيء بحقيقته)) (۳۹)

(علم کسی چیز کی حقیقت کے ادراک کا نام ہے)

حقیقت علم کے بارے میں نواب مرحوم کا تصور مغربی ماہرینِ تعلیم سے جداگانہ ہے۔ آپ اس علم کو علم تصور نہیں کرتے ہیں جس میں روحانی پہلو نہ ہو اور وہ تعلق باللہ نہ پیدا کرے، چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

((انه من تعلم علما بلا احتراف لم يات عالما انما جاء شبيها بالعلما)) (۴۰)

(جس نے کسی پیشہ میں مہارت حاصل کی وہ عالم نہیں ہے اس نے علماء کی شبیہ اختیار کی ہے)۔

اسی طرح آپ اس علم کو قطعاً علم تصور نہیں کرتے جو قرآن وحدیث سے ماخوذ نہ ہو، فرماتے ہیں:

وما العلم الا من كتاب وسنة وغيرهما جهل صريح مركب

والله ما قال امرؤ متحذلق بسواهما الا من الهذيان[41]

(علم صرف وہ ہے جو کتاب وسنت سے ماخوذ ہو اور اس کے سوا جو بھی ہو وہ محض جہالت ہے، اللہ کی قسم ایسا انسان جو کتاب وسنت کے سوا کسی چیز کو دین یا علم سمجھتا ہے وہ لغو وہذیان میں مبتلا ہے)۔

ذرائع علم:

فلسفہ وتعلیم میں مہتم بالشان بحث ماخذ و ذرائع علم کی ہے۔ علم کے حصول کے ذرائع میں فلاسفہ نے مختلف نقطہ ہائے نظر پیش کیے ہیں۔ کسی نے عقل کو ذریعہ علم کہا ہے۔ بعض نے حواس خمسہ کو منبع علم قرار دیا ہے۔ بعض نے مشاہدے اور تجربے کی بات کی ہے۔ بعض نے کشف و وجدان کو ذریعہ علم تسلیم کیا ہے جب کہ ان تمام آراء کے برعکس اسلامی نظام تعلیم میں بنیادی ذریعہ علم وحی الٰہی ہے۔ نواب صاحب کے نزدیک وحی الٰہی میں دونوں قسم کی وحی (متلو وغیر متلو) یعنی کتاب و سنت، علم کے حصول کا بہترین، افضل ترین اور اولین ذریعہ ہے۔ اگرچہ مشاہدہ وعقل اور تجربہ کے ذریعے بھی علم حاصل ہوتا ہے لیکن یہ علم ظنی ہوتا ہے جب کہ وحی الٰہی کے ذریعہ حاصل ہونے والا علم قطعی ویقینی ہوتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

((وافضل علوم علم کتاب و سنت وسلوك است)) [42]

(اور تمام علوم میں سے افضل کتاب وسنت کا علم اور اس پر عمل کرنا ہے۔)

اس طرح آپ کتاب وسنت کے بعد اجماع امت اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو بھی حصول علم کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

''اجماع امت، آثار صحابہؓ اور علم لغت، شرعی علوم کے سیکھنے کا ذریعہ ہیں۔''[43]

مزید لکھتے ہیں:

''علوم شریعہ چار ہیں: قرآن، حدیث، اجماع، آثار صحابہ۔''[44]

نواب مرحوم قیاس کو بھی ذریعہ علم تسلیم کرتے ہیں لیکن قیاس پر قرآن وسنت کو مقدم سمجھتے ہیں فرماتے ہیں:

((ان الکتاب والسنة مقدمان علی القیاس)) [45]

(کتاب وسنت کو قیاس پر ترجیح ہوگی)

بلکہ آپ قیاس پر ضعیف اور مرسل حدیث کو بھی ترجیح دیتے ہیں لکھتے ہیں کہ "جب اس باب میں کوئی چیز بطور دلیل نہ ہوتو حدیث ضعیف اور مرسل کو لے لینا چاہیے۔"(۴۶)

آپ علم مکاشفہ کو بھی ذریعہ علم قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں:

"یہ باطن سے تعلق رکھتا ہے، یہ علم صدیقین ومقربین کا علم ہے۔ یہ ایسا نور ہے کہ جب دل پر وارد ہوتا ہے تو وہ بری صفتوں سے پاک ہو جاتا ہے اس علم سے بہت باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ اس سے معرفت ذات وصفات اور افعال الٰہی حاصل ہو جاتی ہے۔"(۴۷)

اس کے باوجود نواب صاحب اسے حتمی وقطعی علم قرار نہیں دیتے۔ حتمی وقطعی علم صرف کتاب وسنت کو ہی قرار دیتے ہیں۔

مقاصد تعلیم:

یہ امر مسلم ہے کہ مقاصد تعلیم کسی بھی قوم کے فلسفہ حیات کے تابع ہوتے ہیں۔ ہر قوم ایک مخصوص نظریہ حیات رکھتی ہے اور وہ اس نظریہ اور اپنی ثقافت وروایات کو اپنی نئی نسل کو منتقل کرتی ہے اور اس کے انتقال کا بڑا ذریعہ نظام تعلیم ہوتا ہے لیکن نظام تعلیم میں مقاصد اہم اور بنیادی حیثیت رکھتے ہیں اور مقاصد ہی پورے نظام تعلیم کا ماحصل ہوتے ہیں۔

نواب صدیق حسن نے تعلیم کے مقاصد بھی واضح کیے ہیں اور آپ کے نزدیک تعلیم کے مقاصد وہی ہیں جو کہ اسلامی نظام تعلیم کے ہیں۔ آپ کے خیال میں مقاصد تعلیم میں رضائے الٰہی، خوف الٰہی، معرفت الٰہی بنیادی اور نمایاں مقام رکھتے ہیں۔(۴۸)

علاوہ ازیں آپ مقاصد تعلیم میں نیابت الٰہی اور قیادت وسیادت کی فریضہ کی انجام دہی کے لیے بھی علم کے حصول کو ضروری سمجھتے ہیں۔ نیز آپ مقاصد تعلیم میں غلبہ خیر یعنی غلبہ اسلام کو بروئے کار لانا چاہتے ہیں اور انہیں طالب علم کی تعمیر کردار میں بنیادی اور اہم حیثیت دیتے ہیں۔(۴۹)

☆..........☆..........☆

حواشی

۱۔ القرآن، النساء (۴) ۸۲
۲۔ صدیق حسن خاں سید، ''ابقاء المنن''، ص ۸۵۔۸۴۔
۳۔ ایضاً ص: ۸۸۔۸۶
۴۔ ایضاً: ص ۸۸۔۹۱
۵۔ مغتنم البارد ص ۱۳، تفصیل کے لیے ''مقالۃ النصیحۃ'' ملاحظہ فرمائیے۔
۶۔ تفصیل کے لیے آپ کی کتاب ''ترجمان وہابیہ'' کا مطالعہ فرمائیے۔
۷۔ القرآن: آل عمران: ۸۵
۸۔ صدیق حسن خاں، سید، الدین الخالص ص: ۵۔۴
۹۔ ایضاً، ص ۳۱
۱۰۔ صدیق حسن خاں، سید اللواء المعقود بحوالہ مآثر صدیقی ص ۳۰۔۲۹
۱۱۔ صدیق حسن خاں، خطیرۃ القدس، ص ۱۸۱۔
۱۲۔ تفصیل کے لیے الدین الخالص اور خطیرۃ القدس ملاحظہ فرمائیں۔
۱۳۔ صدیق حسن خاں، مقالۃ
۱۴۔ مآثر صدیقی ج: ۴، ص ۴۷۔۴۶
۱۵۔ تفصیل کے لیے مقالۃ النصیحۃ کا مطالعہ کیجئے۔
۱۶۔ ابقاء المنن ص: ۱۹۲
۱۷۔ صدیق حسن خاں، سیّد، جلب المنفعۃ، ص: ۶۷
۱۸۔ ایضاً
۱۹۔ تقلید پر نواب صدیق حسن کی مستقل تصنیف ''الطریق المثلی فی ارشاد الی ترک تقلید واتباع ماھوا الھوی'' ہے جس میں آپ نے بڑی شرح وبسط کے ساتھ اس مسئلے کی تفصیل بیان کی ہے۔
۲۰۔ ابقاء المنن، ص ۱۵۶۔۱۵۳۔
۲۱۔ ایضاً ص: ۱۷۲
۲۲۔ ایضاً: ص ۲۶۹۔۲۶۸
۲۳۔ ایضاً ص: ۲۷۰
۲۴۔ ایضاً ص: ۱۳۱۔۱۳۰
۲۵۔ ایضاً ص: ۸۱۔۸۰
۲۶۔ صدیق حسن خاں، سید، منہج الوصول الی اصطلاح احادیث الرسول، ص ۴۰، بھوپال، مکتبہ شاہ جہانی ۱۲۹۲ھ۔
۲۷۔ ایضاً ص: ۳۷
۲۸۔ القرآن،
۲۹۔ منہج الوصول ص: ۳۷

۳۰۔ صدیق حسن خاں، ابجد العلوم، ج:۱ص:۶۴
۳۱۔ القرآن
۳۲۔ القرآن: یونس (۱۰) ۳۱
۳۳۔ ابجد العلوم، ج:ص ۶۳
۳۴۔ صدیق حسن خاں، فتح البیان فی مقاصد القرآن ج:۴، ص:۸۶۶ بھوپال، مطبع صدیقی ۱۲۹۳ھ
۳۵۔ ایضاً ص:۸۷۱
۳۶۔ صدیق حسن خان، ضوء الشمس من شرح حدیث بنی الاسلام علی خمس ص:۱۹، آگرہ مطبع مفید عام ۱۳۰۵ھ۔
۳۷۔ ایضاً
۳۸۔ ابو اسماعیل، عبداللہ انصاری، منازل السائرین، ص:۲۸، بیروت، مکتبہ المثنیٰ، ۱۹۵۲ء
۳۹۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ ج:۱۳ص:۴۴۳
۴۰۔ ابجد العلوم، ج:ص:۳۵۳
۴۱۔ ابجد العلوم، ج:ص:۴۰۰، قرۃ الاعیان، ص، ۸۷
۴۲۔ مآثر صدیقی ج:۴، ص ۱۰۸۔۱۰۷
۴۳۔ ابجد العلوم، ج:ص ۳۵۳
۴۴۔ رضیہ حامد، ڈاکٹر، نواب صدیق حسن خاں ص:۱۱۶
۴۵۔ مآثر صدیقی ج:۴ص:۸۲
۴۶۔ القرآن
۴۷۔ فتح البیان، ج:۳، ص:۱۵۹۔۱۵۸
۴۸۔ صدیق حسن خاں، سید، ابقاء المنن ص ۱۳۵
۴۹۔ ایضاً ص:۲۹۱۔۲۸۹۔

☆............☆............☆

باب پنجم

اسلام میں مقام حدیث
اور
نواب صاحب کا اتباع سنت واحیائے سنت میں کردار

فصل اوّل

(۱) شریعت اسلامیہ میں مقام حدیث

اسلام اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ اور مکمل دین ہے جس کے دو سرچشمے قرآن مجید اور حدیث نبوی ہیں۔ قرآن مجید کی توضیح وتشریح اور احکام الٰہی کے فہم کے لیے حدیث کی حیثیت مسلمہ ہے اور حدیث بالکل اسی طرح حجت شرعی ہے جس طرح قرآن مجید شرعی حجت ہے، ان میں فرق وحی متلو اور غیر متلو کا ہے، یہی وجہ ہے کہ خالق کائنات نے قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر اطاعت رسول اور اتباع رسول ﷺ کا حکم دیا ہے اور یہ بات حقیقت پر مبنی ہے کہ حدیث نبوی کے بغیر قرآن مجید کا فہم وادراک نہیں ہوسکتا اور نہ ہی اس کے حکم اتباع رسول ﷺ پر عمل پیرا ہوا جاسکتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا اَطِيعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيعُوا الرَّسُوْلَ ﴾ (۱)

(اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو)

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

﴿ وَاَطِيعُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ﴾ (۲)

(اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرو اور نافرمانی سے ڈرتے رہو)۔

ایک مقام پر اعمال کی قبولیت کے لیے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو کسوٹی بتاتے ہوئے

آپ علیہ السلام کی نافرمانی سے اعمال صالحہ کو ضائع ہونے سے بچانے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْا اَعْمَالَكُمْ ﴾ (۳)

سورۃ حجرات میں مزید تفصیلات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ٥ يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴾ (۴)

(اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے مت بڑھو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سننے، جاننے والا ہے۔ اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز مبارک سے پست رکھو اور انہیں اس طرح مت زور زور سے بلاؤ جس طرح تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو کیونکہ ایسا کرنے سے تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور تمہیں اس کا شعور نہیں ہوگا)

ایک دوسرے مقام پر ہدایت اور صراط مستقیم کے حصول کا راستہ ہی آپ علیہ السلام کی اطاعت و فرمابرداری کو قرار دیا۔ ارشاد ہے:

﴿ اِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ﴾ (۵)

(اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کرو گے تو سیدھی راہ پاؤ گے)

ایک مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری قرار دیا گیا ارشاد الٰہی ہے:

﴿ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾ (۶)

(جس شخص نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی)

کہیں ارشاد ہوا:

﴿ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾ (۷)

(جو چیز تمہیں رسول پاک ﷺ دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں پس اس سے رک جاؤ)

قرآن مجید نے محبت الٰہی کے حصول کے لیے اطاعت رسول ﷺ اور اتباع رسول ﷺ کو لازمی وضروری قرار دیا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ﴾ (۸)

(آپ ﷺ فرمادیں کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا)

گویا اللہ تعالیٰ نے اپنی رضامندی امام کائنات ﷺ کی اتباع و پیروی سے مشروط کر دی ہے۔ جو عمل آپ علیہ السلام کے اسوہ حسنہ کے مطابق ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول اور باعث اجر و ثواب ہوگا اور جو عمل آپ ﷺ کی سنت کے موافق نہیں ہوگا وہ مردود ہوگا۔ نبی معظم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد)) (۹)

ایک روایت میں ہے کہ قیامت کے روز حضرت محمد ﷺ حوض کوثر پر تشریف فرما اپنی امت کے لوگوں کو اپنے دست مبارک سے حوض کوثر کا پانی پلا رہے ہوں گے کہ کچھ لوگ آئیں گے جن کے چہرے اور وضو کے دیگر اعضاء چمکتے ہوں گے لیکن فرشتے انہیں مارتے ہوئے بھگا دیں گے۔ نبی رحمت ﷺ فرمائیں گے کہ یہ میرے امتی ہیں انہیں آنے دو، فرشتے جواب دیں گے کہ اے نبی کائنات ﷺ! انہوں نے آپؐ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد آپ ﷺ کے دین میں نئے نئے طریقے اور بدعات جاری کر لی تھیں۔ رسول کریم ﷺ فرمائیں گے۔ "سحقا سحقا لمن غیر دین بعدی." "ان کے لیے دوری ہو جنہوں نے میرے بعد میرے دین میں تبدیلیاں کر دیں چنانچہ انہیں حوض کوثر سے بھگا دیا جائے گا۔ (۱۰)

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((من اطاع محمدًا فقد اطاع الله ومن عصی محمداً فقد عصی الله)) (۱۱)

(جس نے محمد ﷺ کی اطاعت کی اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے محمد ﷺ کی نافرمانی کی اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی)

ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

((کل امتی یدخلون الجنة الا من ابی فقیل من ابی قال من اطاعنی فقد دخل الجنة ومن عصانی فقد ابی)) (۱۲)

(میری تمام امت جنت میں داخل ہوگی مگر سوائے اس کے جس نے جنت میں جانے سے انکار کردیا۔ کہا گیا بھلا جنت میں جانے سے کوئی انکار کرتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس نے میری فرمانبرداری کی یقیناً وہ جنت میں داخل ہوگیا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے جنت میں جانے سے انکار کردیا)

اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کو رسول کریم ﷺ کی اطاعت کے ساتھ اس لیے ضم کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کوئی بھی دین کی بات اپنی مرضی سے نہیں کہتے بلکہ آپ ﷺ وحی کی پیروی کرتے ہیں، اس کی قرآن مجید ان الفاظ میں شہادت دیتا ہے:

﴿ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ﴾ (۱۳)

(رسول اللہ ﷺ خواہش نفس کی بنا پر کوئی بات نہیں کرتے بلکہ جو بات بھی کرتے ہیں وحی کے مطابق کرتے ہیں)

یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے انسانیت کے لیے بہترین نمونہ قرار دیا ہے ارشاد ربانی ہے:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ (۱۴)

(یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ بہترین نمونہ ہیں)

ان سب آیات کریمہ اور احادیث نبویہ ﷺ سے واضح ہوتا ہے کہ جس طرح قرآن مجید پر ایمان لانا اور اس کو دستور حیات سمجھنا ضروری ہے بعینہٖ حدیث نبوی ﷺ پر ایمان لانا، اس پر عمل پیرا ہونا اور اسے زندگی کا لائحہ عمل بنانا ضروری و لازمی ہے اور حدیث نبوی ﷺ کو دستور حیات بنانا قرآن مجید کو دستور حیات بنانا ہے گویا قرآن مجید اور حدیث نبوی لازم وملزوم ہیں۔ دونوں کو اسلام میں بنیادی اور لازمی حیثیت حاصل ہے۔ دونوں پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے اور

دونوں کو ایک دوسرے کے بغیر سمجھنا نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ اس لیے کہ قرآن مجید کلیات پر بحث کرتا ہے اور حدیث ان کلیات کی تفصیل اور ان کا طریق کار بیان کرتی ہے گویا حدیث قرآن مجید کی توضیح، تشریح اور تفسیر ہے، اس کی چند ایک امثلہ ملاحظہ فرمایئے!

☆ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سات سو سے زاید بار مسلمانوں پر نماز کی فرضیت، اہمیت اور اقامت صلوٰۃ کا تذکرہ فرمایا ہے لیکن نمازوں کی تعداد، اوقات، رکعات، ارکان، شرائط، آداب اور طریق ادائیگی کے احکام کی وضاحت حدیث نبوی ﷺ کرتی ہے اور ((صلوا کما رائیتمونی اصلی .)) ...... (تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو) پر عمل حدیث نبوی ﷺ پر ایمان لانے اور شرعی حجت تسلیم کرنے سے ہی ہوسکتا ہے۔

☆ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حج بیت اللہ فرض قرار دیا لیکن مناسک حج کا قرآن مجید میں مکمل طور پر ذکر نہیں ملتا، رسول اکرم ﷺ نے مناسک حج بیان کیے اور فرمایا: ((خذوا عنی مناسککم .))[(۱۵)] (مناسک حج مجھ سے سیکھو)۔

☆ رمضان المبارک کے روزے فرض قرار دیے گئے لیکن اس کی تفصیل، شرائط و آداب اور لوازمات حدیث نبوی ﷺ سے معلوم ہوتے ہیں۔

☆ اسی طرح زکوٰۃ فرض کی گئی لیکن قرآن حکیم میں نصاب کا تعین اور مقدار زکوٰۃ کی وضاحت موجود نہیں، اس کی وضاحت حدیث نبوی ﷺ میں ملتی ہے۔

☆ قرآن مجید نے چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم جاری کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا اَيْدِيَهُمَا ﴾[(۱۶)]

لیکن اس میں ہاتھ کاٹنے کی جگہ کی قید نہیں جب کہ ہاتھ کا اطلاق کف (ہتھیلی)، ساعد (کلائی) اور ذراع (بازو) پر ہوتا ہے لیکن حدیث نبوی ﷺ نے ہاتھ کو پہنچے سے کاٹنے کی قید لگا دی کیونکہ حدیث میں ہے:

((اتی بسارق فقطع یدہ من مفصل الکف)) [(۱۷)]

"رسول اکرم ﷺ کے پاس ایک چور لایا گیا آپ ﷺ نے اس کا ہاتھ کف (پہنچے) سے کاٹ دیا۔"

الغرض یہ کہ حدیث نبوی ﷺ قرآن مجید کی تفسیر و توضیح ہے، قرآن حکیم کے اجمالی احکام کی تفصیل و تشریح بیان کرتی ہے اور قرآن مجید کے قواعد و کلیات کی جزئیات تفصیل سے مہیا کرتی ہے۔ اس لیے حدیث تمام اہل سنت کے نزدیک بالاتفاق شرعی حجت، نصِ قطعی اور واجب العمل ہے اور اس کو شرعی حجت تسلیم نہ کرنے والا قرآن مجید کا بھی منکر اور دائرہ اسلام سے اسی طرح خارج ہے جس طرح قرآن مجید کا منکر خارج ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ﴾ (۱۸)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کلمہ گو آدمی کا سر قلم کر دیا تھا جس نے رسول اکرم ﷺ کے فیصلہ کے بعد آپ سے فیصلہ کرنے کی درخواست کی تھی۔ خلفاء راشدین، تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اہل بیت رضی اللہ عنہم تابعین، تبع تابعین، ائمہ حدیث، فقہاء اور تمام اہل سنت علماء حدیث نبوی ﷺ کو شرعی حجت سمجھتے اور اس پر ایمان رکھتے تھے۔ اور رسول اکرم ﷺ کے فرمودات ارشادات کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہی سمجھتے تھے، چند ایک بیانات ملاحظہ فرمایئے:

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں:

((لو لا السنة ما فهم احد منا القرآن)) (۱۹)

(اگر سنت نہ ہوتی تو ہم سے کوئی بھی شخص قرآن مجید کو نہ سمجھ پاتا)

امام اوزاعی فرماتے ہیں:

((السنة قاضية على القرآن وليس القرآن بقاض على السنة)) (۲۰)

(سنت قرآن پر قاضی ہے قرآن، سنت پر قاضی نہیں)

یحییٰ بن کثیر لکھتے ہیں:

((ان السنة جاء ت قاضية على الكتاب ولم يجئى الكتاب قاضيا على السنة)) (۲۱)

سنت رسول اللہ ﷺ قرآن مجید کے بارے میں فیصلہ کرتی ہے، قرآن مجید، سنت کے بارے میں فیصلہ نہیں کرتا)

چنانچہ ہر دور کے علماء وفقہاء نے حدیث رسول ﷺ کو بھی وحی الٰہی تسلیم کیا اور اس میں کسی قسم کی تردید وتحریف کرنا عین قرآن مجید کی تردید وتحریف کے مترادف قرار دیا۔ خطیب عجاج لکھتے ہیں:

((فتقبل المسلمون السنة من الرسول ﷺ كما تقبلوا القرآن الكريم استجابة لله ورسوله لانها المصدر الثاني للتشريع بعد القرآن الكريم بشهادة الله عزوجل ورسوله .)) (۲۲)

(مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کی سنت کو اسی طرح قبولیت کا مستحق گردانا جس طرح کہ اللہ اور رسول ﷺ کو مانتے ہوئے مستحق قبولیت گردانا تھا، اس لیے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی شہادت کے مطابق سنت رسول ﷺ قرآن مجید کے بعد شریعت اسلام کا دوسرا ماخذ ہے)

(ب) نواب صدیق حسن خانؒ کا نظریۂ حدیث

نواب صدیق حسن خانؒ حدیث نبوی ﷺ کے حجت شرعی ہونے پر مکمل ایمان و یقین رکھتے ہیں اور کتاب اللہ کے بعد حدیث رسول اللہ ﷺ کو قطعی اور یقینی علم تصور کرتے ہیں۔ اور اسے دوسرا اور اہم ترین ماخذ اور ذریعہ علم گردانتے تھے فرماتے ہیں:

((مبنى الشرائع الاسلام واساسها ومستند الروايات الفقيه كلها وماخذ الفنون الدينية واسوة جملة الاحكام واساسها وقاعدة جميع العقائد ...... ومركز المعاملات هو علم الحديث الشريف الذى تعرف به جوامع الكلم وتنفجر منه ينابيع الحكم وتدور عليه رحى الشرع بالاسر وهو ملاك كل نهي وامر .)) (۲۳)

(حدیث، اسلامی شریعت اور مستند روایات کی اساس اور بنیاد ہے اور تمام دینی علوم کا مآخذ، جملہ احکام وعقائد کا منبع وسرچشمہ ہے، معاملات زندگی کے لیے مرکز ومحور ہے، اور شرعی امور اور اوامر ونواہی کے لیے بنیاد کا کام دیتی ہے)

آپ حدیث نبویہ ﷺ کو تمام علوم کی کسوٹی و معیار ٹھہراتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ وہ علم ہے جو جواہر علوم خواہ نقلی ہوں یا عقلی سب کے لیے کسوٹی کا کام دیتا ہے اور اس نقاد کی مانند ہے جو کھرے کھوٹے میں تمیز کرتا ہے۔ عقاید اسلام کا ماخذ اور اللہ تعالیٰ کی طرف جانے والے راستے کی رہنمائی کرنے والا ہے۔ جو اس کسوٹی و معیار پر پورا اترتا ہے۔ یہ عمل کرنے اور نافذ کرنے کے لائق ہے اور جو اس معیار پر پورا نہیں اترتا وہ کھوٹا سکہ ہے۔ وہ پھینکے جانے کے قابل ہے۔ اس کو رد کر دیا جائے گا اس کے برعکس ہر وہ بات جس کی تصدیق و تائید رسول پاک ﷺ کے فرمان سے ہوتی ہے۔ وہ صحیح اور درست ہے اور اس کو قبول کیا جائے لیکن جس کی تائید قرآن و سنت سے نہیں ہوتی وہ جہالت و گمراہی ہے۔''(۲۴)

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حدیث رسول ﷺ کو یقینی علم اور کھرے کھوٹے کے لیے معیار سمجھتے ہیں اور آپ کے نزدیک جو علم حدیث کے مطابق و موافق نہ ہوگا وہ قابل اعتبار اور درخور اعتنا نہیں ہوگا بلکہ آپ ایسے علم کو جو قرآن و حدیث کے مخالف و متبائن ہو اس کو علم ہی تصور نہیں کرتے بلکہ جہالت کا نام دیتے ہیں، فرماتے ہیں:

وما العلم الا من کتاب وسنة   وغیرهما جهل صریح مرکب(۲۵)

واللہ ما قال امرو متحذلق   بسواهما الا من الهذیان(۲۶)

(علم صرف وہ ہے جو کتاب و سنت سے ماخوذ ہے اور اس کے سوا محض جہالت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم ایسا شخص جو کتاب و سنت کے سوا کسی چیز کو علم سمجھتا ہے وہ لغو اور ہذیان میں مبتلا ہے)

ایک مقام پر اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

((ما العلم الا کتاب اللہ اواثر یجلوا بنور هداه کل متلبس)) (۲۷)

(کتاب و سنت کے علاوہ اور کوئی علم نہیں ہے جو کہ بھٹکنے والے کو اپنے نور سے صحیح راستے کی طرف رہنمائی کرے)

آپ علم کو ''نور الٰہی'' سے تشبیہ دیتے ہوئے امام شافعیؒ کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

((ان العلم نور من اله ونور الله لا يعطى لعاص))

(علم نورِ الٰہی ہے اور اللہ تعالیٰ کا نور گناہ گاروں کو نہیں دیا جاتا ہے)

بلکہ آپ فرماتے ہیں کہ علم اللہ تعالیٰ کا نور ہے اور اس علم کے خزانے پر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو پہرے دار مقرر فرمایا ہے اور وہ فرشتے اس علم کو گناہوں سے لبریز دل پر نہیں اتارتے۔ (۲۵)

نواب صاحب حدیث کو اسلامی علوم کا سرچشمہ اور بنیاد سمجھتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

((هو علوم الاسلام اصل واساس وهو مفسر القرآن بشهادة لتبين للناس)) (۲۹)

(حدیث علوم اسلامیہ کی اساس و بنیاد اور قرآن مجید کی تفسیر ہے۔ قرآن مجید کی آیتِ کریمہ ''بیان للناس'' اس کی شہادت دیتی ہے)

ایک مقام پر حدیث کی تمام علوم پر فوقیت و برتری بیان کرتے ہوئے اسے اس طرح ضروری قرار دیتے ہیں اور موکد طور پر بتاتے ہیں کہ جس طرح زندگی کی بقا کے لیے پانی کی ضرورت ہے اسی طرح ایک مسلمان کے لیے حدیث کی ضرورت ہے، لکھتے ہیں:

علـم الـحديث اجل علم الدين وبـه علوم المرء فى الدارين
كـالـمـاء مـحيـاة النفوس مطهر بـقـلـب لا يعروة شين الرين (۳۰)

(علم حدیث کو علم دین میں نہایت اہم مقام حاصل ہے۔ اس کے ذریعے انسان دونوں جہانوں میں بلند درجات حاصل کرتا ہے۔ یہ پانی کی مانند ہے جو کہ انسان کو زندگی بخشتا ہے۔ حدیث دل کو پاک و مطہر کرتی ہے اور اس کے بغیر دل کا زنگ ختم نہیں ہوتا)

مندرجہ بالا اقتباسات سے واضح ہوتا ہے کہ نواب مرحوم کی رائے میں قرآنِ حکیم کے بعد حدیث کو تمام علوم پر فوقیت حاصل ہے، یہ معتبر ترین ذریعہ علم اور اس کے ذریعے حاصل ہونے والا علم حتمی و یقینی ہے۔ اس لیے آپ قرآن مجید اور حدیث نبوی ﷺ کی صریح نص کی موجودگی میں کسی محدث، مفکر، فقیہ، فلسفی اور امام کے کسی قول و رائے کو کوئی حیثیت نہیں دیتے اور اسی لیے حدیث رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں کرامات، الہام، رؤیا اور کشف وغیرہ کو جو اس کے خلاف ہوں بے وزن و بے وقعت تصور کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

قول هر کسے ماخوذ ومتروك است الا رسول الله ﷺ پس حکم بسلطان این علم ناقد وماضی برجیع علوم دینیه وملیه از عقلیه ونقلیه، وهبیه، کشفیه است. (۳۱)

(ہر کسی کی بات کو رد یا قبول کیا جاسکتا ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کی ہر بات کو ہر صورت میں قبول کرنا ہوگا، تمام علوم خواہ وہ عقلی ہوں یا نقلی، وہبی ہوں یا کشفی کے لیے حدیث منبع و مصدر کی حیثیت رکھتی ہے)

ایک دوسرے مقام پر یوں رقم طراز ہیں:

العلم ما قال الله وقال رسوله　　قال الصحابة ليس فيه خلاف

العلم وما كان فيه قال حدثنا　　وما سواه فو سواس الشياطين

كل العلوم سوى القرآن مشغلة　　الا الحديث والفقه في الدين (۳۲)

(علم صرف وہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور رسول معظم ﷺ کے فرمان سے ماخوذ ہے یا صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال ہیں جس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ علم وہی ہے جو رسول کریم ﷺ سے بیان کیا گیا ہے، اس کے علاوہ سب کچھ شیطانی وسوسے ہیں، قرآن مجید، حدیث نبوی ﷺ اور تفقہ فی الدین اصل علم ہیں باقی صرف مشغلے ہیں)

اس بحث سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ علم حدیث پر ہی مکمل اعتماد و یقین اور اس طرح ایمان رکھتے تھے جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اسلاف امت، ایمان رکھتے تھے۔ اور حدیث کو اسی طرح حجت اور حتمی حیثیت دیتے تھے جس طرح اسلام میں اس کو مستند حیثیت اور فائنل اتھارٹی حاصل ہے۔

آپ ساری زندگی اس نظریہ حدیث پر عمل پیرا رہے اور اسی کی ترویج اور نشر و اشاعت کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو استعمال کیا۔

☆..............................☆

فصل دوم

نواب صاحب کا اتباع سنت اور احیائے سنت میں کردار

اتباع سنت کی اہمیت و فرضیت کی بنا پر آپ نے اپنی پوری زندگی اتباع سنت میں گزاری، ہمیشہ اپنے ہر قول و اقرار اور فعل و کردار کو سنت کی پیروی میں ڈھالنے کے لیے کوشاں رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی زندگی کے مطالعہ سے آپ کی سب سے بڑی خوبی جو نظر آتی ہے وہ اتباع سنت ہی ہے۔ آپ کی تمام کتب میں آپ نے سنت رسول ﷺ کو معیار بناتے ہوئے ہر مسئلہ کی وضاحت فرمائی۔ آپ کی کوئی کتاب بھی ایسی نہیں دکھائی دیتی جو سنت مطہرہ سے مزین نہ ہو، خود فرماتے ہیں:

> ''میں اظہار حق میں کسی یار و اغیار کا لحاظ نہیں کرتا، میرا دل اتباع سنن پر مطمئن ہے اور شک وشبہ کی کوئی گرد میرے دامن خاطر پر نہیں جمتی۔'' (۳۳)

آپ اپنے شب و روز کے اعمال سنت مطہرہ کے مطابق بجالاتے۔ نماز تہجد کے لیے اٹھنے سے رات سونے تک اپنے اعمال و مصروفیات میں آپ سنت رسول ﷺ کو ملحوظ رکھتے۔ مسنون دعاؤں کا ذکر، مسنون درود شریف کا ورد، مسنون طریقہ سے کھانا پینا، مسنون طریقے پر اٹھنا بیٹھنا، قیلولہ، جسم ولباس کی صفائی، گھر اور دفتر کی صفائی، برتنوں کی صفائی اور سونا اور بیدار ہونا وغیرہ سب کے سب مشاغل سنت کے مطابق ادا کرتے۔ فرماتے ہیں:

> ''کھانے پینے کے وقت ہمیشہ شرعی آداب کو ملحوظِ خاطر رکھتا ہوں یعنی شروع ''بسم اللہ'' سے کرتا ہوں اور آخر میں حمدِ الٰہی کہتا ہوں اور تناولِ طعام سے فراغت کے بعد دعائے مسنون پڑھتا ہوں۔ کپڑا پہنتے اور بیت الخلا جاتے وقت کی جو دعائیں منقول ہیں وہ بھی پڑھا کرتا ہوں، وضو کے شروع میں بسم اللہ اور آخر میں کلمہ شہادت اور دعاء ماثور کا ورد کیا کرتا ہوں۔ اذان کے بعد دعا وسیلہ اور حضرتؐ کے نامِ مبارک کو کسی وقت بھی، اذان کے اندر یا باہر سن کر مسنون درود پڑھنا بھی میری عادت ہے۔ وللہ الحمد!''

''رمضان المبارک میں سارا ماہ یہ معمول رہتا ہے کہ سحری کے بعد آخر شب میں نہایت التزام کے ساتھ بارہ رکعت نماز تہجد پڑھا کرتا ہوں، اور مرض کے علاوہ قضاء نہیں کرتا۔ اسی طرح عام طور پر ایک قرآن شریف تراویح میں اور ایک قرآن شریف تلاوت میں سنتا اور پڑھتا ہوں۔ ایک مدت تک یا مدت دراز تک روزانہ ''دلائل الخیرات'' اور ''حزب اعظم'' کی تلاوت وقرأت کا بھی اتفاق رہا ہے۔

لقد كنت دهرا قبل ان يكشف الغطا اخـــالك انى ذاكـر لك شـاكـر

فـلـمـا اضــآء الليل اصبحت شاهدا بـــانك مـذكـور وذكـر و ذاكـر

علم ادعیہ واذکار میں امام نوویؒ کی کتاب معروف ومقبول ہے۔ بعض اہل علم نے کہا ہے ''بع الدار واشتر الاذكار'' لیکن میری کتاب ''نزل الابرار'' اذکار کی نسبت زیادہ نفع بخش اور زیادہ جامع ہے۔ یہ بات محض تحدیث نعمت کے طور پر کہہ رہا ہوں۔ اس لیے نہیں کہ میرا علم و فضل نوویؒ سے زیادہ یا مساوی ہے۔ کیونکہ میں نووی کے خاک پا کے برابر بھی نہیں ہوں۔ کجا ذرہ کجا آفتاب بلکہ میں تو بجائے خود نہایت شرمندہ اور خائف ہوں کہ مجھ سے فرائض نماز وروزہ کے سوا کوئی نفلی عبادت ادا نہیں ہوتی اور فرائض بھی۔''(۳۴)

آپ نماز اور دیگر ارکان اسلام سنت کے مطابق نبوی طریقہ سے ادا کرتے۔ نماز میں فاتحہ خلف الامام، امین بالجہر، رفع الیدین، سینہ پر ہاتھ باندھنے وغیرہ میں سنت کو ملحوظ رکھتے اور مروجہ فقہ حنفی کے علماء وعوام کے طعن وتشنیع کی پرواہ نہ کرتے اور نماز میں طمانیت وتعدیل ارکان پر خصوصی توجہ دیتے تھے۔ اسی طرح نماز اول وقت ادا کرتے تھے۔ مآثر صدیقی کے مصنف لکھتے ہیں:

''والا جاہ مرحوم نماز پنجگانہ حنفی طریقہ پر پڑھتے تھے البتہ ان کو فاتحہ خلف الامام اور اول وقت کا خاص اہتمام مدنظر رہتا تھا۔ تعدیل ارکان نماز اور آداب وسنن کا قعود اور قیام وجلوس کے وقت سختی سے لحاظ رکھتے تھے۔''(۳۵)

مولانا سید محمد جعفر شاہ پھلواروی لکھتے ہیں:

''نواب صاحب اکثر نور محل کی مسجد میں جمعہ ادا کرتے تھے کبھی کبھی خود بھی پڑھایا کرتے تھے۔ تمام بچے بھی ساتھ ہوتے تھے، ہماری خوشدامن بھی کبھی کبھی ساتھ ہوتی تھیں، ہماری خوشدامن کہتی ہیں کہ سب لوگ زور سے آمین کہتے تھے۔''(۳۶)

آپ کھانے پینے میں بھی سنت کو ملحوظ رکھتے تھے کبھی کسی کھانے میں نقص نہیں نکالتے تھے اور اسے برا نہیں کہتے تھے، اگر پسند نہ آتا تو تھوڑا سا کھا کر ہاتھ کھینچ لیتے تھے۔ پانی میں پھونکنا مکروہ سمجھتے تھے اور تین سانس میں پیتے تھے۔ ٹھنڈے پانی کے بڑے شوقین تھے اور اس کی وجہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ رسول اکرم ﷺ کو ٹھنڈا پانی بڑا مرغوب تھا، میٹھی چیزیں پسند نہیں تھیں لیکن سنت اور مفید سمجھ کر کچھ نہ کچھ ضرور کھالیا کرتے تھے۔ متنوع کھانے یعنی ایک وقت میں کئی ڈشوں کے استعمال کو نہ صرف ناپسند کرتے تھے بلکہ اسے ﴿ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴾ کے تحت اسراف وتبذیر سے تعبیر کرتے تھے۔

> ''آپ لباس کے استعمال میں بھی سنت کو مدنظر رکھتے تھے، اکثر سادہ اور سفید رنگ کا لباس پہنتے تھے بعض اوقات رئیسہ عالیہ شاہ جہاں بیگم کی خواہش پر مختلف الالوان لباس بھی پہن لیا کرتے اور خوشبو کا خصوصی اہتمام کرتے تھے۔''

صاحب مآثر لکھتے ہیں:

> ''لباس سادہ اور سفید ان کو بہت پسند تھا کرتہ گھنڈی دار اور دہلی کی وضع کا انگرکھا یخی چولی کا اور دہلی کی وضع کی گول ٹوپی اور پاجامہ استعمال کیا کرتے تھے پاپوش اکثر پنجابی وضع کی ساخت امرتسر استعمال کرتے تھے، بعض اوقات عام رواج کے موافق رئیسہ عالیہ کی مرضی دیکھ کر مختلف الالوان اور نیم رنگ لباس بھی پہن لیا کرتے تھے البتہ ان کا لحاظ ان کو بہت رہتا تھا کہ لباس خوش وضع اور خوش قطع ہو اور عطر اور خوشبو سے بسا ہوا اور معطر ہو۔ مواقع دربار پر یا تقاریب سرکاری اور عیدین میں مجبوراً ان کو مالائے مروارید زیب گلو اور سرپیچ مرصع اور کلاہ وپٹی مرصع مروارید و جواہر زیب سرو کمر کرنا پڑتی تھی مگر ان تکلفات امیرانہ وشاہانہ سے ان کے قلب کو سخت اذیت محسوس ہوا کرتی تھی اور جلد سے جلد اس کی تبدیلی میں کوشش کیا کرتے تھے۔ وہ عباء عربی اور عباء عرب کو دل سے عزیز رکھتے تھے اور عیدین کو بالتخصیص عباء عربی سے ملبوس ہوا کرتے تھے۔''(۳۷)

آپ خود فرماتے ہیں:

> ''عربی نسب اور عربی زبان دونوں چیزیں ہمارے لیے باعث فخر ہیں اور یہ ہمیں

رسول معظم ﷺ کے قریب کردیتی ہیں۔"(۳۸)

آپ کپڑا پھٹنے پر اپنے ہاتھ سے پیوند لگاتے تھے اور اگر شاہ جہاں بیگم کو پتہ چل جاتا تو وہ ناخوش ہوتی تھیں اور ٹوکتی تھیں، آپ مسکراتے ہوئے سر جھکا دیتے اور فرماتے سنت رسول ﷺ ادا کرنے پر خوش ہونا چاہیے نہ کہ ناراض، جوتا ٹوٹنے پر بھی آپ خود ہی پیوند لگا لیتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ پیوند لگانا رسول خدا ﷺ کی سنت ہے اور کبھی کبھی ایسا ضرور کرنا چاہیے۔

آپ انگوٹھی بھی اسوۂ رسول ﷺ کی روشنی میں بائیں ہاتھ میں پہنتے تھے اور جمشید کے حوالے سے کہا کرتے تھے کہ دایاں ہاتھ تو بذات خود معزز و مشرف ہے اور بائیں ہاتھ میں (جو کہ عزت میں کم تر ہے) انگوٹھی پہن کر اس کی عزت بڑھائی جائے۔

آپ سواری کے لیے حدیث رسول "الخير معقود فی نواصی الخیل" کی روشنی میں گھوڑے کی سواری پسند کرتے تھے، اگرچہ پالکی، بگھی، ہاتھی اور اونٹ پر بھی سواری کر لیتے تھے اور اولاد کو دیگر تعلیم و تربیت کے علاوہ انہیں حدیث رسول ﷺ کے مطابق شہسواری سکھانے کے لیے باقاعدہ ماہر فن افراد متعین کر رکھے تھے کیونکہ حدیث میں بچوں کو تیراکی، شہسواری اور تیر اندازی سکھانے کا حکم دیا گیا ہے۔

نواب صاحبؒ اپنی دونوں بیویوں کے ساتھ یکساں سلوک کرتے تھے اور دونوں کے حقوق میں بھی مساوات کا خیال رکھتے اور نواب شاہ جہاں بیگم سے نکاح ثانی کے بعد پہلی بیوی ذکیہ بیگم سے پہلے جیسے تعلقات برقرار رکھے اور ان کی ضروریات و اخراجات کے لیے شاہ جہاں بیگم اور انہیں دونوں کو پانچ پانچ صد روپے ماہانہ دیتے تھے۔

والا جاہ مرحوم اپنی اولاد کے مال کی باقاعدگی سے زکوٰۃ دیا کرتے تھے اور اس سلسلے میں ان کے مال کا باقاعدہ حساب رکھتے تھے۔ مولانا جعفر شاہ پھلواروی لکھتے ہیں:

"نواب صاحب کی اپنی اور اپنی بہنوں کی اولاد میں ہر ایک کا وظیفہ یوم پیدائش سے مقرر ہو جایا کرتا تھا، ہر ایک کے سن شعور کو پہنچنے تک وہ رقم جمع ہوتی رہتی تھی، ہر ایک کی تھیلی اور حساب کتاب باقاعدہ کاغذات پر رہتا تھا اور ہر سال ہر ایک کی رقم میں سے پابندی سے زکوٰۃ نکالی جاتی تھی، ہر ایک کی تھیلی اور حساب کتاب کا کاغذ الگ الگ رہتا تھا اور یہ سب رقم بڑے بڑے مقفل صندوقوں میں بند رہتی تھی۔ نواب

صاحب کے اس طرزِ عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مال پر زکوٰۃ واجب ہونے کے قائل تھے نہ کہ اشخاص کے، ورنہ بالغوں کی نہ نکالتے''۔(۳۹)

نواب صاحبؒ بچوں سے بہت محبت اور پیار کرتے تھے اور اپنے نواسوں، نواسیوں سے ملنے کے لیے ہر دوسرے تیسرے روز اپنی بیٹی کے گھر جایا کرتے تھے اور بچوں کے ساتھ کھانا کھاتے تھے اور اتباع سنت رسول ﷺ میں بیٹی کے گھر داخل ہوتے وقت اجازت لیا کرتے تھے۔

آپ نے اپنی اولاد کے رشتے قائم کرتے وقت بھی سنت رسول ﷺ کو ملحوظ رکھا بلکہ اپنی اولاد کو اپنے پوتوں اور نواسوں کے رشتے کرتے وقت بھی '' فاظفر بذات الدین'' کی نصیحت کی اور رشتہ داری میں نظریات و مذاہب کو ملحوظ رکھنے کی وصیت فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''عقد نکاح کے وقت دین داری کو پیش نظر رکھنا چاہیے اس زمانہ میں رفض و شیعیت اکثر گھروں میں پھیل گئی ہے اور قصبوں میں پہلے سے برادری چلے آنے کے سبب سے آپس میں قرابت کیا کرتے ہیں اور اس زمانہ کے شریفوں کو عالی نسبی اور دولت مندی پر زیادہ نظر رہا کرتی ہے پس ہم کو اور ہماری اولاد اور اولاد در اولاد کو چاہیے کہ وہ نکاح کرتے وقت مذہب کی پاسداری کا خیال رکھیں اور اپنی بیٹی کا کسی شیعہ کے ساتھ نکاح نہ کریں نہ ایسے شخص کے ساتھ نکاح کریں جس پر رفض اور شیعیت کی تہمت لگی ہوئی ہو اگر چہ وہ شخص اپنا عزیز و قریب ہی کیوں نہ ہو اور اپنے شہر ہی میں سکونت کیوں نہ رکھتا ہو اور گو وہ کیسا ہی دولت مند اور عالی نسب کیوں نہ ہو، نہ اپنے بیٹوں اور پوتوں وغیرہ کا نکاح کسی شیعہ کی لڑکی سے کرنا چاہیے خواہ وہ شیعوں کے کسی فرقہ میں داخل ہو، ہم نے بہت دیکھا ہے اور تم نے بھی سنا ہوگا کہ جس شخص نے روپیہ پیسہ کی طمع میں کسی امیر سے نکاح کیا تو اس کو اپنے مذہب سے ہاتھ دھونا پڑا اور جس شخص نے محض خوبصورتی کو پسند کر کے نکاح کیا اس کا انجام اچھا نہیں ہوا اور دنیا اس کے حق میں دوزخ بن گئی۔''(۴۰)

آپ نے اپنی اولاد کو بھی ہمیشہ اتباع سنت پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کی اور عبادات و معاملات اور تعلقات میں کتاب و سنت کو مشعل راہ بنانے کا درس دیا۔ حج کے لیے جاتے وقت اپنی اولاد کو وصیت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"دوسری وصیت یہ ہے کہ مذاہب اربعہ کو حق وصداقت میں یکساں سمجھو اور کسی کو کسی پر ترجیح نہ دو اور اتباع ظاہر سنت کو اپنا شعار بناؤ جس کی صحت محققین اہل حدیث سے دلیلاً اور نصاً ثابت ہو چکی ہے اور ہرگز رائے کو نصوص صحیحہ پر مقدم نہ رکھو...... اتباع سنت کو (خواہ کوئی عالم یا جاہل اس سے انکار کرے) ہرگز نہ چھوڑو اور اپنے عمل و عقیدہ کو ظاہر کتاب وسنت کے موافق ومطابق رکھو۔"(۴۱)

آپ اپنی اولاد کے خلاف سنت کاموں پر بڑے خفا ہوتے اور انہیں اپنے اعمال ومعاملات سنت کے مطابق ڈھالنے کی ترغیب دیتے رہتے۔ بلکہ آپ نے ان کے خلاف سنت معمولات کا برملا اظہار کیا۔ آپ کے صاحبزادے لکھتے ہیں:

مجھ کو خوب یاد ہے کہ عنفوان شباب میں مجھ کو پر تکلف لباس ومکان وآرائش وزیب وزینت جسمانی کا بہت شوق تھا اور شب وروز مشغلۂ شعر وسخن میں مصروف رہا کرتا تھا، میرے بہنوئی ابوتراب میر عبدالحی خان صاحب مرحوم ومغفور کو مہمان نوازی اور خاطر مدارات احباب میں از حد غلو رہا کرتا تھا اور میرے برادر معظم مرحوم ومغفور کو صوفیائے عصر کی طرف زیادہ میلان تھا اور تعدیل ارکان نماز کا اہتمام کم رہتا تھا۔ قطع نظر اس کے مسجد میں ادائے صلوٰۃ کا اتفاق ہم سب کو بہت کم ہوا کرتا تھا اور یہ امر ان کے خاطر عاطر پر سخت گراں اور شاق ہوتا تھا۔ مگر وہ کسی وقت تنبیہ وتادیب وتہدید سے باز نہیں رہتے تھے یہاں تک کہ انہوں نے اپنی بعض مؤلفات اور وصیت نامہ میں علی الاعلان ان امور پر اظہار ناراضگی وافسوس کیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ:

"بعض کو شوق تفریق مال اور گور پرست اور پیر پرست جاہل پیرزادگان کو دنیا طلب لوگوں کی ہم نشینی کا شوق ہے اور اہل وعیال کے حقوق سے غفلت کلی ہے اور بعض یاران زمانہ کی مہمان نوازی اور مدارات میں شب وروز مشغول ومصروف رہتے ہیں۔ آپ نقصان اٹھاتے ہیں اور وہ لوگ کامیاب رہتے ہیں۔ حالانکہ شریعت میں حقوق اقارب واجانب کے حدود مقرر ہیں۔ ان سے تجاوز کرنا داخل اسراف وتبذیر یا سفاہت وتعدی ہے اور بعض کو شوق آرائش وپیرائش لباس ومسکن کا ہے۔ اس میں اسراف ہوتا ہے...... پھر لکھتے ہیں: جس جگہ نور محل کی اب عمارت ہے پہلے یہ ایک ویرانہ جگہ شہر پناہ سے باہر دامن کوہ میں واقع تھی جب اس کے جوار میں میں نے تین

گھر (ہر سہ اولاد کے) آباد کیے تو خدا سے کہا کہ: ﴿ رَبِّ إِنِّيٓ أَسۡكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيۡرِ ذِي زَرۡعٍ عِندَ بَيۡتِكَ ٱلۡمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُواْ ٱلصَّلَوٰةَ ﴾ اور یہ تمنا تھی کہ اس مسجد کو میرے اخلاف آباد رکھیں گے۔ میں دیکھتا ہوں کہ ان میں سے کسی کو اوقات پنج گانہ میں اقامت نماز کی طرف توجہ نہیں ہے۔ گھر میں نماز پڑھ لیں مگر مسجد تک ان کو آنا دشوار ہے پھر اگر گاہ گاہ نماز کا اتفاق مسجد میں ہوتا ہے تو نماز اس طرح مسجد میں پڑھی جاتی ہے کہ وہ مذہب فقہ کے مطابق بھی صحیح نہیں، اہل سنت واصحاب معرفت کا کیا ذکر، قرأت درست نہ رکوع وسجدہ صحیح پھر اس پر دعوی ولایت ووطی مقامات معرفت۔''(۴۲)

آپ کا دوسرا وصیت نامہ ۱۲۹۸ھ میں "مقالة الفصيحية" کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اس میں آپ نے اپنی اولاد کو کتاب وسنت پر عمل پیرا ہونے اور بدعات ورسومات سے بچنے پر بہت زور دیا ہے اور اس وقت کی کئی بدعات کے نام لکھ کر ان سے کنارہ کشی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ آپ کی ان وصیتوں میں سے چند ایک مختصراً ذیل میں درج کی جاتی ہیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ حضرت نواب صدیق حسن خاںؒ کس قدر سنت مطہرہ پر کاربند اور بدعات سے نفور تھے۔

(۱) دین اسلام ہی اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے اور اسی پر جینا اور مرنا ہے۔ اگر غیر مسلم ہماری آغوش میں تمام دنیا کی دولتیں لا کر رکھ دیں اور اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب، عیسائیت اور یہودیت وغیرہ اختیار کرنے کا کہیں تو ہم ان کی خواہش اور دنیا کی دولت کو ٹھکرا دیں اور آخرت کا انتخاب کریں۔

(۲) اپنا اعتقاد وعمل کتاب وسنت کے مطابق وموافق رکھیں اور متقدمین اہل سنت کے عقاید پر قائم رہیں اور علمائے حدیث کی پیروی کریں نیز فلاسفہ کے شکوک باطلہ کی طرف نظر التفات نہ کریں۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز اور درست نہیں ہے۔

(۴) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حسن عقیدت رکھیں ان کے فضائل ومناقب کو ملحوظ رکھیں اور ان کی مدح وثنا کے علاوہ کوئی بات ان کے بارے میں نہ کہیں۔

(۵) اس دور کے مشائخ کے ہاتھ میں ہاتھ دینا اور ان کی بیعت کرنا درست نہیں ہے اور ان

کی کرامتیں شاذ و نادر کے سوا محض طلسم و شعبدہ بازی ہیں۔

(٦) جاہل صوفی زہر قاتل ہے۔ بے علم عابد، الحاد و بدعت کی طرف رہنمائی کرنے والا ہے اور بے سنت، فقیہ زاہد خشک ہے جو نور باطن سے محروم ہے اور برکات قلب سے دور ہے۔

(٧) تہذیب و شائستگی کے آداب جو سنت مطہرہ میں مذکور ہیں انہیں اپنا شعار بنانا چاہیے۔

(٨) کاغذی تابوت بنانا جس کا نام تعزیہ ہے۔ تمام رسوم شوم، ماتم کے طریقے مثلاً سیاہ لباس پہننا، سینہ کوبی کرنا، آنسو بہانا، مجلس عزا کا انعقاد کرنا یہ سب مطرود و مردود ہیں۔

(٩) بارہ ربیع الاول کو عید میلاد النبی ﷺ منانا، اس موقع پر کھانے پکانے، ذکر ولادت پر کھڑا ہونا وغیرہ۔ گیارہویں اور حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کی محفل کرامات وغیرہ منعقد کرنا سنت سے ثابت و جائز نہیں ہے۔

(١٠) قبروں کو پختہ بنانا، ان پر چادر وغیرہ چڑھانا، انہیں مختلف طرح سے دھونا اور بزرگوں کے عرس منانا حرام ہیں۔ نیز قوالیاں اور رقص و سرود وغیرہ بھی حرام، مردود اور کبیرہ گناہ ہے۔

(١١) اولیاء اللہ کی قبروں پر حاجت روائی و مشکل کشائی کی استدعا کرنے کے لیے جانا بھی شریعت اسلامیہ میں ناجائز ہے۔

(١٢) مردوں کو قبروں میں دفن کرنے کے بعد اذان کہنا، نماز تراویح یا نماز جمعہ کے وقت دو اذانوں کے درمیان الصلوٰۃ الصلوٰۃ کہنا، نماز کی اذان کے بعد الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ یا الصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ کہنا۔ نبی مقدس ﷺ کے نام نامی پر انگوٹھوں کو چومنا و آنکھوں پر رکھنا، دو خطبوں کے درمیان ہاتھ اٹھانا۔ نماز عید کے بعد معانقہ کرنا نماز فجر و عصر کے بعد مصافحہ کا التزام کرنا وغیرہ بدعت ہے اور سیرت رسول ﷺ کے خلاف ہے۔

(١٣) ارامل اور بیواؤں کے نکاح سے عار کرنا بھی بدعت ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کے ذکر کے وقت اللہ تعالیٰ کے مقدس ناموں کی بجائے یا علی یا حسین یا خواجہ، یا پیر یا قطب یا غوث وغیرہ کے وظائف، بغداد کی جانب پیٹھ کرنے کو معیوب سمجھنا سب بدعت ہیں اور

اولیاء اللہ کو حاضر ناظر جان کر انہیں متصرف کہا جانا بدعت کے درجہ سے بڑھ کر کفر کی حد کو پہنچ چکے ہیں۔

(۱۴) عبد الرسول، عبد النبی، حسن بخش، امام بخش وغیرہ (نام) بھی بدعت اور نجاست شرک سے آلودہ ہیں۔ (۴۳)

آپ نے خود متبع سنت ہونے کے ساتھ ساتھ احیاء سنت پر بھی نہایت جدوجہد سے کام لیا۔ اپنی اولاد کے علاوہ اپنی زوجہ محترم رئیسہ شاہ جہاں بیگم کو بھی قرآن وسنت کی اتباع کی ترغیب دیتے۔ انہیں پردہ کروایا اور معاملات حکومت بھی انہیں پردہ نشینی میں انجام دینے کی تلقین کی۔ چنانچہ انہوں نے شرعی تقاضوں کے مطابق پردہ شروع کر دیا اور چاروں وائسریان ہند سے کلکتہ اور دہلی میں برقع اوڑھے ملاقات کی ہے اور ان کی تصویر بھی چہرہ پر نقاب اوڑھے بنائی گئی۔ (۴۴)

صاحب مآثر لکھتے ہیں:

"اسی طرح رئیسہ عالیہ کے جانب سے اگر کوئی ایسا امر ظہور میں آتا تھا جو ان کے نزدیک خلاف کتاب وسنت ہوتا تھا تو فوراً بلا تامل ان کے سامنے نصوص کتاب و سنت پیش کر کے اس کی تلافی مکافات کی کوشش کرتے تھے۔ مثلاً ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ تمام اراکین وعمایدکی تصویریں کھچوائی گئیں اور ان کو بھی چند مرتبہ تصویر کھچوانا پڑی چونکہ یہ امر ان کے نزدیک شرعاً جائز نہ تھا اس لیے خود انہوں نے بذات خاص صدقات اور حسنات اور استغفار سے اس کی تلافی کی کوشش کی اور رئیسہ عالیہ کو بھی آمادہ کر کے اس کے مکافات پر توجہ دلائی۔ متعدد مرتبہ اس قسم کے واقعات پیش آئے مگر وہ دلالت خیر سے باز نہیں رہتے تھے۔" (۴۵)

آپ سنت مطہرہ کو نور تصور کرتے تھے اور بدعت کو ظلمت و گمراہی خیال کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ بدعت اگرچہ حسنہ ہی کیوں نہ ہو اس سے ظلمت پیدا ہوتی ہے اور آخر کار ختم وطبع اور رین (یعنی دل پر مہر اور زنگ) کی نوبت آجاتی ہے اور سنت اگرچہ اَنْـــدَكْ (قلیل، ذرا سی) ہو اس سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے۔ اسی لیے آپ کی تمام تصنیفات و تالیفات میں اتباع سنت پر زور دیا گیا ہے اور بدعات و رسومات کی پرزور تردید کی گئی ہے۔ ایک مقام پر شرک و بدعت کے بارے میں لکھتے ہیں:

''شرک و بدعت سے توبہ کرنا سب سے مقدم ہے اس لیے کہ شرک کے ستر اور بدعت کے بہتر درجے ہیں۔ شرک وہ بلا ہے جس سے بڑے بڑے اکابر نہ بچ سکے اور بدعت وہ آفت ہے جس میں بڑے بڑے اہل علم پھنس گئے۔ جاہل مومن، شرک کو شرک نہیں سمجھتا اور بدعتی، بدعت کو اچھا سمجھتا ہے۔ اس لیے انہیں توبہ کی توفیق نہیں ملتی۔'' (۴۶)

نواب صاحب تمام متنازع امور کو قرآن وسنت پر پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں اور آیت کریمہ:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا اَطِيعُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ ﴾ (۴۷)

کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''متنازع امور کو کتاب وسنت پر پیش کرنا واجب ہے، اگر اس کا حکم قرآن مجید میں ہو تو اس کے مطابق فیصلہ ہوگا اور اگر اس میں نہ ہو تو رسول اکرم ﷺ کی سنت پر پیش کرنا ہوگا اور اگر سنت رسول ﷺ میں بھی نہ ہو تو پھر اجتہاد کا راستہ اختیار کرنا ہوگا اور اس حکم کے بارے میں لوگوں کی آراء کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ ہدایت کی تبیین کے بعد اللہ و رسول ﷺ کی مخالفت ہوگی۔'' (۴۸)

یہی وجہ ہے کہ آپ نے (دائرہ معارف اسلامیہ کے مطابق) صرف اتباع سنت پر گیارہ سے زاید کتب لکھیں لیکن ہمارے خیال میں آپ کی تمام تصنیفات وتالیفات کا مرکز ومحور ہی اتباع سنت ہے۔ اور آپ کی حیات مبارکہ کے ایک ایک لمحہ اور آپ کی کتب کے ایک ایک ورق سے اس کی شہادت ملتی ہے کہ آپ احیاء سنت کے اس قدر متمنی اور دلدادہ تھے کہ آپ کے بقول:

''میں یہ نیت رکھتا ہوں کہ اگر میرا بس چلے تو روئے زمین پر کسی ایسی کتاب کو باقی نہ رہنے دوں جو کتاب اللہ کے مخالف ہو، نہ کسی بدعت کو چھوڑوں جو سنت سے متصادم ہو، نہ دن یا رات میں کسی قسم کا فسق علی الاعلان ہونے دوں اور اگر کسی قسم کا فسق وقوع پذیر ہو جائے تو شریعت کے مطابق حدود وتعزیرات نافذ کرکے اس کی روک تھام کردوں۔'' (۴۹)

اسی ضمن میں آپ مزید لکھتے ہیں:

''انقلاب کا ہنگامہ سن کر اہل عزائم نے آ گھیرا۔ عام لوگوں کے ذہن میں یہ بات جمی ہوئی ہے کہ امراء و رؤسا عملیات کے معتقد ہوتے ہیں۔ حالانکہ پہلی بات یہ ہے کہ میں امیر نہیں ہوں اور دوسری بات یہ ہے کہ علم سے فقیر بھی نہیں ہوں کہ اہل شرک و بدعت کے دام تزویر میں گرفتار ہو جاؤں۔ میں تو اپنے اعتقاد کے مطابق کسی شخص کا معتقد نہیں ہوں۔ خصوصاً ان فقراء و مشائخ کا تو بالکل نہیں جو جہالت کے اس دور میں دکانداری کرتے ہیں۔ مجھے ان کی حرکات بے برکات پر تعجب ہے کہ یہ اپنی جہالت، خباثت اور شرک و بدعت میں کس موحد کو پھانسنا چاہتے ہیں۔ ان احمقوں نے اتنا بھی خیال نہ کیا کہ میں تو مشہور اہل حدیث ہوں اور ''تقویۃ الایمان'' اور رسائل توحید کا پابند ہوں۔ میرے سامنے کسی رمال، جفار، منجم اور عزیمت خواں کی اتنی قدر بھی نہیں، جتنی انسان کی نظر میں جانوروں کی ہوتی ہے۔ کیونکہ موحد تو ہر بلا ورخا اور مصیبت و عافیت میں اللہ ہی کو پکارتا ہے۔ جان جائے، مال جائے، آبرو جائے مگر ایمان نہ جائے۔ کچھ ہو مگر اللہ و رسول ﷺ کے طریقہ سے انحراف نہ ہو۔

من نخوا ہم کرد ترک لعل یار و جام مے!

زاہداں معذور داریدم کہ ایں ہم مذہب ست

اور عربی شاعر نے کہا ہے:

مذاهب شتى للمحبين في الهوىٰ

ولي مذهب واحدا عيش به وحدي

ہاں وہ لوگ جو عقل و دین کے اعتبار سے ناقص ہیں، وہ جلد ان کے پھندے میں حصولِ مدعا اور دفعِ بلا کی امید سے پھنس جاتے ہیں، یا عوام کالانعام جنہیں دین و ایمان سے کچھ حصہ نہیں ملا۔ وہ اپنا مال ان حرام خوروں اور دغا بازوں کو کھلاتے اور دیتے ہیں اور جو شخص پاک دین والا، صاحب توحید ہے، وہ اپنے نشہ توحید اور مستی حسن عقاید میں ان کالین بطالین کی کچھ پروا نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ مجھے اسی توحید و سنت پر زندہ رکھے اور مارے اور انواع شرک و بدعت سے بچائے کیونکہ میں توحید کے طفیل سارے جہاں کے علوم و معارف سے بے نیاز

ہوں۔

اور اگر بالفرض حصول مدعا اور دفع کرب و بلا کے لیے عزائم وادعیہ کا بجالانا ضروری ہے تو آیاتِ کتاب اللہ اور اذکار و ادعیہ، ماثورہ ہی کافی ہیں۔ وہ کون سی دینی و دنیاوی آفت و مصیبت ہے، جس کا علمی علاج شرع شریف میں نہیں ہے اور وہ کون سی حاجت، مطلب اور مدعا ہے، جس کے لیے ہمیں آنحضرت ﷺ نے کوئی ذکر یا دعا تعلیم نہیں فرمائی۔" (۵۰)

الغرض آپ زندگی بھر اتباع سنت پر قائم رہے، احیاء سنت کے لیے اپنی تمام تر توانائیاں صرف کرتے رہے، سنت رسول ﷺ کے مطابق زندگی بسر کی اور سنت رسول ﷺ پر ہی پر فوت ہوئے اور آپ کی وصیت کے مطابق سنت رسول ﷺ کے مطابق نماز جنازہ اور تجہیز و تکفین کی گئی اور قبر بھی اتباع سنت میں کچی بنائی گئی جس پر کوئی تختی نہیں لگائی گئی۔

اللھم اغفرله وارحمه وعافيه واعف عنه.

☆..........☆..........☆

حواشی

۱۔ القرآن: النساء(۴)۵۹
۲۔ القرآن: المائدة(۵)۹۲
۳۔ القرآن: محمد(۴۷)۳۳
۴۔ القرآن: الحجرات(۴۹)۲۔۱
۵۔ القرآن: النور(۲۴)۵۴
۶۔ القرآن: النساء(۴)۸۰
۷۔ القرآن: الحشر(۵۹)۷
۸۔ القرآن: آل عمران(۳)۳۱
۹۔ بخاری، محمد بن اسماعیل۔ صحیح بخاری ج:۲، ص:۳۷۱، قدیمی کتب خانہ، کراچی۔
۱۰۔ ایضاً
۱۱۔ ایضاً، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ
۱۲۔ ایضاً
۱۳۔ القرآن: النجم(۵۳)۴۔۳
۱۴۔ القرآن: الاحزاب(۳۳)۲۱
۱۵۔ قشیری، مسلم بن حجاج، امام صحیح مسلم حدیث نمبر ۳۱۰۔ ج:۲، ص:۹۴۳ طبع مصر
۱۶۔ القرآن: المائدہ(۵)۳۸
۱۷۔ خطیب، محمد عجاج، السنۃ قبل التدوین، ص:۲۶
۱۸۔ القرآن: النساء(۴)۱۱۵
۱۹۔ شعرانی، کتاب المیزان، ص ۵۲
۲۰۔ ایضاً
۲۱۔ حاکم، معرفۃ علوم الحدیث ص:۶۵۔ قاہرہ ۱۹۳۷ء
۲۲۔ خطیب، محمد عجاج، السنۃ قبل التدوین ص:۲۵۔۲۴، قاہرہ ۱۹۶۳ء
۲۳۔ ابقاء المنن ص
۲۴۔ ایضاً
۲۵۔ صدیق حسن، سید، قرۃ الاعیان ومسرۃ الاذہان، ص:۷۸، مطبع الجوائب
۲۶۔ ابجد العلوم ج: ص:۴۰۰
۲۷۔ ابقاء المنن
۲۸۔ ایضاً
۲۹۔ صدیق حسن، سید، منہج الوصول الی اصطلاح احادیث الرسول ﷺ ص ۲۱۳، مکتبہ شاہ جہانی بھوپال ۱۲۹۲ھ۔
۳۰۔ الحطۃ فی ذکر الصحاح الستۃ، ص:۳۰، اسلامی اکادمی لاہور ۱۹۷۷ء

۳۱۔ صدیق حسن، سید، سلسلۃ العسجد فی مشائخ السند، ص: ۳، مطبع شاہ جہانی بھوپال ۱۲۹۳ھ۔
۳۲۔ ابقاء المنن
۳۳۔ ایضاً ص: ۹۶۔۱۰۱
۳۴۔ ایضاً ص: ۱۷۰۔۱۷۱
۳۵۔ مآثر صدیقی ج: ۴، ص: ۶۳
۳۶۔ جعفر شاہ پھلواروی، حرفے از داستان، نواب صدیق حسن خان مرحوم ہفت روزہ الاعتصام ۱۲/ اکتوبر ۱۹۵۰ء
۳۷۔ مآثر صدیقی، ج: ۴، ص ۷۲۔۷۱
۳۸۔ مقالۃ الفصیحۃ ص: ۷۲
۳۹۔ جعفر شاہ پھلواروی، حرفے از داستان نواب صدیق حسن خاں مرحوم ہفت روزہ الاعتصام ۱۲/ اکتوبر ۱۹۵۰ء
۴۰۔ مآثر صدیقی، ج: ۴، ص ۱۳۵۔۱۳۴
۴۱۔ ایضاً ج: ۴، ص ۱۰۸۔۱۰۷
۴۲۔ ایضاً ج: ۴، ص: ۸۴۔۸۳
۴۳۔ تفصیل کے لیے آپ کا وصیت نامہ ثانی، مقالۃ الفصیحۃ کے نام سے ۱۲۹۸ھ کو مطبع مفید عام آگرہ سے شائع ہوا ملاحظہ فرمائیں۔
۴۴۔ رضیہ حامد، ڈاکٹر، نواب صدیق حسن خاں، ص: ۱۱۶
۴۵۔ مآثر صدیقی ج: ۴، ص: ۸۲
۴۶۔ ابقاء المنن ص: ۱۹۲
۴۷۔ القرآن النساء (۴) ۵۹
۴۸۔ صدیق حسن خاں، سید، تفسیر فتح البیان ج: ۳، ص ۱۵۹۔۱۵۸۔
۴۹۔ ابقاء المنن ص: ۱۳۵
۵۰۔ ایضاً ص: ۲۹۱۔۲۸۹۔

☆..........☆..........☆

باب ششم

نواب صاحب کے میدان حدیث میں کارہائے نمایاں

نواب صدیق حسن خاں کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد تمسک بالکتاب والسنۃ، اس کی ترقی وترویج اور نفاذ تھا اور آپ خود بھی حتی الامکان اور حتی البساط تمام زندگی عمل بالحدیث کے پابند رہے اور اسی کو اپنے عوام وخواص میں رائج کرنے کے لیے کوشاں رہے بلکہ قرآن وحدیث کی نشر و اشاعت کو برصغیر اور برصغیر سے باہر دنیا بھر میں رواج دینے کے لیے سرگرم عمل رہے، یہی وجہ ہے کہ ہمیں آپ کی حیات مبارکہ کا کوئی دن اور رات ایسی نظر نہیں آتی جس میں آپ حدیث کے فروغ کی تحریک میں جدوجہد کرتے نظر نہ آتے ہوں، چنانچہ ہم بھوپال کا علمی مشاہدہ کرتے ہیں تو ہمیں بھوپال آپ کے عہد مبارک میں علم اور اہل علم وفن بالخصوص علمائے حدیث کا عظیم مرکز دکھائی دیتا ہے، اس عظیم مرکز کا قیام اور بھوپال کی مقناطیسی کشش کا باعث نواب صدیق حسن خان اور آپ کی زوجہ محترمہ نواب شاہ جہاں بیگم والیہ بھوپال کی علم حدیث سے والہانہ محبت اور گہری وابستگی تھی، چنانچہ ہم میدان حدیث میں آپ کی جدوجہد کا ایک مختصر جائزہ چار فصول میں پیش کرتے ہیں:

☆.............................☆

فصل اوّل

مراکز حدیث کا قیام

ہم اس بات کا مقدمہ میں ذکر کر چکے ہیں کہ برصغیر پاک وہند میں اسلام کس طرح آیا اور اس وقت اسلامی تعلیمات کا مرکز ومحور قرآن وسنت تھا نیز بعد ازاں برصغیر میں بعض وجوہ واسباب

سے مسلمانوں کا براہ راست تعلق کتاب وسنت سے نہ رہا اور وہ منطق اور فقہ کی قیل و قال کا شکار ہو گئے۔ مسلمانان ہند عمل بالحدیث کے بجائے تقلید کے بندھنوں میں جکڑے گئے، انہوں نے قرآن وحدیث سے رہنمائی حاصل کرنے کے بجائے اپنے اپنے ائمہ اور علماء کی آراء کو ہی اسلام سمجھ لیا۔ اسلامی مدارس میں قرآن وحدیث کی تعلیمات کے بجائے فقہ، اصول فقہ، منطق، فلسفہ، وغیرہ کی تعلیمات دی جانے لگیں، ان کے عدالتی فیصلے اور معاملات وغیرہ کتاب وسنت کی روشنی کے بجائے فقہ کی موشگافیوں کا شکار ہو گئے اور وہ اپنے نظریات سے مختلف نظریات کے حامل مسلمانوں پر کفر کے فتوے صادر کرنے لگے۔ علاوہ ازیں ہندوؤں سے مسلمان ہونے اور ان کے ساتھ رہنے کی بنا پر ان میں بھی ہندوؤں جیسے رسوم ورواج عام ہو گئے اور وہ انہیں اسلام سمجھتے تھے۔ بدعات کو بڑا فروغ حاصل ہوا اور ہر ایک مسئلہ میں سنت کی برسر عام مخالفت ہو رہی تھی اس کے برعکس سنت کی تبلیغ کرنے والوں اور اتباع سنت کے حاملین کو نہ صرف کہ نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا بلکہ ان سے بائیکاٹ کیے جاتے اور ان پر اپنی مساجد کے دروازے بند رکھے جاتے تھے۔ نیز قرآن وحدیث کی تعلیمات عام مسلمان حاصل نہیں کر سکتے تھے بلکہ یہ علماء کے ذمہ تھی اور یہ خیال کیا جاتا تھا کہ قرآن وحدیث سیکھنا کسی عام آدمی کے بس کی بات نہیں اور نہ ہی اسے اس کی ضرورت ہے۔

ایسے حالات میں شیخ احمد سرہندی المعروف مجدد الف ثانی، شیخ حسین بن محمد صنعانی، شیخ علی متقی، شیخ محمد طاہر پٹنی، شاہ ولی اللہ دہلوی، سید نذیر حسین دہلویؒ اور نواب سید صدیق حسن خاں بھوپالی ایسی شخصیات نے علم قرآن وسنت کو فروغ دینے اور عمل بالکتاب والسنۃ کا درس دینے میں اپنی زندگیاں کھپا دیں۔ انہی کی کوششوں سے اٹھارہویں صدی میں دہلی اور بھوپال علم وفضل اور قرآن وسنت کی براہ راست تعلیم کے دو مراکز کی حیثیت اختیار کر گئے۔ دہلی میں سید نذیر حسین دہلویؒ نے علم حدیث کے فروغ اور علم بالحدیث کو رواج دینے کے لیے مسندِ درس بچھا رکھی تھی اور اس کی فیوض و برکات سے نہ صرف کہ برصغیر پاک و ہند کے تشنگانِ علومِ حدیث اپنی پیاس بجھا رہے تھے بلکہ پورا عالم اسلام آپ کی خدمات سے فائدہ اٹھا رہا تھا اور آپ کے تلامذہ کی مساعی جمیلہ سے علم حدیث کو خوب فروغ ملا اور ان کی بے مثال جدوجہد اور قربانیوں سے برصغیر میں قال اللہ وقال الرسول ﷺ کی دلنواز صدائیں گونجنے لگیں۔

برصغیر میں علم حدیث کے حوالے سے دوسرا بڑا مرکز ہمارے ممدوح نواب سید صدیق حسن خانؒ کا بھوپال میں تھا۔ آپ نے قرآن وسنت کی تعلیمات ترویج واشاعت کے لیے ایک منظم اور شعوری طریقے سے اس کو ایک عظیم مرکز کی حیثیت سے متعارف کروایا۔ عالم اسلام کے نامور اہل علم اور برصغیر کے چوٹی کے علماءِ حدیث کو اس مرکز میں جمع کیا۔ چنانچہ کثیر تعداد میں علماءِ اسلام اس مرکز میں مجتمع ہوئے اور انہوں نے قرآن وسنت کی تعلیمات کو عام کرنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کے لیے دن رات جدوجہد کی۔ ان علماء کرام کے سرخیل نواب محسن الانصاری، مولانا محمد بشیر سہسوانی، مولانا عبدالقیوم بڈھانوی ایسے نامور، یکتائے عصر اور شہرہ آفاق علماء تھے۔ (۲)

اس عظیم مرکز میں بہت سے شعبہ جات تھے جن میں شعبہ تعلیم و تدریس، شعبہ تصنیف و تالیف، شعبہ تراجم، شعبہ تاریخ، شعبہ طباعت اور شعبہ مالیات وغیرہ شامل تھے۔ اس عظیم علمی مرکز کے قیام نے ''بیت الحکمت'' کی یاد تازہ کردی تھی۔ (۳)

مدارس وجامعات کا قیام

نواب صدیق حسن خانؒ نے اس عظیم مرکز کے تحت بے شمار دینی مدارس اور تعلیمی اداروں کا بھی اہتمام کیا اور قرآن وسنت کی نشر واشاعت کا کام اعلیٰ بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے اور امت مسلمہ میں تمسک بالکتاب والسنۃ کی بیداری اور شعور پیدا کرنے کے لیے بیسیوں ایسے مراکز قائم کیے جہاں طلبا پر عمل بالحدیث کے لیے خصوصی توجہ دی گئی اور ان مدارس میں ایسے علماءِ کرام کو متعین کیا گیا جو فن تدریس میں مہارت تامہ رکھنے کے ساتھ ساتھ متبع سنت اور اسوہ رسول ﷺ کی روشنی میں بہترین کردار وعمل کا نمونہ تھے۔ چنانچہ آپ کی مسلسل محنت وتوجہ سے ریاست بھوپال کے طول وعرض میں اکہتر (۷۱) مدارس وجامعات قائم ہوئے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

مشرقی علاقہ جات میں انیس (۱۹) مدارس، مغربی حصہ میں چودہ (۱۴) مدارس، جنوبی حصہ میں اکیس (۲۱) مدارس اور بھوپال کے شمالی علاقہ جات میں سترہ (۱۷) مدارس معرض وجود میں آئے۔ (۴)

ان اکہتر مدارس میں سے زیادہ تر مدارس ابتدائی اور ثانوی حیثیت کے تھے جن میں عصری و فنی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم اور کردار سازی اور تعمیر سیرت پر خصوصی توجہ دی جاتی تھی جب کہ

ان میں سے بعض مدارس و جامعات کی حیثیت رکھتے تھے اور ان میں تمام اسلامی علوم خصوصاً حدیث کی صحاح ستہ کے علاوہ موطا امام مالک، مشکوٰۃ المصابیح اور علوم حدیث کی دیگر کتب کو خصوصی طور پر شامل نصاب کیا گیا تھا نیز ان میں تمسک بالکتاب والسنۃ پر خصوصی توجہ دی جاتی تھی اور ان جامعات میں ایسے اہل علم تیار کیے جاتے تھے جو برصغیر کے اطراف واکناف میں خالصتاً قرآن و حدیث کی تدریس کے فرائض بڑے انہماک و جذبہ کے ساتھ دیتے تھے، یہ لوگ کتاب وسنت کی عملی تفسیر تھے اور انہیں دیکھ کر صحابہ رضی اللہ عنہم واسلاف امت کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ (۵)

نواب مرحوم ان مدارس و جامعات کی نگرانی خود فرمایا کرتے تھے اور گاہے بگاہے ان کا معائنہ کرتے رہتے تھے، سالانہ امتحان ہمیشہ خود لیتے تھے اور امتحان کا پروگرام ریاست کی طرف سے تیار کیا جاتا تھا۔ ایسے ادارے جنھوں نے فروغ تعلیم اور طلباء کی سیرت و کردار کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا ان میں سے چند ادارے درج ذیل ہیں۔

جامعہ صدیقہ:

یہ ایک بہت بڑا ادارہ تھا اسے آج کی عظیم یونیورسٹی کہا جا سکتا ہے، اس میں مختلف شعبہ جات تھے جن میں ناظرہ قرآن مجید، حفظ قرآن مجید، حفظ حدیث، درس نظامی، عالم، فاضل، مفتی اور عصری علوم وفنون وغیرہ کے شعبہ جات تھے۔ اس جامعہ میں طلباء کی سیرت و کردار کو نبوی منہج کے مطابق ڈھالنے پر بھرپور توجہ دی جاتی تھی، یہ جامعہ آپ کے محل ''نور محل'' کے قریب تھی اور اس پر نواب صاحب بہت زیادہ توجہ دیا کرتے تھے۔ اس میں دوسو زاید طلباء تعلیم حاصل کرتے تھے جنہیں مجموعی طور پر پانچ ہزار چار سو روپے وظائف دیے جاتے تھے۔ (۶)

اس میں نواب صاحب بعض اسباق خود پڑھاتے تھے اور وقتاً فوقتاً علمی موضوعات پر خصوصی لیکچرز بھی دیا کرتے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کی زوجہ محترمہ نواب شاہ جہاں بیگم والیہ بھوپال بھی اس جامعہ پر خصوصی توجہ دیتی رہیں اور انھوں نے اس کی جدید عمارت بھی تعمیر کروائی۔

جامعہ جہانگیر:

ریاست بھوپال کا ایک اہم ادارہ جامعہ جہانگیر تھا۔ یہاں بھی مختلف شعبہ جات تھے جن میں تفسیر، حدیث، فقہ، ادب، ریاضی، جغرافیہ اور خطاطی کے علاوہ حفظ حدیث کا بھی خصوصی اہتمام تھا

تقریباً چار صد طلباء مقیم تھے جن کے تمام اخراجات ریاست بھوپال کے ذمہ تھے۔ ان طلباء کو بارہ ہزار ایک سو چالیس روپے سالانہ وظیفہ دیا جاتا تھا۔ (۷) اس کا نواب صاحب اکثر معائنہ کیا کرتے تھے اور اس پر آپ خصوصی توجہ فرمایا کرتے تھے نیز سالانہ امتحان بھی خود لیتے اور بعض اوقات خصوصی لیکچرز بھی ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

جامعہ عربیہ سلمانیہ:

ریاست بھوپال میں یہ بھی ایک بڑا اہم ادارہ تھا جس میں مولوی، عالم، فاضل، مفتی، منشی ایسی ڈگریوں کے کورس کروائے جاتے تھے اور ان کورسز میں داخل طلباء کی کردار سازی پر خصوصی توجہ دی جاتی تھی اور ان میں عمل بالحدیث کا جذبہ پیدا کیا جاتا تھا۔

مدرسہ بلقیسیہ:

یہ ابتدائی علوم کا مدرسہ تھا، اس میں یتامیٰ و مساکین کی کفالت کے ساتھ ساتھ ان کی تعلیم و تربیت پر بھی توجہ دی جاتی تھی اور انہیں متبع سنت بنانے کی سعی کی جاتی تھی۔

ان مدارس میں بھی اور ان کے علاوہ دیگر جامعات و مدارس میں علوم وفنون کی تعلیم کے ساتھ ساتھ طلباء کی اسوہ حسنہ کے مطابق تربیت پر زور دیا جاتا تھا۔ ان اداروں کے اساتذہ وطلباء ہندوستان کے عام مدارس سے کئی ایک اوصاف ومحاسن کی بنا پر منفرد اور ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ ان مدارس کا قیام ریاست بھوپال کی طرف سے کیا جاتا تھا اور انہیں باقاعدہ ایک نصاب اور پروگرام کے تحت چلایا جاتا تھا۔ چنانچہ ہم ان کے اساتذہ کا تقرر، نصاب اور طلباء کے اوصاف اور ان کی تعلیمی کارکردگی پر نظر دوڑاتے ہیں۔

(ب) اساتذہ کی تقرری وتعیناتی کا معیار

نواب صدیق حسن مرحوم کے عہد مبارک میں بھوپال کی جامعات و مدارس میں اساتذہ کرام کے تقرر وتعیناتی کا ایک خاص معیار تھا جس کے تحت صرف اساتذہ کی تعلیمی اسناد ہی نہیں دیکھی جاتی تھیں بلکہ انہیں منتخب کرتے وقت ان کے عقاید ونظریات اور عمل بالکتاب والسنۃ کا بھی خصوصی جائزہ لیا جاتا تھا، چنانچہ آپ اساتذہ کے تقرر کے وقت مندرجہ ذیل باتوں کا خاص

خیال کرتے تھے۔

(۱) وہ شریعت محمدی ﷺ کا اطاعت گزار و فرمانبردار ہو اور وہ اپنے عقائد و نظریات اسوہ حسنہ اور سیرت کی پاکیزہ تعلیمات کے مطابق رکھتا ہو۔ (۸)

(۲) وہ مسلمان، عاقل و بالغ، شرک و بدعت سے پاک، سلیم الفطرت ہو اور مخبوط الحواس نہ ہو۔ (۹)

(۳) وہ تعصب سے پاک اور متقی ہو اور اسباب فسق و فجور کی آلودگیوں سے مبرا ہو۔ (۱۰)

(۴) اس کا فعل، اس کے علم کی تکذیب نہ کرتا ہو۔ (۱۱)

(۵) وہ کامل استاد ہو جو طلبہ کو فہم و فراست دینے والا، ان کی خالصتاً قرآن و حدیث کے مطابق تربیت کرنے والا اور ان کی سیرت و اخلاق کو سنوارنے والا ہو۔ (۱۲)

(۶) وہ اپنے مضمون میں ماہر ہو۔ (۱۳)

استاد کے اوصاف

آپ اپنے اداروں میں متعین کردہ اساتذہ کرام کی تربیت پر بھی خصوصی توجہ دیتے اور انہیں تقریری و تحریری ہدایات دیتے رہتے تھے۔ چنانچہ نواب مرحوم نے اچھے اور کامیاب استاد کے لیے درج ذیل اوصاف کو ضروری قرار دیا ہے۔

(۱) عملی نمونہ ہو:

طلباء کے لیے والدین سے بھی بڑھ کر استاد کی شخصیت کی اہمیت ہوتی ہے۔ والدین بچے کو بلندیوں سے زمین پر لانے کا سبب ہوتے ہیں مگر ایک اچھا استاد اپنے شاگرد کو زمین سے آسمان کی رفعتوں تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس لیے طلبہ استاد کی شخصیت کو اپنے لیے نمونہ اور ماڈل سمجھتے ہیں اور ان کا ہر قول و فعل طلبہ کے لیے ایک سند اور اتھارٹی کی حیثیت رکھتا ہے۔ نواب صاحب لکھتے ہیں:

> ''استاد اپنے علم کی صداقت کا ثبوت عمل سے بیان کرے، اس کے قول و فعل میں تضاد نہ ہو۔ اگر اس کا عمل علم کی شہادت نہیں دیتا تو وہ خود اس بات کی تبلیغ کر رہا ہے کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں یہ حقیقت کے خلاف ہے۔ یہ انسانی زندگی کے لیے سم

قاتل ہے۔“(۱۴)

(۲) روحانی تربیت کا ذمہ دار:

استاد طلبہ کی روحانی و اخلاقی تربیت کا جذبہ رکھتا ہو: والا جاہ مرحوم استاد کی ذمہ داریوں میں سے ایک اہم ذمہ داری طلبہ کی روحانی و اخلاقی تربیت قرار دیتے تھے، فرماتے ہیں:

”استاد طلبہ پر شفقت کرے اور ان کو اپنی اولاد کی طرح سمجھے کیونکہ باپ تو صرف اس کی جسمانی تربیت کرتا ہے جب کہ معلم اس کی روحانی و اخلاقی تربیت کرتا ہے۔“(۱۵)

(۳) حریص نہ ہو:

آپ استاد کو علم کا قدر دان اور خود دار بننے کی ترغیب دیا کرتے تھے اور استاد کو علم بیچنے سے روکتے اور صبر و شکر کے ساتھ قناعت پسندی سے ایام زندگی گزارنے کا درس دیا کرتے تھے۔ آپ فرماتے تھے:

”تعلیم و تدریس میں کسی معاوضے حتیٰ کہ شکریہ کا بھی طالب نہ ہو۔“(۱۶)

نواب مرحوم خود بڑے خوددار اور قناعت پسند تھے۔ اپنی تمام زندگی خطابت و امامت اور تدریس کی تنخواہ نہیں لی اور نہ ہی کسی چیز کا طمع اور لالچ کیا، خود فرماتے ہیں:

”میں اپنے شہر کی جامع مسجد میں بچپن ہی سے امام و خطیب اور واعظ تھا اور یہ اجرت و خدمت کے بغیر صرف آبائی جاہ و عزت کے لیے تھا، جب طلب رزق میں آیا تو یہاں بھی گاہے گاہے بعض مساجد میں وعظ کہا کرتا تھا لیکن پھر زمانہ کی حالت دیکھ کر ترک کر دیا لیکن حضر ہو یا سفر، وطن ہو یا غربت کبھی بھی علم، نسب یا وعظ کو ضیافت طعام یا اخذ حطام و نذر کے لیے وسیلہ نہیں بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ مجھے اس آلودگی سے بچا کر رکھا وللہ الحمد۔“(۱۷)

(۴) مشفق و مہربان ہو:

استاد کو معلم اعظم ﷺ کے اسوہ حسنہ کو ملحوظ رکھنا چاہیے اور اسے اپنے تلامذہ سے محبت و پیار، شفقت و مہربانی اور نرمی و خلوص سے کام لینا چاہیے۔(۱۸)

(۵) طلبہ و اسباق میں مساوات:

استاد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے طلبہ کے معاملے میں مساوات سے کام لے اور انہیں ایک نظر سے دیکھے اور اسی طرح اپنے مضمون کے مقابلہ میں دوسرے اساتذہ کے مضامین کی تنقیص نہ کرے بلکہ تمام مضامین کی اہمیت اور ان کی محنت پر توجہ دلائے۔ (۱۹)

(۶) طلبہ کی ذہنی استعداد کے مطابق تدریس:

استاد کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ طلبہ کی تعلیم و تربیت کے فریضے سے عہد برآ ہوتے ہوئے طلبہ کی ذہنی استعداد اور ان کی عقل و فہم کو ملحوظ رکھے اور اگر استاد ان کی صلاحیتوں اور ادراک و فہم کی استعداد کو ملحوظ نہیں رکھے گا تو وہ کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوگا اور طلبہ اس سے نفرت کرنے لگیں گے۔ (۲۰)

طلباء کے اوصاف

نواب مرحوم ان جامعات و مدارس کے طلبہ کو نبویؐ اسوہ میں ڈھالنے کے متمنی تھے اور اساتذہ کرام کو طلبہ کی منہج نبویؐ کے مطابق تربیت سازی کے بارے میں ہدایات دیتے رہتے تھے اور وقتاً فوقتاً خود بھی طلبہ کو دروسِ تربیت دیا کرتے تھے، چنانچہ آپ کی کتب کے مطالعہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ طلبہ کو عامل بالحدیث دیکھنا چاہتے تھے۔

آپ طلباء کو ہدایات دیتے ہوئے فرماتے تھے:

> ''طالب علم رضائے الٰہی کے لیے علم حاصل کرے، نمود و نمائش اور عزت و جاہ، فخر و استکبار کے لیے تعلیم حاصل نہ کرے ...... ایسے علوم حاصل کرے جو مقصد کے اعتبار سے قریب تر اور فکر انگیز ہوں ...... طالب علم اپنے دل کو رذائل اخلاق سے پاک کرے کیونکہ علم اللہ تعالیٰ کا نور ہے اور علم کے خزانے پر مامور فرشتے اسے پاک دلوں پر نازل کرتے ہیں۔'' (۲۱)

والا جاہ ہمیشہ طلبہ کو کردار سازی اور اخلاق حسنہ کا درس دیتے اور کہا کرتے تھے کہ جس طرح فرشتے ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جہاں کتا ہو اس طرح علم اس دل میں داخل نہیں ہوتا جہاں

اخلاق رذیلہ ہوں اس لیے طالب علم اچھے اخلاق اور اسوہ نبوی ﷺ کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنائے تا کہ اسے علم حاصل ہو۔ [۲۲]

نواب صدیق حسن خانؒ طلبہ کو محنتی اور علم کے حصول میں جدوجہد کرتے دیکھنا چاہتے تھے اور ہمیشہ انہیں " من جد وجد " کی تلقین کرتے اور فرماتے تھے۔

((ان لا یؤخر شغل یوم الی غدفان لکل یوم مشاغل)) [۲۳]

(آج کا کام کل پر مت چھوڑو کیونکہ ہر دن کے اپنے کام اور مشاغل ہوتے ہیں)

آپ طلبہ کو اپنی کتابوں اور اپنے ساتھیوں کے احترام کی ہدایت بھی کرتے تھے کیونکہ ساتھیوں کے احترام سے باہمی جذبہ دپیار فروغ پاتا ہے جو حصول علم میں بہت مددگار اور معاون ثابت ہوتا ہے۔ [۲۴]

علاوہ ازیں آپ طلبہ کو استاد کی عزت وتکریم اور خدمت کرنے پر زور دیتے تھے اور فرماتے تھے جس طالب علم سے استاد کو کسی قسم کی تکلیف پہنچے وہ علم کی برکت سے محروم رہتا ہے۔" [۲۵]

آپ طلبہ کو اپنی تحریر و لیکچرز کے ذریعے ہدایات دیتے رہتے تھے۔ چنانچہ آپ کی کتب کے مطالعہ سے اور بھی مختلف ہدایات ملتی ہیں۔ ابجد العلوم میں فرماتے ہیں:

(۱) طالب علم محنت اور ذوق وشوق سے پڑھائی پر توجہ دے اور صبر وتحمل سے کام لے۔

(۲) جو علم حاصل کرے اس کے مطابق عمل بھی کرے اور حاصل کردہ علم سے اس کے واطوار میں بہتر تبدیلی پیدا ہو اور اس علم کا اس کا کردار گواہی دے۔

(۳) طالب علم ہر وقت اپنے پاس قلم رکھے اور مشکل باتوں اور اچھے فقرات کو اپنی ڈائری پر درج کرے کیونکہ لکھنے سے علم محفوظ ہو جاتا ہے۔

(۴) ایک وقت میں دو مشکل اور پیچیدہ فنون نہ سیکھے ورنہ دونوں میں ناکامی ہوسکتی ہے۔

(۵) زمانہ طالب علمی میں زیادہ اسباب معیشت اکٹھا کرنے کی کوشش نہ کرے بقدر ضرورت پر اکتفا کرے۔

(۶) جس چیز کو پڑھے اس کا اچھی طرح احاطہ کرے اور اس کے تصورات کو اچھی طرح سمجھ کر ازبر کرے۔

(۷) اگر کوئی چیز سمجھ میں نہ آئے تو سوال کرنے سے نہ شرمائے اور جس کی سمجھ آئے اس سے

انکار بھی نہ کرے۔

(۸) زیادہ ہنسی مذاق نہ کرے اور اگر اس کی بات اس کا کلاس فیلو نہ مانے تو پریشان و رنجیدہ نہ ہو۔

(۹) لڑکیوں سے تعلقات اور دوستی نہ کرے کیوں کہ اس سے طالب علم میں نسوانی عادات اور خصائل پیدا ہو جاتے ہیں۔

(۱۰) پیٹ بھر کر نہ کھائے اور پیٹو نہ بنے۔

(۱۱) لباس و طعام میں زیادہ نزاکت نہ دکھائے، تمام امور میں میانہ روی اختیار کرے۔

(۱۲) رات کو عشاء کے بعد جلدی سو جائے اور صبح کو جلدی اٹھے۔

(۱۳) حلال و حرام کی تمیز کرے اور حرام سے ہر ممکن بچے۔

(۱۴) منصف المزاج ہو۔

(۱۵) اپنی صحت کا خیال رکھے اور صحت کے خراب کرنے والے امور سے پرہیز کرے۔

(۱۶) صاحب تقویٰ، تجربہ کار اور ہمدردی و خیر خواہی کرنے والے استاد کو ترجیح دے۔ (۲۶)

مندرجہ بالا ہدایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے مدارس کی بڑی محنت و جانفشانی سے نگرانی فرماتے اور اپنے طلبہ کو صحیح اسلامی طالب علم دیکھنے کے لیے احسن انداز میں بہترین رہنمائی فرماتے تھے۔

نصاب تعلیم

تعلیم کا بنیادی مقصد قومی روایات، تہذیب و ثقافت اور روحانی اقدار کو نئی نسل میں منتقل کر کے اسے معاشرتی زندگی میں بہتر اور بھرپور حصہ لینے کے لیے تیار کرنا ہے لیکن کسی نظریہ کے بغیر تعلیم کا تصور ممکن ہی نہیں ہے۔ اس لیے ہر قوم ایک خاص نظریہ اور فلسفہ حیات کے تحت تعلیم دیتی ہے، اس لیے ہر قوم کا نصاب تعلیم مختلف ہے۔

اسلام دنیا کے تمام ادیان سے منفرد اور ممتاز دین ہے، اس کے نصاب تعلیم میں اسلامی فلسفہ حیات کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ ہر دور میں مسلمانوں نے اسلامی فلسفہ حیات کی روشنی میں حالات کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے نصاب تجویز کیا۔ برصغیر پاک و ہند میں انگریزوں نے

اپنے تسلط کے بعد اپنی ضروریات اور مفادات کے پیش نظر اپنا نظام تعلیم دیا۔ دینی مدارس میں انگریزوں کے نظام تعلیم سے جداگانہ اپنا نظام تعلیم تھا اور اپنا نصاب تھا۔

نواب صدیق حسنؒ کے زمانہ سے قبل اور آپ کے عہد میں ہندوستان میں جو نصاب رائج تھا اس کی تفصیل مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اپنی مشہور تصنیف ''ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں'' میں بیان کی ہے۔ انہوں نے نصاب کو پانچ ادوار میں تقسیم کیا ہے، ان کی تحقیق کے مطابق نواب صاحب سے پہلے جو نصاب رائج تھا اس کا آغاز ۱۵۸۸ء میں ہوا یہ چوتھے دور کا نصاب ہے۔ یہ دینی مدارس کا نصاب تھا اور اس میں درج ذیل کورس شامل تھے۔

فقہ واصول فقہ، تفسیر، منطق، کلام، حکمت، بلاغت، صرف ونحو، ریاضی اور حدیث، اس نصاب میں شرعی علوم پر نو (۹) کتب تھیں جن میں فقہ پر دو، اصول فقہ پر چار، تفسیر پر دو اور حدیث پر ایک کتاب شامل تھی۔ شرعی علوم میں کتابوں کی تعداد نہ صرف کم تھی بلکہ کتابیں بھی مختصر تھیں۔ (۲۷)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مدارس عربیہ میں منطق وفلسفہ اور فقہ واصول فقہ کی تعلیم پر خصوصی توجہ دی جاتی تھی اور قرآن و حدیث کو فراموش کر دیا گیا تھا اور حدیث کی ایک کتاب مشارق الانوار یا بعض مدارس میں مشکوٰۃ المصابیح صرف برکت کے لیے شامل نصاب کی گئی تھی۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمانان ہند حدیث سے کس قدر دور اور ناآشنا تھے۔

نواب صدیق حسن کے دور میں مدارس میں جو نصاب رائج تھا سید ابوالحسن علی ندوی کے مطابق یہ پانچویں دور کا نصاب ہے۔ اس نصاب تعلیم کو ملا نظام الدین نے وضع کیا تھا، اس بنا پر یہ درس نظامی کے نام سے مشہور ہوا اور کچھ ترامیم واضافہ جات کے بعد آج بھی پاک و ہند کے مدارس میں یہی نصاب تعلیم جاری ہے۔ اس میں درج ذیل مضامین شامل نصاب تھے۔ فقہ، اصول فقہ، تفسیر، حدیث، صرف ونحو، بلاغت، ادب، منطق، حکمت، علم الکلام، ریاضی، مناظرہ۔ (۲۸)

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی تحقیق میں اس نصاب میں شرعی علوم پر اٹھارہ کتب تھیں جن میں حدیث پر سات، تفسیر پر دو اور اصول تفسیر پر ایک کتاب شامل تھی، مولانا ندوی فرماتے ہیں:

''حدیث کی سات کتب اگرچہ نصاب میں شامل تھیں لیکن پڑھانے کا کسی مدرسہ میں انتظام نہ تھا جب کہ منطق اور معقولات کی ساری کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔'' (۲۹)

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہندوستان کے اہل علم اور مدارس کے منتظمین، تفسیر وحدیث

پر کوئی خاص توجہ نہیں دیتے تھے بلکہ فقہ و اصول فقہ اور منطق و معقولات پر ہی ساری محنت اور توجہ مرکوز رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ہندوستان میں علم حدیث کی وہ قدر اور حیثیت نہیں تھی جو اسلامی تعلیمات میں اس کی اہمیت ہونی چاہیے، اسی بنا پر مسلمانان ہند قرآن و حدیث کی براہ راست تعلیمات سے نابلد اور لاعلم رہے اور انہوں نے ائمہ دین اور علمائے اسلام کی آراء و خیالات اور استدلالات کو ہی مکمل اسلام سمجھ لیا اور حدیث وسنت کے نام لیواؤں کو کافر اور گستاخِ رسول سمجھنے لگے اور انہوں نے ان کے ساتھ ہر قسم کا ناروا سلوک روا رکھا اور متبعین سنت کے ساتھ یہ لوگ وہی سلوک کرنے لگے جو دشمنان اسلام کے ساتھ کرتے تھے بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ان کی تمام تر صلاحیتیں اور قوتیں ان سنت کے متوالوں کے ہی خلاف صرف ہونے لگی تھیں۔

یہ وہ دور تھا جب برصغیر میں مسلمانوں کے زوال کے ساتھ انگریزوں نے ملک پر قبضہ کر لیا تھا اور اس نے ریاستی نظم ونسق چلانے کے لیے سکول، کالج اور یونیورسٹیاں قائم کر کے اپنے مفادات، ضروریات اور اپنے مشنری پروگرام کے مطابق ہندوستان میں اپنا وضع کردہ نصاب رائج کر دیا تھا جبکہ دوسری طرف دینی مدارس میں درس نظامی کا نصاب جاری تھا جو وقت کے بدلتے ہوئے تقاضوں کا ساتھ نہ دے سکا۔ مولانا ندوی لکھتے ہیں:

> ''ملک میں بیک وقت دو نظام رائج ہو گئے۔ ایک دینی نظام تعلیم اور دوسرا لادینی نظامِ تعلیم۔''(۳۰)

اس صورت حال میں نواب صدیق حسن خانؒ نے نہایت حکمت اور دانش مندی کا ثبوت دیا انھوں نے دینی مدارس میں رائج نصاب کی خامیوں اور مسلمانوں کی حالت زار دیکھتے ہوئے (کہ موجودہ نصاب نہ تو مسلمانوں کی قومی و مذہبی روایات سے ہم آہنگ ہے اور نہ ہی اسلامی اقدار کا آئینہ دار ہے اور ریاستی امور کو بھی اس نظام تعلیم سے پیدا ہونے والی افرادی قوت کے ذریعے سے انجام نہیں دیا جا سکتا۔) نصاب تعلیم میں کئی ایک اصلاحات کیں اور ان اصلاحات کے ذریعے قرآن و حدیث کو نصاب تعلیم میں اولیت دی کیونکہ اگر نصاب اقدار کا آئینہ دار نہیں تو نہ تو وہ روحانی اور نظریاتی اقدار پیدا کر سکتا ہے اور نہ ہی معاشرتی و ثقافتی اقدار کو منتقل کر سکتا ہے۔ آپ اسلامی فلسفہ حیات کو تعلیم کی بنیاد قرار دیتے ہوئے اپنی تفسیر فتح البیان میں لکھتے ہیں:

> ''تعلیم کا مقصد دین و دنیا کے لیے فرد کو تیار کرنا ہے، دین کے لیے ایک آدمی اس

وقت ہی بہتر ہوسکتا ہے جب اسے توحید و سنت کی تعلیم دی جائے اور کوئی تعلیم اس وقت تک مکمل اور جامع نہیں ہوسکتی جس کا مقصد کردار کی اصلاح اور درستگی نہ ہو۔''

تعلیم سے فرد میں اعلیٰ اوصاف پیدا کرنا مقصود ہے، سورۃ مجادلہ میں ﴿ یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْکُمْ دَرَجَاتٍ ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''علم سے انسان میں عظمت اور اعلیٰ اوصاف پیدا ہوتے ہیں۔''(۳۱)

آپ طلباء کو ایسی تعلیم دینے کے خواہش مند تھے جو اسے خدا کا شکرگزار اور معاشرے کا صالح فرد بنائے تاکہ وہ نیابت الٰہی کے لیے تیار ہوسکے اور یہ صفات طلباء میں قرآن وسنت کی تعلیمات سے ہی پیدا ہوسکتی ہیں۔ اس لیے آپ ایسی تعلیم کو تعلیم تصور ہی نہیں کرتے جس کا سرچشمہ اور منبع و بنیاد کتاب وسنت نہ ہو، فرماتے ہیں:

وما العلم الا من كتاب وسنة وغيرهما جهل صريح مركب(۳۲)

(علم صرف کتاب وسنت ہی ہے اس کے علاوہ صرف جہالت اور گمراہی ہے)

چنانچہ آپ نے ریاست بھوپال میں جو نصاب نافذ کیا اس کے نصابی خاکہ کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ (۱) جنرل اور لازمی کورسز (۲) اختیاری کورسز (۳) فنی اور پیشہ وارانہ کورسز۔(۳۳)

ہم اس نصاب کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتے اور نہ ہی یہ ہمارا موضوع ہے۔ البتہ اس پر تحقیقی کام کرنے کی ضرورت ہے جو کہ ملک وقوم کے لیے نہایت مفید اور کارآمد ہوگا۔ ہمارا یہاں مقصد یہ ہے کہ آپ نے حدیث کی ترویج و اشاعت کے پیش نظر اپنے اس مرتب اور نافذ کردہ نصاب میں حدیث کو اولیت اور اہم ترین حیثیت دی۔ حدیث کی کتب صحاح ستہ و دیگر کتب حدیث و اصول حدیث کو جنرل اور لازمی کورس کے طور پر متعارف کروایا تاکہ ہر مسلمان طالب علم قرآن و سنت کی تعلیمات براہ راست حاصل کر کے اس پر عمل پیرا ہوسکے اور ان کی تبلیغ و ترویج کرسکے۔

آپ کے مدوّن کردہ نصاب کی تفصیل کے لیے آپ کی کتاب ''سلسلة العسجد فی مشائخ السند'' کا مطالعہ مفید رہے گا۔

حفظ حدیث کا اہتمام

محی السنۃ والا جاہ نواب صدیق حسن خانؒ نے اپنی تمام زندگی اور اپنی تمام تر صلاحیتیں علم

حدیث کے فروغ کے لیے وقف کر رکھی تھیں۔ آپ نے اپنی تمام علمی، عملی، تقریری، تحریری، مالی اور حکومتی صلاحیتوں، وسائل اور اختیارات کو علم حدیث کی اشاعت و ترویج میں صرف کیا۔ آپ نے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے مدارس و جامعات میں علم حدیث کی تعلیم و تدریس کے ساتھ ساتھ حفظ حدیث کا بھی اہتمام کیا اور اس سلسلے میں طلبہ و علماء کو ترغیب دینے کے لیے انعامات دینے کا بھی اعلان کیا۔ چنانچہ صحیح بخاری کے حفظ کرنے کے دوران ماہانہ تیس روپے اور صحیح بخاری مکمل حفظ کرنے پر ایک ہزار روپے نقد مقرر فرمائے اور طلبا کو حفظ کے دوران اور مکمل حفظ کرنے پر مقررہ وظائف دیے جاتے رہے۔ جناب عبدالرشید عراقی اس سلسلے میں رقم طراز ہیں:

> ''صدیق الحسن صاحب نے قرآن پاک کے حفظ کی طرح حفظ حدیث کا بھی اہتمام فرمایا تھا اس پر ماہانہ مشاہرہ مقرر کیا تھا چنانچہ مولوی حکیم عبدالوہاب نابینا دہلوی اور مولانا عبدالتواب غزنوی نے اس سعادت میں حصہ لیا۔''(۳۴)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حدیث رسول ﷺ سے کس قدر محبت رکھتے تھے اور علم حدیث کو عام کرنے میں آپ کی کس قدر جدوجہد شامل ہے۔ یقیناً یہ وہ کارنامہ ہے جو صدیوں تک یاد رکھا جائے گا لیکن بدقسمتی سے آپ کی وفات کے بعد یہ سلسلہ آگے نہ بڑھ سکا ورنہ ایک بار پھر امت مسلمہ میں حفاظ قرآن مجید کی طرح حفاظ حدیث بھی کثرت سے ملتے۔

☆.............................☆

فصل دوم

علماءِ کرام کو اشاعتِ حدیث کی ترغیب اور علماء بورڈ کا قیام

محی السنۃ نواب صدیق حسن مرحوم جہاں خود حدیث کی تبلیغ و اشاعت کا فریضہ پوری تندہی سے انجام دیتے رہے وہاں علماء کرام میں بھی حدیث کی نشر و اشاعت اور اس کے فروغ کے لیے

تشویق پیدا کرتے رہے، انہیں کتب حدیث کی شروحات و تراجم لکھنے کے لیے ابھارتے رہے اور صرف زبانی ترغیب دینے و ابھارنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس سلسلے میں انہیں ہر قسم کی مراعات اور سہولتیں بھی مہیا کرتے رہے تاکہ وہ دلجمعی سے قرآن و حدیث کی اشاعت کرسکیں۔ آپ تراجم و شروح لکھنے کے لیے انہیں ان کی ضروریات کے مطابق کتب بھی فراہم کرتے تھے۔ چنانچہ اس سلسلے میں آپ نے باقاعدہ علماءِ حدیث پر مشتمل ایک بورڈ تشکیل دیا۔ جس کے ممتاز اراکین میں شیخ محی السنہ مولانا محمد بشیر سہسوانی، مولانا محمد مچھلی شہری، مولانا بشیر الدین محدث، مولانا بدیع الزمان، مولانا وحید الزمان اور مولانا سلامت علی جیراج پوری وغیرہ شامل تھے۔ سید سلیمان ندوی مرحوم لکھتے ہیں:

> ''بھوپال ایک زمانہ تک علمائے حدیث کا مرکز رہا، قنوج، سہسوان اور اعظم گڑھ کے بہت سے اہل علم اس ادارہ میں کام کرتے تھے۔ شیخ حسین یمنی ان سب کے سرخیل تھے۔''(۳۵)

جناب عبدالرشید عراقی بیان کرتے ہیں:

> ''نواب صدیق الحسن نے کتاب وسنت کی تبلیغ کے لیے علماء کا ایک بورڈ قائم کیا جس میں اس وقت کے ممتاز علماء کو شامل کیا مثلاً مولانا محمد مچھلی شہری، مولانا محمد بشیر سہسوانی، مولانا بشیر الدین محدث، مولانا سلامت علی جے راج پوری۔''(۳۶)

اس علماء بورڈ کے باقاعدہ اجلاس منعقد ہوتے جس کی صدارت خود والا جاہ مرحوم کیا کرتے اور اجلاس میں علماءِ کرام کی تبلیغی و تحریری خدمات کا جائزہ لیا جاتا اور شاندار خدمات پر زبردست حوصلہ افزائی کی جاتی نیز آئندہ کا کام (ٹارگٹ) دیا جاتا اور علم حدیث پر باقاعدہ تحریری خدمات کے لیے عنوانات دیے جاتے تھے۔

مولانا سید عبدالشکور شاہ اثری حفظہ اللہ (۳۷) کی روایت کے مطابق حضرت والا جاہ مرحوم علماءِ کرام کی خدمات پر انہیں خوب خراج تحسین پیش کرتے اور ان کی حوصلہ افزائی کرتے، آپ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے ایک اجلاس میں مولانا محمد بشیر سہسوانی مرحوم نے اپنی تالیف کردہ کتاب علماء کے سامنے پیش کی۔ بورڈ کے ممبران نے باقاعدہ اس کا جائزہ لینے کے بعد جب اس کو نہایت اعلیٰ اور مفید پایا تو نواب صاحب مرحوم نے اپنی پگڑی اپنے سر سے اتار کر مولانا بشیر سہسوانی کے

انکار کے باوجود ان کے سر پر رکھ دی۔

انہیں علماء کرام میں مولانا وحید الزمان اور مولانا بدیع الزماں بھی شامل ہیں۔ مولانا وحید الزمانؒ (متوفی ۱۳۳۸ھ) پہلے متعصب حنفی المذہب تھے۔ تحقیق کے بعد نہ صرف کتاب و سنت سے وابستہ ہوئے بلکہ کتاب و سنت کے داعی بن گئے اور تقلید کے بجائے اتباعِ سنت کا مشرب اختیار کر لیا۔ آپ نے ۱۲۹۴ھ میں حجاز مقدس میں قیام کا پروگرام بنایا۔ مولانا کے برادر اکبر مولانا بدیع الزماں کے ذریعے نواب مرحوم کو ان کے اس ارادے کا علم ہوا تو نواب مرحوم (جو کہ نہایت زیرک اور مردم شناس تھے اور حدیث کی نشر و اشاعت کے سلسلے میں مردانِ بلند ہمت کے متلاشی تھے اور ان کی شدید خواہش تھی کہ کتب حدیث کے اردو زبان میں تراجم شائع ہونے چاہئیں تاکہ عوام الناس براہ راست ان سے استفادہ کر سکیں) نے مولانا بدیع الزماں اور وحید الزمان کو کتب حدیث کے تراجم کے لیے منتخب فرمایا، ان دونوں علماء کے ذمہ صحاح ستہ کے تراجم کا کام لگایا اور انہیں پچاس پچاس روپے ماہانہ بطور وظیفہ دینے کا وعدہ کیا۔

مولانا عبدالحلیم نواب صاحب مرحوم کے باصلاحیت افراد کے انتخاب اور ان سے کام لینے کی کاوشوں کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

> "علامہ وحید الزماں کے بڑے بھائی مولانا بدیع الزماں کو نواب صدیق حسن مرحوم نے حدیث کی کتابوں کے تراجم کے سلسلے میں پچاس روپے ماہوار پر مقرر کر رکھا تھا ...... جب نواب صاحب کو مولانا بدیع الزمان کے ذریعے علامہ وحید الزماں کی علمی شخصیت کا علم ہوا تو آپ نے صحاح ستہ کے ترجمے کا کام آپ کے سپرد کیا اور لکھ بھیجا جب تک حجاز میں قیام رہے گا، پچاس روپے ماہوارِ برابر پہنچتے رہیں گے۔ مولانا بدیع الزماں اس پیشکش کو پہلے ہی منظور کر چکے تھے، اس طرح صحاح کے تراجم کا آغاز ہوا اور یہ پہلا ترجمہ ہے جو سرزمین حجاز میں لکھا گیا۔"(۳۸)

نواب مرحوم نے کتب حدیث کے تراجم کو عام فہم بنانے کی ہدایات بھی دیں۔ مولانا عبدالحلیم بیان کرتے ہیں کہ نواب مرحوم نے فرمایا: "ترجمہ صحاح ستہ اس طرح ہو کہ اسانید و ذکر روایت بالکل حذف کر دیا جائے کیونکہ عوام کو اس سے فائدہ حاصل نہیں ہے اور خواص کو ممکن ہے۔ اگر ضرورت کسی سند کی دیکھنے کی پیش آئے تو اس

کتاب میں ملاحظہ کرلیں۔ الفاظ حدیث پورے ذکر کر کے ترجمہ عام فہم کیا جائے۔ اور اس بات کا خیال رکھا جائے کہ عبارت طویل نہ ہو، ورنہ یہ کتاب ایک دفترِ عظیم ہوجائے گی۔ صرف مضمون حدیث ہی بیان کیا جائے۔"(۳۹)

مولانا عبدالحلیم مزید لکھتے ہیں:

"صحیح مسلم کے ترجمہ سے پہلے بخاری شریف کے ترجمے کا ارادہ تھا مگر صحیح بخاری کی شرح میں فتح الباری کو نہایت اہمیت حاصل ہے وہ علامہ وحید الزماں کے پاس نہ تھی۔ اس لیے آپ کو اس کا ترجمہ کرنے میں تامل تھا، ادھر نواب سید صدیق حسن مصر میں اس کی طباعت کا انتظام فرما رہے تھے، انہوں نے بھی یہی مشورہ دیا کہ اس عرصہ میں مسلم شریف کا ترجمہ کیا جائے ...... جب علامہ وحید الزماں صحیح مسلم کے ترجمے سے فارغ ہوئے تو خیال ہوا کہ اب بخاری کا ترجمہ ہو اور اس کی ایسی جامع شرح کردی جائے کہ قاری کو پھر کسی دوسری کتاب کی تلاش کی چنداں ضرورت نہ رہے۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خاں سے مشورہ کیا گیا، نواب صاحب نے بھی اس سے اتفاق کیا اور بخاری شریف کا ترجمہ شروع ہوگیا۔"(۴۰)

چنانچہ نواب مرحوم کے تعاون وتحریک سے مولانا وحید الزماں اور مولانا بدیع الزماں نے میدان حدیث میں نہایت نمایاں خدمات سرانجام دیں اور صحاح ستہ کے تراجم ان کے ہاتھوں پایہ تکمیل کو پہنچے، صحاح ستہ کے علاوہ بھی مولانا وحید الزماں نے علومِ حدیث میں کئی ایک کتابیں لکھیں: مولانا وحید الزماں کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

(۱) تسہیل القاری شرح بخاری (اردو)

(۲) تیسیر الباری ترجمہ صحیح بخاری۔

(۳) کشف المغطاء عن الموطا

(۴) الھدی المحمود ترجمہ سنن ابی داؤد

(۵) المعلم ترجمہ صحیح مسلم۔

(۶) رفع العجاجۃ عن ترجمۃ سنن ابن ماجۃ

(۷) روض الربی من ترجمۃ المجتبی۔

الغرض آپ کے قائم کردہ علماء بورڈ نے اس ضمن میں نہایت وقیع اور گراں قدر کام کیا، اگر ان علماء کرام کی خدمات کا علیحدہ علیحدہ جائزہ لیا جائے تو طویل وقت اور ہزاروں صفحات درکار ہوں گے۔

☆..........................☆

فصل سوم

کتب خانے ومطابع

(الف) کتب خانے:

محی السنۃ نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے اپنے عہد زرّیں میں جہاں علم وحکمت، تصنیف و تالیف، علماء بورڈ و مدارس کے قیام اور مالی خدمات سے علم حدیث کی آبیاری کی وہاں حدیث کے فروغ اور علومِ حدیث کی اشاعت وترویج کے لیے کتب خانے ومطابع بھی قائم کیے۔

کتب خانے کی اہمیت اہل علم پر واضح ہے، کتب خانے کے بغیر عالم خالی ہاتھ اور نہتے مجاہد کی طرح ہے اور جس طرح مجاہد کی زندگی بغیر ہتھیار کے ادھوری اور باعث خطرہ ہے، اسی طرح ایک عالم و فاضل شخص کی زندگی بھی بغیر کتب خانے کے ادھوری اور نا تمام ہے۔ اس لیے ہر دور میں اہل علم نے کتب خانے قائم کرنے پر توجہ دی اور اپنی ضروریات زندگی سے کچھ نہ کچھ بچا کر اُسے کتابوں کی خریداری پر لگاتے رہے، خود نواب صدیق حسن خاں نے اپنی تمام زندگی کتابوں کو جمع کرنے اور ان کی اشاعت میں گزاری۔ آپ کی ذاتی لائبریری ہزاروں کتب پر مشتمل تھی۔

نواب مرحوم نے حکومتی سطح پر بھی پبلک کتب خانوں کے قیام میں بھی خاصی دلچسپی لی، چنانچہ آپ کے عہد باسعادت کے چار کتب خانے مشہور ہیں:

(۱) کتب خانہ والا جاہی

(۲) کتب خانہ خاص سرکاری
(۳) کتب خانہ فیض عام
(۴) کتب خانہ جامعہ جہانگیری

(۱) کتب خانہ والا جاہی:

اس کتب خانے کے بارے میں صاحبِ مآثرِ صدیقی لکھتے ہیں:

''یہ علوم کتاب وسنت، تاریخ وسیر اور فنون ادبیہ اور تصوف وغیرہ کی عزیز الوجود اور بے نظیر کتابوں کا ایک خزینہ تھا جس کی مثال ہندوستان میں ملنا دشوار ہے، والا جاہ مرحوم کی کثیر التعداد اور ضخیم تالیفات نے کتب خانہ کی شان اور دوبالا کر دی تھی، اول یہ کتب خانہ یکجائی رہا اور بعد ازاں والا جاہ مرحوم نے اپنی وفات سے کچھ پہلے اس کو اپنے اخلاف پر تقسیم کر دیا مگر افسوس ہے کہ ترک وطنی اور زمانہ کی دستبرد اور اخلاف کے انقلاب حالت کے سبب سے وراثتاً تقسیم در تقسیم ہو کر ایک معتد بہ حصہ تو اس کا ضائع ہو گیا مگر پھر بھی اس کا ایک بڑا گراں بہا حصہ باقی رہا جو کاتب الحروف اور برادر معظم مرحوم ومغفور کے پاس محفوظ ہے۔ میں نے وقت حاضرہ میں علوم قدیمہ کی جانب سے زمانہ کی نگاہ پھری ہوئی دیکھ کر مناسب خیال کیا کہ نایاب کتب کا ایک بڑا حصہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کی نذر کر دیا جائے جو ہندوستان میں مسلمانوں کا مسلمہ مذہبی مرکز اور سب سے زیادہ نامور وممتاز ہے تاکہ کتب خانہ صدیقی کے نام سے بطور قومی امانت کے یہ نایاب کتب کا حصہ محفوظ ومصئون رہے اور تمام مسلمانان ہندوستان اور شائقان علم کو یکساں مستفید ہونے کا ان سے موقع ملے۔ البتہ ایک مختصر حصہ اس کا میں نے اپنے اخلاف کے لیے رہنے دیا ہے تاکہ وہ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں۔''(۴۱)

(۲) کتب خانہ خاص سرکاری:

نواب مرحوم اپنے حکومتی اختیارات اور منصبی قوتوں کو قرآن وحدیث کی تعلیمات کے فروغ کے لیے بہ اندازِ احسن استعمال کرتے تھے۔ چنانچہ جہاں ریاستی سطح پر آپ نے لاتعداد دینی فرائض

انجام دیے وہاں ایک سرکاری کتب خانہ بھی قائم کیا جس میں ہزاروں کی تعداد میں کتب مہیا کی گئیں۔سید علی حسن خاں لکھتے ہیں:

''کتب خانہ خاص سرکاری جو تاج محل میں تھا اور اس میں مختلف علوم وفنون کی بیش بہا کتابوں کا نایاب ذخیرہ تھا۔''(۴۲)

(۳) کتب خانہ فیض عام:

یہ کتب خانہ جامعہ سلیمانیہ میں قائم کیا گیا تھا اس میں علوم قرآن وتفسیر، علوم حدیث سمیت دیگر علوم پر متنوع، شہرۂ آفاق اور مشہور زمانہ کتب موجود تھیں۔

(۴) کتب خانہ جامعہ جہانگیری:

جامعہ جہانگیری میں ایک بہت بڑا کتب خانہ تھا جس میں درسی ومروجہ کتب کے علاوہ نئی اور جدید کتب بھی شامل تھیں اور قرآن وحدیث کے علوم پر سینکڑوں کتب اس کتب خانے کی عظمت کو چار چاند لگاتی تھیں۔صاحب مآثر کے بقول اس میں کم وبیش بارہ ہزار کتب قابل تقسیم رہا کرتی تھیں اور طلبہ مدارس وشائقین علم کی درخواست پر صدہا کتابیں ہر مہینے مفت تقسیم کی جاتی تھیں، نیز ہندوستان کے مختلف مقامات سے سلسلہ عرائض عطایائے کتب کے متعلق جاری رہتا تھا۔''(۴۳)

(ب) مطابع یعنی پریس

مطابع اور پریس علم کی اشاعت وفروغ کا بہت بڑا ذریعہ اور سبب ہیں کوئی بھی قوم یا ملک مطابع کے بغیر ترقی نہیں کرسکتا۔اس کی ضرورت واہمیت کو محسوس کرتے ہوئے ریاست بھوپال میں چار پریس قائم کیے گئے جو کہ حسب ذیل ہیں:

(۱) مطبع صدیقی

(۲) مطبع شاہ جہانی

(۳) مطبع سلطانی

(۴) مطبع سکندری

سلطانی اور سکندری پریسوں میں حکومتی اشتہارات، نقشہ جات، اسٹام اور دیگر حکومتی

دستاویزات شائع ہوتی تھیں۔ جب کہ شاہ جہانی پریس میں نواب صدیق حسن خاں کی تالیفات و تصنیفات، درسی کتب اور ہفت روزہ اخبار ''عمدۃ الاخبار'' چھپتا، تھا سید علی حسن خان لکھتے ہیں:

''اس میں تالیفات والا جاہ مرحوم اور کتب درسیہ اور ایک اخبار ہفتہ وار چھاپا جاتا تھا جو عمدۃ الاخبار کے نام سے موسوم تھا۔ جس میں گورنمنٹ گزٹ کا خلاصہ اور بھوپال کی خبریں درج ہوا کرتی تھیں اور اس میں بعض مضامین علمیہ و لطائف شعریہ اور قصائد و قطعات تاریخی وغیرہ بھی چھپا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ خلا مکان نے مطبع شاہ جہانی میں خاص طور پر بڑے اہتمام بلیغ سے قرآن مجید طبع کرایا تھا جو اب بھی جا بجا موجود ہے۔ اس کی نسبت یہ اتفاق عام ہے کہ اس میں ایک حرف، ایک نقطہ اور ایک اعراب کا بھی فرق نہیں ہے۔''(۴۴)

سید علی حسن خاں، صدیقی پریس کے بارے میں اس طرح رقم طراز ہیں:

''مطبع صدیقی میں کتب مشہورۂ قدیمہ اور والا جاہ مرحوم کی تالیفات و تصنیفات چھپا کرتی تھیں، کار پردازان مطبع شب و روزان کی نقل و تصحیح طبع میں سرگرم رہا کرتے تھے، بایں ہمہ یہ مطبع کثرت تالیفات کے لحاظ سے ان کی مؤلفات طبع کرنے کے لیے کسی طرح کافی نہ تھا۔ اس لیے مطبع مفید عام واقع اکبر آباد میں والا جاہ نے طبع کتب کا اہتمام خاص طور پر کیا تھا، چونکہ یہ مطبع اپنی خوشخطی، شان مصریت اور نفاست طبع کے لحاظ سے اس وقت ہندوستان بھر میں ممتاز تھا اور جناب صوفی احمد خان مرحوم و مغفور جیسے باخدا اور علم دوست بزرگ اس کے مالک اور نگران کار تھے۔ اس لیے والا جاہ مرحوم کو زیادہ تر اس مطبع کی سرپرستی اور ترقی کا ہر وقت خیال رہا کرتا تھا، اخیر زمانہ میں تو والا جاہ نے اس مطبع کو اپنی کتب مؤلفہ کے انطباع کے لیے مخصوص کر لیا تھا۔''(۴۵)

☆..............................☆

فصل چہارم
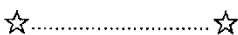
کتب حدیث کی مفت تقسیم اور مالی خدمات

نواب صدیق حسن خاں حدیث رسول اللہ ﷺ کے پیروکار اور شیدائی تھے۔ آپ نے جہاں اپنے علم و عمل اور زبان و قلم سے برصغیر میں حدیث کی اہمیت کو اجاگر کیا وہاں اپنے مال و متاع کو بھی اشاعتِ حدیث کے لیے پانی کی طرح بہا دیا۔ اس سلسلے میں ہم دیکھتے ہیں کہ نواب مرحوم نے علوم حدیث کی کتب جمع کرنے، انہیں شائع کرنے، علماء و طلباء تک پہنچانے، علم حدیث کی کتب پر مبنی کتب خانے قائم کرنے، ان کے چھاپنے کے لیے پریس لگانے، ان کی تدریس کے لیے مدارس بنانے، اس کے فروغ کے لیے علماءِ کرام کی مجالس قائم کرنے، حدیث کی شروحات و تراجم لکھوانے اور حدیث کے حفظ کرانے میں سرکاری و حکومتی وسائل اور بجٹ کو بروئے کار لانے کے ساتھ ساتھ ذاتی طور پر بھی لاکھوں روپے خرچ کیے۔ ان سب کی تفصیلات ان کے اپنے اپنے ابواب میں بیان کی گئی ہے، یہاں ہم چند اہم نکات کا اجمالی تذکرہ کرتے ہیں۔

گزشتہ اوراق میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ نواب صدیق حسن مرحوم نے کس قدر مال خرچ کر کے سفرِ حج میں نایاب کتب حدیث خریدیں اور سفرِ حج کے علاوہ بھی حدیث کی اہم کتب جمع کرنے میں کس طرح محنت و جدوجہد کی اور اس سلسلے میں کس قدر مالی قربانی دی۔ علاوہ ازیں قیام مدارس و تعمیر مساجد اور کتب خانے و مطابع قائم کرنے میں کثیر مال صرف کیا۔ آپ نے صرف نور محل مسجد پر اپنی جیب خاص سے تیس ہزار روپے خرچ کیے۔ نواب صاحب خود لکھتے ہیں:

”نور محل جس کے مردانہ و زنانہ تین قطع الگ الگ ہیں، وہ میرے تینوں بچوں کا غریب خانہ ہے۔ پونے دو لاکھ روپے میں تیار ہوا پھر اور بہت کچھ اس پر صرف ہوا۔ مسجد نور محل خانہ خدا ہے وہ کسی کی ملکیت نہیں ہے۔ میں نے نیت کر لی تھی کہ میرے مال میں جو خالص حلال ہوگا، وہی اس مسجد پر صرف ہوگا، چنانچہ تیس ہزار روپیہ اس مسجد کی تعمیر میں صرف ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس خدمت

کو شرف قبولیت بخشے تو زہے سعادت، یہ سب توفیق رئیسہ معظمہ کی وساطت سے ملی ہے جن کے سبب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ابواب رزق کھول دیے ''ورنہ چہ مہر سن'' ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم .''(۴۶)

حفظ حدیث کے سلسلے میں آپ نے صحیح بخاری کے حفظ کرنے کے دوران تیس روپے ماہانہ اور مکمل حفظ کرنے پر ایک ہزار روپے دینے کا اعلان کیا۔(۴۷)

ہم گزشتہ سطور میں بھی یہ بیان کر چکے ہیں کہ آپ نے کتب حدیث کے تراجم اور شروح لکھوانے اور انہیں شائع کرنے کا بہترین بندوبست کیا۔ تراجم و شروح حدیث کے سلسلے میں آپ نے اہل علم کو وظائف دیے اور انہیں اچھی کارکردگی پر بہترین انعامات سے نوازا، ان کی کتب حدیث کے تراجم اور شروح کو چھپوایا اور انہیں اہل علم اور طلبہ میں مفت تقسیم کیا، جن کتب کو آپ نے اپنی جیب خاص سے چھپوا کر مفت تقسیم کیا، ان میں درج ذیل کتب نمایاں ہیں۔

(۱) فتح الباری شرح بخاری

(۲) نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار

(۳) تفسیر ابن کثیر

آپ نے یہ کتب ہزاروں روپے خرچ کر کے مطبع بولاق مصر سے چھپوائیں۔ صرف فتح الباری کی طباعت پر بچاس ہزار روپے خرچ ہوئے، ان کتب کے علاوہ آپ نے اپنی تالیفات و تصنیفات کو چھپوا کر مفت تقسیم کیا جن میں تفسیر فتح البیان فی مقاصد القرآن، عون الباری شرح صحیح بخاری، السراج الوہاج شرح صحیح مسلم، مسک الختام شرح بلوغ المرام، فتح العلام شرح بلوغ المرام نمایاں ہیں۔ مسک الختام کی طباعت کے لیے اپنا سارا کتب خانہ فروخت کر ڈالا جس کا تذکرہ آپ نے اپنی سوانح ابقاء المنن اور روض الخطیب میں کیا ہے۔ سید علی حسن لکھتے ہیں:

> ''آپ نے بلوغ المرام کی ایک شرح بسیط لکھی جس کا نام مسک الختام ہے، اس کتاب کے چھپنے کی اجرت میں انہوں نے اپنا سارا کتب خانہ سابق فروخت کر کے اس کا تمام زر قیمت صرف کر دیا۔''(۴۸)

خود نواب مرحوم کتب کی اشاعت و طباعت کے بارے میں فرماتے ہیں:

> ''میرا اکثر مال علوم کتاب و سنت کی اشاعت میں صرف ہوا ہے، میں نے ہر کتاب کو

ایک ہزار کی تعداد میں طبع کروا کر قریب و بعید کے تمام ممالک میں تقسیم کیا ہے، اگرچہ ان پر ہزاروں روپے صرف ہوئے ہیں تاہم کبھی کسی کتاب کی قیمت وصول نہیں کی۔'' (۴۹)

☆..........☆..........☆

حواشی

۱۔ سلیم حامد، اردو ادب کی ترقی میں بھوپال کا حصہ، ص:۵۴

۲۔ نوشہروی، ابو یحیٰی امام خاں، تراجم علمائے حدیث ہند (مقدمہ از سید سلیمان ندوی، ج:۱، ص:۳۶)

۳۔ عراقی، عبدالرشید، نواب صدیق حسن کی خدمت حدیث، ترجمان القرآن، لاہور، ج:۹۷۔ اپریل ۱۹۸۲ء

۴۔ علی حسن خاں، سید، مآثر صدیقی، ج:۳، ص:۱۰۸۔۱۰۷ لکھنو، مطبع نول کشور ۱۹۲۴ء

۵۔ ایضاً ص:۱۱۱

۶۔ ایضاً ص:۱۱۰

۷۔ ایضاً

۸۔ صدیق حسن خان، سید، ابجد العلوم ج:۲، ص:۱۲۹، لاہور مکتبہ قدوسیہ ۱۹۸۳ء

۹۔ صدیق حسن خان، سید، منہج الوصول الی اصطلاح احادیث الرسول، ص:۱۰۲، بھوپال شاہ جہانی ۱۲۹۲ء

۱۰۔ ایضاً

۱۱۔ ابجد العلوم ج:۲، ص ۱۲۹

۱۲۔ صدیق حسن خاں، سید، سلسلۃ العسجد فی مشائخ السند، ص:۵۱، بھوپال، مطبع شاہ جہانی ۱۲۹۳ھ۔

۱۳۔ منہج الوصول الی اصطلاح احادیث الرسول:۱۰۱

۱۴۔ ابجد العلوم ج:ص:۱۳۰

۱۵۔ ایضاً ص:۱۳۱

۱۶۔ ایضاً ص:۱۳۰

۱۷۔ ابقاء المنن ص:۱۰۷

۱۸۔ ابجد العلوم ج:۲ص:۱۳۰

۱۹۔ ایضاً ص:۱۳۱

۲۰۔ ایضاً ص:۱۳۱

۲۱۔ ایضاً ص:۱۳۳تا۱۳۱

۲۲۔ ایضاً ص:۲۴۰

۲۳۔ ایضاً ص: ۲۴۴
۲۴۔ ایضاً ص: ۲۴۴
۲۵۔ ایضاً ص: ۲۴۸
۲۶۔ ایضاً، ج: ۲
۲۷۔ بختیار حسین صدیقی، برصغیر پاک و ہند کے قدیم عربی مدارس کا نظام تعلیم ص: ۵، لاہور ادارہ ثقافت اسلامیہ ۱۹۸۳ء
۲۸۔ ایضاً ص: ۲۷
۲۹۔ ایضاً ص: ۲۷
۳۰۔ ایضاً ص: ۳۵
۳۱۔ صدیق حسن خاں، سید، تفسیر فتح البیان ج ص ۴۲
۳۲۔ ابجد العلوم، ج: ۲، ص
۳۳۔ تفصیل کے لیے نواب صدیق حسن خاں کی کتاب سلسلۃ العسجد فی مشائخ السند ملاحظہ فرمائیں۔
۳۴۔ عراقی، عبدالرشید، نواب صدیق الحسن کی خدمت حدیث، ترجمان القرآن، لاہور ج ۹۷
۳۵۔ نوشہروی ابویحییٰ امام خاں، تراجم علمائے حدیث ہند (مقدمہ از سید سلیمان ندوی، ج ۱: ص ۳۶)
۳۶۔ عراقی، عبدالرشید، نواب صدیق الحسن کی خدمت حدیث، ترجمان القرآن، لاہور ج: ۹۷، اپریل ۱۹۸۲ء
۳۷۔ سید عبدالشکور شاہ اثری صاحب قرآن و سنت کے بڑے عالم اور مستند حدیث کے مثالی استاد ہیں۔ المکتبہ الاثریہ سانگلہ ہل کے نام سے بہت سی کتب شائع کر چکے ہیں۔ آج کل مرکز تعلیم الاسلام ستیانہ بنگلہ ضلع فیصل آباد میں نائب شیخ الحدیث ہیں۔
۳۸۔ محمد عبدالحلیم۔ حیات وحید الزمان، ص: ۸۵، کراچی، مطبع کارخانہ، تجارت کتب ۱۹۵۷ء
۳۹۔ ایضاً ص: ۱۲۸
۴۰۔ ایضاً ص: ۱۳۳۔۱۳۲۔
۴۱۔ مآثر صدیقی ج: ۳، ص: ۱۱۳۔۱۱۲
۴۲۔ ایضاً
۴۳۔ ایضاً
۴۴۔ ایضاً ج: ۳، ص ۱۱۴
۴۵۔ ایضاً ص: ۱۱۵۔۱۱۴
۴۶۔ ابقاء المنن ص: ۱۶۲۔۱۶۱
۴۷۔ محمد اسلم سیف، تحریک اہل حدیث، تاریخ کے آئینے میں، ص ۳۷۷۔ ماموں کانجن، مکتبہ تعلیم اسلامیہ
۴۸۔ مآثر صدیقی، ج: ۲، ص: ۷
۴۹۔ ابقاء المنن، ص: ۷۵

☆..........☆..........☆

باب ہفتم

نواب صدیق حسن کی علوم حدیث میں تصنیفی خدمات کا جائزہ

فصل اوّل

ذوقِ مطالعہ اور تصنیف و تالیف

ہم آپ کی تصنیفی خدمات کا جائزہ لینے سے قبل پہلی فصل میں آپ کی تصنیفات کے حوالے سے چند بنیادی امور پر بحث کریں گے تا کہ آپ کی تصنیفات و تالیفات کا معیار تحقیق، اسلوب نگارش، مقصد تالیف و تصنیف اور ان تالیفات کے اثرات و نتائج واضح ہوسکیں، اسی لیے ہم نے اس باب کو دو فصلوں میں تقسیم کیا ہے۔

کتب بینی و جمع کتب

نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے قرآن و حدیث کی تعلیمات کو عام کرنے اور ان کے فروغ کے لیے تصنیف و تالیف کے میدان کو باقی میدانوں پر ترجیح دی، اگرچہ باقی شعبۂ ہائے حیات میں بھی آپ کی خدمات قابل رشک ہیں لیکن تصنیف و تالیف کے میدان میں تو آپ نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیے جو رہتی دنیا تک نشانِ عظمت بنے رہیں گے اور جنہیں ہمیشہ خراج تحسین پیش کیا جاتا رہے گا۔

یہ ایک مسلّمہ بات ہے کہ تصنیف و تالیف کا کام علمی صلاحیتوں کے استحکام اور کتب کے پورے انہماک کے ساتھ مطالعہ کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ اس لیے والا جاہ مرحوم نے بنیادی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنی پوری توجہ کتب کے حصول پر مرکوز کردی۔ اس سلسلے میں آپ نے بعض قلمی

نسخوں کو نقل کیا جب کہ بعض کو خریدا۔

جن کتب کو آپ نے نقل کیا ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

آپ نے دوران تعلیم ہی بعض کتب نقل کیں جن میں اردو ترجمہ منبہات ابن حجر مکی، امام غزالیؒ کی حدیث میں حبل المتین اور اربعین فی اصول الدین وغیرہ شامل ہیں۔ ازاں بعد جب آپ سفر حج پر گئے تو اس سفر کے دوران بھی آپ نے آتے جاتے کئی کتب و رسائل نقل کیے جن میں حدیث کی مشہور کتاب سنن دارمی، صارم منکی، السیاسۃ الشرعیۃ اور سید محمد اسماعیل کے تالیف کردہ بیس، پچیس رسائل شامل ہیں۔ (۱)

کتب کی نقول کے ساتھ ساتھ آپ نے بعض ایسی کتب بھی خریدیں جو برصغیر میں نایاب تھیں۔ آپ نے ان کتب کی خریداری پر بے شمار دولت صرف کی جن کے بارے میں مآثر صدیقی کے مؤلف لکھتے ہیں:

''بہت سی نایاب کتابیں انہوں نے عرب سے منگوائیں مثلاً ابن حجر عسقلانی، ذہبی، شعرانی، منذری، سفارینی، ابن جوزی، امام سیوطی، حافظ ابن قیم، شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ، سید محمد بن اسماعیل اور قاضی محمد علی شوکانی رحمہم اللہ تعالیٰ کی تالیفات وغیرہ، یہ کتابیں ہندوستان میں کبریت احمر اور عنقاء مغرب کی طرح مفقود تھیں، ان میں بعض مولفات ایسی بھی ہیں جو مولفین کے قلم کی لکھی ہوئی ہیں یا ان پر مولفین کے دستخط ثبت ہیں پھر ان میں بعض دو سو، تین سو، چار سو سال کی تالیف کی ہوئی ہیں اور بعض کی تالیف کو چھ سات سو اور آٹھ سو سال کا زمانہ گزر چکا ہے۔'' (۲)

آپ مطالعہ کے بڑے رسیا تھے اور آپ نے ہر قسم کی، جملہ علوم کی اور ہر مکتبہ فکر کی کتب کا عمیق مطالعہ کیا اور مطالعہ کرنے کے بعد ان میں موجود مواد کی خوب تحقیق کی پھر تصنیف و تالیف کے میدان میں قدم رکھا، کوئی کتاب آپ نے ایسی نہیں لکھی جس کے لکھنے سے پہلے آپ نے اس موضوع پر دستیاب تمام کتب کا تحقیقی مطالعہ نہیں کر لیا اور آپ کا یہ دعویٰ ہے کہ آپ کے معاصرین میں سے کسی کو بھی ائمہ اسلام کی کتابوں پر اس قدر عبور حاصل نہیں ہے جتنا آپ کو ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے ہزارہا کتابوں کا باریک بینی سے مطالعہ کیا ہے اور ہر موضوع کی اکثر و بیشتر کتب کا بڑی محنت و عرق ریزی سے عمیق نظروں کے ساتھ جائزہ لیا ہے۔ (۳) آپ مختلف مذاہب

کی کتابوں کے مطالعہ کے متعلق فرماتے ہیں:

''ابتدائے طالب علمی میں اس ملک کے رواج کے مطابق میں نے فقہ حنفی کی کتابیں بھی پڑھی تھیں پھر جب شعور بڑھا تو مذاہب ثلاثہ پر بھی عبور حاصل کیا اور مذاہب اربعہ کے فروعی مسائل کے دلائل تک بخوبی معلومات حاصل کرلیں اور راسخ علماء کے قاعدہ کے مطابق ہر مذہب کے دلائل کا میزان تحقیق میں وزن کیا اور جس بات کو دلیل کے اعتبار سے راجح پایا اسی کا قائل ہوگیا۔''(۴)

آپ ایک دوسرے مقام پر علوم وفنون میں اپنی مہارت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مجھے علوم دین کی جملہ انواع سے ایک طرح کی مناسبت طبعی حاصل ہے اور میں علم کی فقط کسی خاص نوع کا ذائقہ گیر نہیں ہوں۔''

من كل شيء لذيذ احتسى قدحا

وكل ناطقة في الكون يطربني

''نصب الذریعہ'' میں جتنے علوم شرعیہ کا میں نے ذکر کیا ہے ان سب میں مہارتِ ضروری اور فہم کفائی رکھتا ہوں، اگرچہ میرا زیادہ تر شغف علم تفسیر، شروح حدیث اور متون حدیث سے ہے، فقہ سنت کو ویسا ہی جانتا، سمجھتا ہوں جس طرح مقلدین اپنے مذاہب کی فقہ کو سمجھتے ہیں ...... فقہ، سنت، اصول فقہ اور علم تفسیر میں جو دستگاہ مجھے حاصل ہے وہ کسی اور کو نہیں۔ (۵)

بہرحال آپ نے تصنیف وتالیف سے پہلے خوب کتب بینی کی اور مختلف علوم وفنون پر مشتمل سلف کی کتب پر پوری گرفت کرنے کے بعد قلم اٹھایا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنی تصنیفات کو'' اجمع مافی الباب'' اور'' خطیب فی المحراب'' قرار دیتے ہوئے کہا ہے:

''میرے خیال میں ہر تالیف عربی، فارسی یا اردو کسی زبان میں بھی ہو اپنے باب میں '' اجمع ما فی الباب '' اور '' خطیب فی المحراب '' ہے اور تحقیقی و مدلل ہونے کے اعتبار سے دیگر لوگوں کی تصنیفات کی نسبت فائق ہے بلکہ اس فن کی دیگر کتب سے مستغنی کردینے والی ہے۔''(۶)

تالیف وتصنیف کا مقصد اور نصب العین

''والا جاہ'' مرحوم ایک عظیم اور منجھے ہوئے عالم تھے آپ اس بات کو بخوبی جانتے تھے کہ

زندگی کا ایک ایک سانس بڑا قیمتی ہے اور زندگی کی ایک ایک گھڑی کے بارے میں قیامت کے روز سوال ہونا ہے۔ اس لیے آپ نے ایک بامقصد زندگی گزاری اور زندگی میں جو کام بھی کیا وہ ایک مقصد کے تحت کیا۔ آپ کی زندگی کا زیادہ تر حصہ تصنیف و تالیف میں بسر ہوا اور آپ نے اس میدان میں اپنے نصب العین اور آدرش کو ملحوظ رکھا، وہ نصب العین کیا تھا؟ یقیناً یہ عظیم نصب العین رضائے الٰہی تھا اور رضائی الٰہی کے حصول کے لیے آپ نے راہ حق کی تلاش میں یہ کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ آپ اپنی تصنیفات و تالیفات کے اسباب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ہر چند میں نے یہ کتابیں اپنے استفادہ کے لیے لکھی ہیں کسی کے افادہ کے لیے نہیں لکھیں لیکن اس کے باوجود دوسروں کے لیے نہایت مفید ہیں ان کی تصنیف سے اولاً مقصود اپنا نفع ہے کہ ہر حکم اور ہر مسئلہ میں حق کا باطل سے اور صحیح واصح کا اضعف و ضعیف سے امتیاز حاصل ہو جائے اور دلیل سے ثابت شدہ اور محض رائے سے لکھی گئی بات میں فرق نمایاں ہو جائے۔ ثانیاً اس سے ان مسلمانوں کا فائدہ بھی مقصود ہے جو کسی تعصب کے بغیر حق کے طالب ہیں اور جادۂ مستقیم پر چلنا چاہتے ہیں۔''(۷)

پس ثابت ہوا کہ آپ کا تالیف و تصنیف کا مقصد اور نصب العین یہ تھا کہ خود بھی صراط مستقیم تلاش کر سکیں جس پر چل کر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضا حاصل ہو جائے اور دوسرے مسلمانوں کے لیے بھی یہ کتب مستقل راہ ہدایت بن جائیں اور وہ بھی صراط مستقیم پر چل کر جنت کے وارث بن جائیں۔

آپ نے ان تصانیف کے ذریعے حضور اکرم ﷺ کے پیغام کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچانے کی سعی کی تاکہ مسلمان براہ راست قرآن و حدیث کے پیروکار بن جائیں کیونکہ قرآن و حدیث ہی اصل دین اور علوم کا منبع ہیں، رسول اکرم ﷺ نے اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں قرآن و حدیث کی اہمیت واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا۔

((تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةِ رَسُوْلِهِ)) (۸)

(لوگو! میں تم میں دو چیزیں اللہ کی کتاب قرآن مجید اور اپنی سنت (حدیث) چھوڑ کر جا رہا ہوں، اگر تم نے ان کے دامن کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھا تو قیامت تک

ہدایت پر ہی رہو گے اور کبھی سیدھے راستے سے نہیں ہٹو گے)۔

امام کائنات ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ آیَةً)) (۹)

نیز فرمایا:

((لان یھدی اللہ بك رجلا واحدا خیر لك من حمر النعم)) (۱۰)

(اللہ تعالیٰ اگر تیری وجہ سے ایک آدمی کو ہدایت عطا فرمادے تو یہ تیرے لیے سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے)

مذکورۃ الصدر فرمودات نبوی ﷺ کے پیش نظر والا جاہ مرحوم نے قرآن وحدیث کی ترویج اور اس کی تبلیغ کے فریضے اور اس کی اہمیت وعظمت کے پیش نظر ہی تصنیف وتالیف کا کام کیا یہی وجہ اور سبب ہے کہ آپ کی تصنیفات خوب شہرت سے ہمکنار ہوئیں اور بلاد عرب وعجم میں پھیل گئیں کیونکہ جو عمل بھی خالص لوجہ اللہ کیا جائے وہ دیرپا اور باقی رہنے والا ہوتا ہے۔

(ج) مقبولیت تالیفات

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَالَّذِیْنَ جٰھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا ﴾ (۱۱)

نواب صدیق حسن خاں نے اپنی زندگی اسلام کی سربلندی اور اسلامی تعلیمات کی نشر و اشاعت کے لیے وقف کر رکھی تھی اور خلوص دل سے قرآن وحدیث کی خدمت میں کمربستہ رہے، جس کے صلے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی کتب کو شہرہ آفاق بنادیا اور اسلامی دنیا کا کوئی ملک یا خطہ ایسا نہیں ہے جس میں آپ کی کتب پڑھی، پڑھائی نہ جاتی ہوں، ہم نے مقدمہ میں مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کا اس سلسلہ میں اقتباس بھی درج کیا ہے، آپ نواب صاحب کے اشاعت وترویج کے پروگرام پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

"۱۹۵۰ء میں قیام مکہ معظمہ کے دوران اکثر شیخ محمد بن مانع (ڈائریکٹر آف ایجوکیشن سعودیہ) سے ملاقات ہوتی شاید کوئی دن خالی جاتا کہ وہ نواب صاحب اور ان کی

تالیفات کا تذکرہ نہ کرتے خاص طور پر وہ ''ابجد العلوم'' کی جامعیت واحتوا کا ذکر فرماتے۔ انہوں نے نواب صاحب کی تصنیفات بڑے شغف اور اہتمام سے پڑھی تھیں۔'' (۱۲)

نواب صاحب علیہ الرحمۃ کی تصنیفی خدمات کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر عظمت و رفعت اور قبولیتِ تامہ بخشی کہ آپ کی زندگی مبارکہ میں ہی طبع ہو کر منصۂ شہود پر آئیں اور مغرب و مشرق میں پہنچیں اور خوب شہرت کی حامل ہوئیں۔ عرب و عجم کے عظیم اور جید علماء نے آپ کی کتب کو نہایت پسند اور مفید پایا اور اس پر تبصرے و تقریظات لکھیں۔

آپ کی یہ مبارک تالیفات برصغیر کے بڑے بڑے شہروں سے طبع ہوئیں جن میں لکھنؤ، کلکتہ، بمبئی، عظیم آباد، سلہٹ، جہانگیر نگر، ٹونک، رام پور، پشاور، حیدر آباد دکن، اکبر آباد، لاہور، دہلی، بنارس، کشمیر اور بھوپال وغیرہ شامل ہیں۔

برصغیر کے علاوہ کئی دیگر ممالک کے بڑے بڑے شہروں میں بھی طبع ہوئیں جن میں مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، مصر، شام، عراق، دمشق، کابل، تہران، نجد، اسکندریہ، یمن، صنعا، بیروت اور خراسان وغیرہ خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ (۱۳)

اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس خدمت جلیلہ کو اس قدر قبولیت سے سرفراز فرمایا کہ آپ کے زمانہ میں ہی آپ کے ہم عصر علماء نے آپ کی تالیفات پر جاندار تبصرے، شاندار مضامین اور عظیم الشان تقریظات کے علاوہ مدحیہ اشعار بھی لکھے۔ ان علماء کرام میں شیخ محمد بن عبداللہ امام و مدرس بیت اللہ الحرام، سید حسن تاج المدنی خطیب و امام مسجد نبوی مدینہ منورہ، شیخ محمد بن سعد الدین انصاری یمنی، شیخ امین بن حسن الحلوانی المدنی مدرس مسجد نبوی، شیخ ابراہیم آفندی، شیخ یوسف آفندی، شیخ محمود آفندی مفتی شام، شیخ ابراہیم عبدالغفار مدرس جامعہ از ہر مصر اور بہت سے دیگر علماء و فقہا شامل ہیں۔ (۱۴)

آپ اپنی تالیفات کی مقبولیت کا تذکرہ اس طرح فرماتے ہیں:

''اختلاف لغات کے باوجود میری تمام تصنیفات اطراف و اکناف عالم خصوصاً بلاد حجاز و عرب و مغرب وغیرہ میں میری زندگی میں ہی شرف قبولیت سے نوازی گئی ہیں۔'' (۱۵)

مزید لکھتے ہیں:

''میری تصنیفات جب بلاد عرب و عجم میں منتشر و مروج ہوئیں تو دور دراز کے بہت سے علمائے کرام نے کسی تعارف یا راہ رسم کے بغیر غائبانہ طور پر ہی ان پر تقاریظ لکھیں اور صدہا خطوط بھیج کر کتابیں طلب کیں، چنانچہ میری کتابیں عدن، یمن، صنعاء، زبید، بیت الفقیہ، حدیدہ، بغداد، حرمین شریفین، مصر، قدس، دمشق، بیروت، فاران، قسطنطنیہ اور فارس تک پہنچ چکی ہیں، اہل علم وفضل نے ان کو نہایت پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے۔''(۱۶)

ایک صدی سے زاید عرصہ گزرنے کے باوجود آپ کی کتب کی افادیت قائم ومسلم ہے بلکہ ان کی ضرورت بڑھ رہی ہے۔ دینی وشرعی علوم کا کوئی طالب علم یا استاد ایسا نہیں ہے جو آپ کی کتب سے بہرہ مند اور فیض یاب نہ ہوتا ہو۔

مستند تالیفات

والا جاہ مرحوم کی چھوٹی بڑی تمام تصنیفات وتالیفات کا شمار کیا جائے تو وہ تین صد سے زاید بنتی ہیں، ان میں سے دو سو بائیس کتب ایسی ہیں جن کی تفصیل آپ کے صاحبزادے سید علی حسن خاں مرحوم نے نواب مرحوم کی سوانح پر لکھی گئی کتاب مآثر صدیقی کے حصہ چہارم میں درج کی ہے اور ڈاکٹر رضیہ حامد نے اپنے پی' ایچ، ڈی کے مقالہ میں دو کتابوں کا اضافہ کیا ہے گویا دو سو چوبیں کتب تو ہمارے سامنے موجود ہیں جب کہ بعض کتب ایسی بھی ہیں جن پر والا جاہ نے اپنا نام درج نہیں کیا۔ آپ خود فرماتے ہیں:

''مولفین کے معمول کے مطابق جس طرح میں نے اپنی بعض کتابوں پر اپنا نام لکھا ہے اس طرح بعض پر بارادۂ اخلاص نام نہیں بھی لکھا اور یہاں بھی ان کتابوں کا نام لکھنا نہیں چاہتا۔''(۱۷)

اس لیے یہ بات وثوق سے اور بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ نواب مرحوم کی کتب تین صد سے زاید ہیں لیکن آپ کی وہ تالیفات جنہیں مستند یا بڑی پایہ کی کتب تسلیم کیا جاتا ہے اور جنہیں خود نواب صاحب نے ''علم الہدیٰ'' قرار دیا ہے درج ذیل ہیں:(۱۸)

(۱) تفسير فتح البيان
(۲) عون الباری شرح صحيح بخاری
(۳) السراج الوهاج شرح صحيح مسلم
(٤) مسك الختام شرح بلوغ المرام
(٥) نيل المرام
(٦) اكليل الكرامة
(۷) حضرات التجلی
(۸) تاج المكلل
(۹) روضة الندية
(۱۰) ظفر الاضی
(۱۱) نزل الابرار
(۱۲) حصول المامول
(۱۳) رسالۂ جنت
(۱٤) رسالۂ دوزخ
(۱٥) ذخر المحتی
(۱٦) افادة الشيوخ
(۱۷) تقصار
(۱۸) حجج الكرامة
(۱۹) دليل الطالب
(۲۰) رياض المرتاض
(۲۱) خيرة الخيرة
(۲۲) بدور الاهلة
(۲۳) لسان العرفان
(۲٤) درر البهيه
(۲٥) رساله ذم علم الكلام
(۲٦) اربعين اخبار متواتر
(۲۷) متعقد المنتقد
(۲۸) اجوبه بعض
(۲۹) رسالۂ احوی
(۳۰) رسالۂ ناسخ و منسوخ
(۳۱) اتحاف النبلاء
(۳۲) الحطة فی ذكر الصحاح السته
(۳۳) ابجد العلوم
(۳٤) حديث الغاشيه
(۳٥) فتح المغيث
(۳٦) فتح العلام شرح بلوغ المرام

ان کتب کے علاوہ بھی چند ایک ایسی کتب ہیں جو اس فہرست میں درج کرنے کے قابل ہیں۔ ہماری رائے میں آپ کی تمام کتب نہایت مفید ہیں مگر درج ذیل کتب اپنے اپنے موضوع پر نہایت شاندار، وقیع اور جامع کتب ہیں، اس لیے انہیں بھی ''علم الھدیٰ'' میں شامل کیا جاسکتا ہے۔

(۳۷) بلوغ المسئول من اقضية الرسول

(۳۸) جلب المنفعه فی الذب عن الائمة المجتهدين الاربعة

(۳۹) خبية الاكوان فی افتراق الامم على المذاهب والاديان

(٤٠) الاكسير فی اصول التفسير

(٤١) سلسلة العسجد فی ذكر مشائخ السند

(٤٢) منهج الوصول الى اصطلاح احاديث الرسول

(٤٣) المقالة الفصيحة

(٤٤) صافيه شرح كافيه

(٤٥) الطريق المثلى فی ارشاد الى ترك التقليد ماهو الهوى

(٤٦) بذل المنفعة لا يضاح احاديث الرسول

(٤٧) الاقليد لادلة الاجتهاد والتقليد

(٤٨) تحريم الخمر و الزنا واللواطة والمعازت والعشق

(٤٩) الداء والدواء

(٥٠) الدين الخالص

اسلوب تصنیف

نواب صدیق حسن خاں شہرہ آفاق مصنف ہیں۔ آپ ایک بلند پایہ ادیب اور لکھاری ہیں، آپ کا اندازِ نگارش اور اسلوبِ تحریر نہایت خوبصورت، اچھوتا اور دلچسپ ہے، الفاظ کا چناؤ، فقرات اور جملوں کی بناوٹ اور زبان وادب کی حلاوت و چاشنی آپ کی تحریر کا طرۂ امتیاز ہے اور سب سے بڑھ کر قرآنی آیات، نبوی فرامین، عربی و فارسی اور اردو مقولے وضرب الامثال اور ہر موقع پر عربی و فارسی اور اردو اشعار آپ کی تحریر کو چار چاند لگا دیتے ہیں اور قاری نہایت مسرت، دلچسپی اور لطف وحلاوت محسوس کرتا ہے، اکتاہٹ وتھکاوٹ اور بوریت وبدمزگی نام کی کوئی چیز اس کے قریب بھی نہیں آتی۔

ہر قاری ممکن حد تک اس کوشش میں ہوتا ہے کہ وہ ایک ہی بار آپ کی کتاب پڑھ ڈالے اور

پھر دوسری کتاب شروع کرے۔ اور جب آپ کی کوئی کتاب بھی قاری کے زیر مطالعہ ہوتی ہے وہ اس طرح اس میں گم ہو جاتا ہے کہ اسے اس کتاب کے علاوہ اور کچھ بھی اچھا نہیں لگتا۔

آپ کا انداز تحریر اس قدر خوش کن اور دلائل سے مزین ہوتا ہے کہ آپ کی کتب کا مطالعہ کرنے والا قاری قرآن و حدیث، تاریخ و سیر، سیرت و سوانح، عقاید و معاملات، تفسیر و فقہ، زبان و ادب غرض یہ کہ دین و دنیا کے تمام مسائل کا حل ان میں پاتا ہے۔

آپ کی تمام تصنیفات و تالیفات نہایت محنت سے تالیف کی گئی ہیں اور وہ عرق ریزی و تحقیق کا مرقع ہیں اور ایک ایک لفظ اور ایک ایک جملہ آپ کی علمیت و قابلیت کی گواہی دیتا دکھائی دیتا ہے۔ آپ نے اپنی کتب میں کسی فرد واحد یا کسی اسلامی فرقہ کو ہدف تنقید نہیں بنایا بلکہ آپ نے اپنا مخاطب بنی نوع انسان کو بنایا ہے اور اس کی اصلاح کے لیے نہایت شیریں اور دلکش انداز اپنایا ہے جو سراسر محبت اور خیر خواہی و ہمدردی کا مظہر ہے، مختلف فیہ مسائل کو بھی اس طرح پیش کیا ہے کہ ادب و احترام کا دامن اپنے ہاتھ سے نہیں چھوٹنے دیا، تمام ائمہ دین اور ان کے موقف کو بڑے احسن انداز میں بیان کر کے انھیں قرآن و حدیث کی میزان پر رکھا ہے اور جس امام کا موقف بھی قرآن و حدیث کی کسوٹی پر پورا اترا ہے اس کو مضبوطی سے تھام لیا ہے اور دوسرے ائمہ کے مواقف و دلائل کو اس مسئلہ میں نسیان سمجھ کر ترک کیا ہے۔ اس سلسلے میں آپ فرماتے ہیں:

> ”میں نے اپنی کسی تصنیف میں بھی ادب کے دامن کو نہیں چھوڑا، ائمہ کرام کے مختلف فیہ مسائل اور ان کے دلائل ذکر کرنے کے بعد میں نے قیل و قال سے نہیں بلکہ قوت دلیل سے ترجیح دی ہے، کسی امام یا ماموم کے متعلق کوئی نازیبا کلمہ میرے قلم کی زبان سے نہیں نکلا اور نہ میں نے کسی مخاطب کو اپنے ردو قدح کا ہدف ہی بنایا ہے۔ آخرت کے طلب گار علماء کی یہی شان ہوتی ہے۔“(۱۹)

آپ کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ آپ اپنے آپ کو حرف آخر تصور نہیں کرتے بلکہ ایک عاجز و منکسر المزاج اور خطا کا پتلا انسان تصور کرتے ہیں اور نہ ہی آپ اپنی کتب کی صحت کا کامل یقین رکھتے ہیں بلکہ اس سلسلے میں خطا و نسیان کے احتمال کو ضروری خیال کرتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

> ”میری اکثر تالیفات نہایت تحقیق کے ساتھ لکھی گئی ہیں حالانکہ جو شخص کثیر التالیف ہو اس سے غلطیاں بھی بکثرت ہوتی ہیں ـــ میں یہ نہیں کہتا کہ میں نے جو کچھ لکھا پڑھا

ہے اس میں کوئی سہو ونسیان نہیں ہوا ہوگا بلکہ ہر تالیف میں ضرور خطائیں ہوں گی کیونکہ اللہ اور رسول ﷺ کے کلام کے سوا کسی بشر کی جمع وتالیف خطاء سے مبرا نہیں ہو سکتی۔''(۲۰)

ایک اور مقام پر اسی بات کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

''یہ بات کہ میری تالیف ہر خطا ونقصان یا سہو ونسیان سے محفوظ ہے ایک خیال مختل اور تعلیل معتل ہے۔''(۲۱)

معیارِ تحقیق

محی السنۃ نواب سید صدیق حسن خانؒ ایک محقق عالم دین تھے، آپ نے تقلیدی بندھنوں کو گوارا نہ کیا اور ہر مسئلہ میں تحقیق سے کام لیتے ہوئے قرآن وسنت کی دلیل کو ہی قوی سمجھا اور اسی کو اختیار کیا۔ آپ نے اس سلسلے میں کسی ایک فقہی مکتب فکر یا کسی ایک امام وفقیہ کی رائے پر کار بند رہنا پسند نہیں کیا بلکہ تمام مسائل میں تحقیق وجستجو سے کام لیا اور گروہ بندی وشخصیت پرستی کے حصار سے کنارہ کش ہوتے ہوئے جس مسئلہ میں جس مکتب فکر یا شخصیت کی بات قرآن وسنت کی میزان میں پوری نظر آتی دکھائی دی اسی کو اپنایا اور بلا خوف وخطر اسی کے مطابق فتویٰ جاری کیا۔ آپ قرآن وحدیث کو اہم ترین اور قطعی وآخری حیثیت دیتے تھے اور رائے سے احتراز کرتے تھے، فرماتے ہیں:

''میں دین میں رائے مجرد سے نہایت احتراز کرتا ہوں۔ جب کسی مسئلہ میں شارع کی طرف سے تصریح نہیں پاتا تو اس پر عمل کرنے سے توقف کرتا ہوں اور کوئی اقدام نہیں کرتا۔''

((الا ان رأیت فیھا نصًا او اجماعا اور قیاسا جلیًا))

(جب تک کہ اس میں کوئی نص یا اجماع یا قیاس جلی نہ دیکھ لوں)

یہ اس لیے کہ مجھے معلوم ہے کہ:

((الرای فی الدین تحریف وفی القضآء مکرمة))

''دین میں رائے کو دخل انداز کرنا تحریف کے مترادف اور (مقدمات کے) فیصلہ

میں رائے سے کام لینا عزت کا باعث ہے۔"

بلکہ کتاب وسنت کا ماہر عالم قیاس جلی واجماع کا بھی محتاج نہیں ہوتا۔ وہ دلائل کے کلیات و عمومات سے خود مسئلہ کا حکم استنباط کر سکتا ہے، کسی غیر کا اجتہاد اس پر لازم نہیں ہوتا۔ یہ بات آیۃ کریمہ ﴿ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ ﴾ سے بخوبی ثابت ہے اور حدیث عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ میں ہے کہ:

((الا وانی واللّٰہ قد امرت وعظت ونهيت عن اشياء انها لمثل القرآن او اكثر)) [رواہ ابو داؤد]

"بخدا میں نے تمہیں حکم بھی دیا ہے، وعظ ونصیحت بھی کی ہے اور بہت سی باتوں سے منع بھی کیا جو قرآن جتنی یا اس سے بھی زیادہ ہیں۔"

اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیاوی معاملات میں خود اپنی رائے مبارکہ کا اتباع قائم نہیں رکھا تو دوسرا کون ہے جس کی رائے پر چلنا واجب یا مستحب ہو؟ چنانچہ حدیث رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ میں فرمایا:

((انما انا بشر اذا امرتكم بشيء من امر دينكم فخذوا به واذا امرتكم بشيء من رأى فانما انا بشر .))[رواہ مسلم]

"میں بشر ہوں، جب دین سے متعلقہ کسی بات کا حکم دوں تو اسے لے لو اور جب میں اپنی رائے سے کوئی حکم دوں تو میں بشر ہوں۔"

اس حدیث سے اشارۃ النص کے ذریعہ معلوم ہوا کہ بشریت کے تقاضے انبیاء کرام علیہم السلام کی آراء میں بھی کار فرما ہو سکتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اہل حل وعقد سے مشورہ لینے کا حکم دیا گیا، فرمایا:

((وشاورهم فی الامر))

"معاملات میں ان سے مشورہ کر لیا کرو۔"

یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حکم دین سے متعلق ہو، اس کی بجا آوری فرض ہے اور اسے اپنی رائے کا دخل دیے بغیر جوں کا توں تسلیم کرنا لازم ہے۔ سارے سلف صالحین، محدثین کرام، متبعینِ سنت اور جماعت ظاہریہ کا یہی مسلک رہا ہے۔ اس کی مزید وضاحت یوں کی جا سکتی

ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر جو کچھ نازل فرمایا، اس سب کے بیان کر دینے کا حکم بھی دیا۔ پس کسی ایسی بات کو ترک نہیں فرمایا جس میں ہماری سعادت ہو اور جس سے سکوت فرمایا وہ ہم پر رحمت اور وسعت کے پیش نظر ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں اشارہ بھی فرمایا اور کچھ باتیں فی الواقع ایسی ہیں جن سے ہم پر رحمت اور مہربانی کی نگاہ کرتے ہوئے سکوت فرمایا ہے۔ اسی لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ان کے متعلق سوال نہ کیا کرو۔ واللہ اعلم۔ (۲۲)

آپ قرآن وسنت کی نص کی موجودگی میں کسی بڑے سے بڑے عالم کی رائے کی بھی قطعاً پرواہ نہیں کرتے تھے اور اس سلسلے میں اپنے یا بیگانے کا لحاظ نہیں رکھتے تھے، اس لیے آپ نے بعض مسائل فقہ میں امام ابوحنیفہؒ، بعض میں امام شافعیؒ، بعض میں امام احمدؒ بن حنبل اور بعض میں امام مالکؒ کے موقف کو رد کر دیا ہے اور بعض مسائل میں ان میں سے جس امام کا موقف دلائل صحیحہ کی روشنی میں قرآن وسنت کی میزان میں پورا اترا اس کو بلا تاخیر وتامل تسلیم کیا اور فرمایا کرتے تھے کہ ائمہ اربعہ کے مذاہب پر عبور حاصل کرنے کے بعد میں نے اپنے لیے دلیل کے اتباع کو پسند کیا ہے یعنی دلیل کے اعتبار سے جو مذہب قوی اور صحیح ہو میں اسے اختیار کرتا ہوں خواہ وہ مذہب حنفی ہو یا شافعی، مالکی ہو یا حنبلی، میں کسی مذہب کو محض تعصب کے پیش نظر رد نہیں کرتا اور نہ ہی کسی مذہب کو محض خواہش نفس کے مطابق اخذ کرتا ہوں مثلاً مسئلہ آب میں مذہب مالک زیادہ قوی ہے۔ تشہد کے صیغوں میں امام ابوحنیفہ کا مذہب زیادہ صحیح ہے اور مسئلہ صفات میں امام احمد بن حنبل کا مسلک سب سے قوی ہے، لہٰذا میں نے انہیں اختیار کیا ہے۔ (۲۳)

مزید لکھتے ہیں کہ:

> ”میں امور دین میں جو مذہب اصح واقوئ اور احوط ہو اس کو اختیار کرنا پسند کرتا ہوں اور اقوال اہل علم کے مقابل میں دلیل کتاب وسنت کو ترک کرنا پسند نہیں کرتا بلکہ جمع بین المذاہب کو بہتر جانتا ہوں۔“ (۲۴)

آپ اس سلسلے میں چھوٹے بڑے کا خیال نہیں رکھتے تھے بلکہ دلائل صحیحہ کو ہی بڑا مانتے ہوئے اسے قبول یا ردّ کرتے تھے، آپ اپنے طریقِ استدلال کی وضاحت کرتے ہوئے یوں قلم طراز ہیں:

> ”میں کسی آیت کی تفسیر یا حدیث کی شرح میں جب اہل علم کے مختلف اقوال پاتا

ہوں تو ان میں سے راجح اور صحیح قول کو پہچان لیتا ہوں، امعہ نہیں ہوں کہ جس کی تقریر، تحریر سنی دیکھی اور بظاہر چست و درست اور برجستہ نظر آئی اسی کی طرف جھک گیا بلکہ اپنے فکر سے کام لیتا ہوں اور مختلف اقوال و مذاہب کو کتاب وسنت کی میزان میں تول کر جائزہ لیتا ہوں جو موافق ہوا سے قبول کرتا ہوں اور جو تاویل بعید یا توجیہہ ضعیف ہو اس کو پسند نہیں کرتا، اگرچہ اس کا قائل بہت بڑا عالم یا شیخ ہی کیوں نہ ہو، اس لیے کہ حق ہی سب سے بڑا اور عظیم ہے اور ہمارا طریقہ کتاب وسنت کا پابند ہے۔''(۲۵)

یہی وجہ ہے کہ ہمیں آپ کی تصنیفات میں مختلف فقہی نقطہ نگاہ سے آپ کا تعلق دکھائی دیتا ہے، آپ اس امر کی وضاحت میں فرماتے ہیں۔

''میں ہر شخص کی عمدہ بات کو جو شرع و عقل کے مطابق ہو قبول کر لیتا ہوں خواہ وہ میرے برابر ہو یا مجھ سے بھی چھوٹا ہو اور جو بات نصوص کے خلاف ہو اسے قبول نہیں کرتا خواہ کہنے والا کتنا ہی بڑا عالم و فاضل اور قابل ہی کیوں نہ ہو مثلاً شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا یہ قول تسلیم نہیں کرتا کہ ایک دن نار بھی فنا ہو جائے گی۔ شیخ ابن عربیؒ کا یہ قول قبول نہیں کرتا کہ فرعون حالت ایمان میں مرا ہے لیکن شیخ عبدالحق دہلویؒ کی یہ بات قبول کرتا ہوں کہ بدعت اگرچہ حسنہ ہو اس سے ظلمت پیدا ہوتی ہے اور آخر کار ختم و طبع اور رین (دل پر مہر اور زنگ) کی نوبت آ جاتی ہے اور سنت اگرچہ اندک ہو اس سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے۔ پہلی باتوں کو مسترد اور آخری کو قبول کرنے کا سبب یہ ہے کہ پہلی دو باتیں ادلہ شرعیہ کے ظاہر کے خلاف ہیں اور شیخ عبدالحقؒ کا یہ قول حدیث صحیحہ کے موافق ہے کہ: ((كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ))''(۲۶)

نواب مرحوم خود اپنی ایسی تحقیق کو بھی جو قرآن وسنت کے خلاف ہو رد کرنے کی تلقین کرتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:

''میری اہل علم و دین کی خدمت میں گزارش ہے کہ میری کتاب کا جو مسئلہ کتاب و سنت کی صحیح نص کے خلاف ہو اسے اٹھا کر دیوار پر مار دیں اور جو مسئلہ قرآن و حدیث

کے موافق ہو اسے قبول کر لیں۔"(۲۷)

مزید لکھتے ہیں:

"میں اہل انصاف کی خدمت میں یہی بات کہتا ہوں کہ میری تالیف ہو یا کسی اور عالم کی خواہ قدیم ہو یا جدید، ہر مسلمان، ایماندار، تقویٰ شعار کو اس بابت کلمہ مشہورہ "خذ ما صفا ودع ما کدر" پیش نظر رکھنا چاہیے، اس لیے کہ غلطی، خطا، اختلاف، تناقض اور تعارض اور ان جیسے دوسرے عیوب سے صرف اللہ و رسول ﷺ کا کلام ہی محفوظ ہے اور کسی کو یہ بات میسر نہیں۔ عقل مند وہ ہے جو ہر تصنیف کو میزان میں رکھ کر پرکھے، عمدہ تحقیقات علوم کو قبول کرے اور اقوال ضعیفہ کو ترک کر دے۔ میں تمام جہان کے علماء سے یہ چاہتا ہوں کہ وہ میری کسی کتاب کی کوئی بات اس صورت میں ہرگز قبول نہ کریں جب کہ وہ کتاب و سنت اور علمائے سلف اور ائمہ ملت کی تحقیقات کے خلاف ہو بلکہ "کالائے بد بریش خاوند" سمجھ کر پھینک دیں۔"(۲۸)

آپؒ ہر بات کے قبول یا رد میں دلیل صحیحہ کو ہی ملحوظ رکھتے تھے اور قوت دلیل سے ہی تردید و تسلیم کرتے تھے، البتہ آپ یمنی محدثین کی روایت کو دیگر راویانِ حدیث کی نسبت ترجیح دیتے تھے اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"یمن کے ائمہ حدیث کی روایت ہم قبول کرتے ہیں، ان کی فقہ سنت کو فقہ غیر پر ترجیح دیتے ہیں اور ان کے مدارج ایمان کو قوی، راسخ اور صحیح جانتے ہیں، صحیح مسلم میں مرفوع روایت ہے کہ:

((الایمان یمان والحکۃ یمانیۃ والفقہ یمان))

" (ایمان یمنی ہے، حکمت یمنی ہے اور فقہ بھی یمنی ہے) جس کے ایمان، فقہ اور حکمت کی شہادت وخبر رسول مصدوق ومخبر صادق ﷺ دیں، ہم اسے کس طرح نہ مانیں۔ ایمان سے مراد منطوق قرآن ہے، حکمت سے مراد علم سنت ہے اور فقہ سے مراد فہم حدیث ہے۔"(۲۹)

یہی وجہ ہے کہ سید صدیق حسن نے اپنی کتب حدیث میں صحیح احادیث کو معیار تحقیق بنایا ہے اور احادیث نبویہ ﷺ کی شروح وتفاصیل کو پیش کرتے ہوئے ان تمام امور کو ملحوظ رکھا ہے جو

صرف ونحو، لغت، اصول حدیث کی رو سے جرح و تعدیل اور تعارضات، ان کے حل وغیرہ اور ان پر متوازن محاکمہ کی صورت میں کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ آپ کی کتب کے مطالعہ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ آپ نے ہر مسئلہ میں قرآن وسنت کی دلیل صحیح کو ہی اپنی تحقیق کا معیار بنایا ہے، اور اسی دلیل صحیحہ کی بنیاد پر مسائل فقہ کو ترجیح دی ہے۔ اس سلسلے میں چند ایک امثلہ بطور نمونہ درج کی جاتی ہیں:

☆ فقہائے کرام کے مابین صلوٰۃ سفر میں رخصت معتبر ہے یا عزیمت، میں اختلاف ہے، آپ اس مسئلہ میں اپنا محققانہ تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ صلوٰۃ سفر میں معتبر عزیمت ہے اور اس پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ((اقرت صلاة السفر واقيمت صلاة الحضر)) ...... (نماز سفر دو رکعت برقرار رہی اور نماز حضر میں چار رکعت کا اہتمام کیا گیا) ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ((ان الله الصلوٰة على لسان نبيكم على المسافر ركعتين وعلى المقيم اربعا وعلى الخوف ركعة)) اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ((امرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ان نصلى ركعتين فى السفر.)) پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سفر میں پوری زندگی دوگانہ پڑھنا اس بات کی دلیل ہے کہ صلوٰۃ سفر میں معتبر عزیمت ہے۔ آپ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سفر میں پوری نماز پڑھنے کے بارے میں اپنی تحقیق پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ((ولم يرد فى السنة ما يصلح لمعارضة ما ذكرناه الادلة الصحيحة))(۳۰)

☆ احناف اور محدثین میں نماز وتر کے ایک رکعت پڑھنے اور ایک رکعت کے صلوٰۃ صحیحہ ہونے کے بارے میں اختلاف ہے، احناف ایک رکعت کو صلوٰۃ صحیحہ تسلیم نہیں کرتے جب کہ محدثین ایک رکعت کو صلوٰۃ صحیحہ قرار دیتے ہیں۔ آپ محدثین کے موقف کو صحیح احادیث کی روشنی میں درست قرار دیتے ہیں اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ((كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى من الليل مثنى مثنى ويوتر بركعة)) پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

((هذا دليل على ان اقل الوتر ركعة وان ركعة الفرد صلوة

صحیحة وهذا مذهب الجمهور وقال ابو حنیفة لا یصح الایتار بواحدة ولا تکون الرجال واحدة صلاة قط والحدیث صحیحه ترد علیها منها حدیث عائشة رضی یوتر منها بواحدة کما فی المسلم)) (۳۱)

☆ اسی طرح امام ابوحنیفہ اور دیگر ائمہ کے مابین (نماز میں نمازی کے بچے کو اٹھا لینے سے نماز مفسد ہو جاتی ہے یا نہیں) میں اختلاف ہے۔ احناف اس کو عمل کثیر قرار دیتے ہوئے مفسد صلوٰۃ گردانتے ہیں۔ نواب صاحب اس کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ صحیح حدیث امامہ بنت ابوالعاص والی حدیث کو بنیاد بناتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نبی معظم ﷺ نے پوری نماز میں امامہ کو اٹھائے رکھا، اس لیے نماز مفسد نہیں ہوتی اور مالکیہ کا اس مسئلہ میں نوافل میں بچے کو اٹھانا جائز اور فرائض میں ناجائز قرار دینے پر محققانہ تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

((وهذا التاویل فاسد لان قوله یؤم الناس صریح او کالصریح فی انه کان فی الفریضة وادعی بعضهم انهم منسوخ وانه خاصاً بالنبی او کان لضرورة کل هذا الدعاوی باطلة مردودة لا دلیل علیها ولا ضرورة علیها وللحدیث صحیح صریح فی جواز ذلك .)) (۳۲)

☆ نواب صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے دلائل نبویہ ﷺ کو اپنی پوری کتاب میں ملحوظ خاطر رکھا ہے اور اختلافی مسائل میں راہِ اعتدال اختیار کی ہے جو کہ سنن نبویہ ﷺ اور احادیث رسول اللہ ﷺ سے مدلل اور مبرہن نظر آتی ہے۔

چنانچہ طلقات ثلاثه فی مجلس واحد کے بارے میں جو کہ اختلافی نقطہ نظر سے معرکۃ آلاراء مسئلہ ہے اس پر بھی علماء کی گروہ بندی اور کثرت وقلت سے بالاتر ہو کر مسئلہ کی حدیث کے نقطہ نگاہ سے تہہ تک پہنچنے کی کوشش کی ہے، آپ مسلم شریف کی حدیث:

((عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال کان الطلاق علی عهد رسول الله ﷺ وابی بکر و سنتین من خلافة عمر رضی اللہ عنہما طلاق الثلاث واحدة فقال ان الناس قد استعجلوا فی امر قد کانت لهم فیه أناة فلوا

مضينا عليهم فأمضاه عليهم))

کے متعلق لکھتے ہیں:

((الفاظ هذا الحديث وهو معدود من الحديث مشكلة وقد اختلف العلماء فيمن قال لا مراته أنت طالق ثلاثا))

پھر اس میں علماء کے مذاہب کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

((فقال الشافعي ومالك وابو حنيفه واحمد وجماهير العلماء من السلف والخلف يقع الثالث وقال طاؤس وبعض اهل الظاهر لا يقع بذالك الا واحدة وهو رواية عن الحجاج بن الارطاة ومحمد بن اسحاق وهو قول ابن مقاتل واحتج هولاء بحديث ابن عباسؓ هذا وبانه وقع فى بعض روايات حديث ابن عمر أنه طلق امرأته ثلاثاً فى الحيض ولم يحنس به وبانه وقع فى حديث ركانة أنه طلق إمراته ثلاثا وامره رسول الله صلى الله عليه وسلم برجعتها......)) (۳۳)

یعنی امام نوویؒ کا فرمان ہے کہ یہ حدیث مشکل احادیث میں شمار ہوتی ہے اور اس مسئلہ میں علماء کرام میں اختلاف ہے۔ ائمہ اربعہ اور جمہور علماء کرام کے مذہب کے مطابق ایک مجلس میں تین طلاقیں، تین ہی واقع ہوجاتی ہیں لیکن اہل ظواہر اور بعض اہل علم ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کو دفعة واحده طلقات ثالثة کو ایک طلاق کے وقوع پر حجت قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح رکانہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کو بھی ان لوگوں نے اپنے موقف کے حق میں قرار دیا ہے۔

نواب صاحبؒ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

((ظاهر الحديث فى هذه المسئلة ما ظاهرية وهو صريح صحيح فى الدلالة على المقصود وأما تاويله بما اوله فلا ضرورة تدعوا اليه ولا اليه حاجة ولا حجة فيما قال عمر رضی اللہ عنہ او فعل انما الحجة فيما كان فى عصر النبوة بمراى ومسمع ومن حضرة الرسول ﷺ ودرج عليه ابوبكر الصديق رضی اللہ عنہ

في زمنه وعمر رضي الله عنه نفسه في صدر امارته وقد بين عذره في هذا الحديث))

نواب صاحبؒ نے زبردست الفاظ کے ساتھ دلائل کا اظہار کیا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاق سے ایک رجعی طلاق واقع ہوتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صریح طور پر صحیح ہے اور صحت حدیث کے بعد خواہ مخواہ تاویل کی ضرورت ہی کیا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول و فعل حدیث نبوی کے مقابل میں حجت نہیں ہوسکتا کیونکہ حجت تو وہی چیز ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے اور سننے میں آئی۔ اسی پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں قائم رہے خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت کی ابتداء میں اسی کو حجت مانتے رہے اور اسی پر قائم رہے۔ البتہ بعد میں اپنے تعزیری حکم پر اس حدیث پر عمل نہ کرنے پر عذر پیش کیا، نواب صاحب رحمہ اللہ نے صحابہ و تابعین ائمہ اربعہ اور جمہور علماء کا ذکر بھی کیا ہے اور ان کا مذہب بھی بیان کیا ہے۔ " ان الطلاق یتبع الطلاق " جب کہ ایک گروہ کا موقف یہ ہے کہ " ان الطلاق لا یتبع الطلاق ، بل یقع واحدة فقط " متاخرین میں سے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن قیمؒ اور محققین کی جماعت کی یہی رائے ہے جیسے کہ علامہ ابن مغیث نے کتاب الوثائق میں اس کو نقل کیا ہے اور مشائخ قرطبہ کی ایک جماعت کا فتویٰ نقل کیا ہے۔

علامہ ابن المنذرؒ نے اصحاب ابن عباس رضی اللہ عنہما، عطا، طاؤس، عمرو بن دینار سے نقل کیا ہے کہ حضرت علی، عبداللہ بن مسعود، عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین سے بھی یہی بات بیان کی گئی ہے۔ بعض تابعین نے بھی یہی رائے دی ہے کہ اس سے ایک طلاق واقع ہوگی۔

نواب صاحبؒ یہاں پر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے الفاظ بھی نقل کرتے ہیں کہ " طلاق بالتتباع " بہت سے قائلین ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا جواب دیتے ہیں لیکن ان میں سے کوئی جواب دائرہ تعصب سے باہر نہیں ہے لیکن اتباع حق ضروری ہے اور سنتِ مطہرہ کے مقابلے میں علما کی حیثیت کچھ نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں نواب صاحبؒ نے اسی رائے کو قبول کیا ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں عمر رضی اللہ عنہ کے تعزیری حکم کو بھی کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔ آپؒ یہ الفاظ اپنی شرح میں لکھتے ہیں:

((فان كانت تلك المحاماة لاجل مذاهب الاسلاف فهى احقر واقل من ان توثر على السنة المطهرة وان كانت لاجل عمر ابن الخطاب رضي الله عنه فاين يقع المسكين من رسول الله ﷺ ثم أى مسلم من المسلمين يستحسن عقله وعلمه مترجيح قول صحابى على قول مصطفى ﷺ))

نواب صاحبؒ مزید لکھتے ہیں:

((وقفت على هذه الرسالة وفوجدتها كافية شافية لمن ياكل الحجج الشرعية وأما الذى تخبطه الشيطان من المس فلا يرفع راسه الى قبول ادلة الواضحة والبراهين النيرّه))

نواب صاحبؒ نے اس اختلافی مسئلہ میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا حوالہ بھی دیا ہے کہ انہوں نے طلاق پر یہ موقف اختیار کیا تو لوگوں نے قیامت برپا کردی لیکن ابن تیمیہؒ صحیح حدیث مل جانے کے بعد اس پر ڈٹ گئے اور یہی صبر آزما موقف یقیناً ان کے شایان شان تھا۔

نواب صاحب رحمۃ اللہ علیہ رائے اور روایت میں فرق کو ملحوظ رکھتے ہیں اور اس مسئلہ میں بھی سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے اور روایت حدیث میں فرق کو اہمیت دیتے ہیں اور لکھتے ہیں:

((ونحن متعبدون بالرواية عن النبي المعصوم ﷺ لا برأى احد من الامة كائنا من كان وأين ما كان ولا عذر لاحد فى العمل بما ثبت بالطريق الصحيح فى الدواوين السنة المطهرة من سنن ختم المرسلين ولم يمسه نسخ ولا معارض ليساويه او يقدم عليه وكل من يومن بالله وآخره لا يرضى قلبه بتقديم رأى أحد من الائمة على قول الرسول ﷺ ابدا بل كل من شارح الله صدره للاسلام ودخل بشاشة الايمان فى قلبه وعرف مقدار السنة وكان الله ورسوله احب اليه مما سواهما لا يفتح فاه الا بالحث الى اتباع السنة فى كل ما يرد ويصدر و يوتى ويذر ولا يبالى بخلاف ما خالفه وان كان

شیخا کبیرا او اماما عظیماً فالحق اکبر من کل کبیر۔ ہو الحاصل أن ہذہ المسئلة لا یاتی الیها شك ولا شبهة))

آپ اس بحث کے اختتام پر دعوت حق دیتے ہوئے کہتے ہیں:

لهذا الحق لیس به خفاء فدعنی عن بینات الطریق (۳۴)

مندرجہ بالا مثالوں سے ثابت ہوا کہ نواب مرحوم صحیح احادیث کی موجودگی میں کسی فقہی موقف اور کسی بڑے سے بڑے آدمی کی رائے کو خاطر میں نہیں لاتے تھے بلکہ صحیح حدیث کو ہی تسلیم کرتے تھے۔

☆..............................☆

فصل دوم

علوم حدیث میں تصنیفی خدمات کا جائزہ

علوم حدیث کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں محی السنہ نواب صدیق حسن خاں نے کوئی غیر معمولی کتاب نہ لکھی ہو بلکہ ہر شعبہ میں کئی کئی کتب لکھیں چنانچہ آپ نے متون حدیث، شروح حدیث، اصول حدیث، تراجم حدیث، تراجم محدثین اور فقہ الحدیث ایسے موضوعات پر نہایت شاندار کتابیں تصنیف کیں، ہماری تحقیق کے مطابق علوم حدیث پر آپ کی چھوٹی بڑی تمام کتب کی تعداد باسٹھ ہے جس کی تفصیل اس طرح ہے:

۱۔	متون حدیث	۶
۲۔	شروح حدیث	۲۳
۳۔	اصول حدیث	۲
۴۔	تراجم حدیث	۷
۵۔	فقہ الحدیث	۲۳

۶۔	تراجم محدثین	۱
	کل تعداد	۶۲

مولانا ابو یحییٰ امام خان نوشہرویؒ نے آپ کی حدیث و متعلقات حدیث پر پینتیس کتب بتائی ہیں جب کہ دائرہ معارف اسلامیہ کے مطابق ان کی تعداد تینتیس ہے لیکن ہم گہرے مطالعہ و جستجو کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ آپ کی حدیث و متعلقات حدیث پر کتب کی تعداد باسٹھ ہے۔ ان میں سے بعض کتب خاصی ضخیم اور علمی اعتبار سے نہایت بلند پایہ ہیں اور مصدر و ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں چنانچہ ہم آپ کی کتب حدیث و متعلقات حدیث کا مختصر جائزہ پیش کرتے ہیں۔

شروح حدیث

نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے جہاں خدمات حدیث کے سلسلے میں حدیث کے مختلف علوم پر اپنی توانائیاں صرف کیں وہاں احادیث نبویہ ﷺ کی شروح میں بھی اپنا زورِ قلم صرف کیا۔ شروح حدیث میں آپ نے حدیث کی کئی ایک کتابوں کی شرحیں لکھیں جن میں "الجامع الصحیح للبخاری" "الصحیح للمسلم" حافظ ابن حجر عسقلانی کی "بلوغ المرام" وغیرہ شامل ہیں۔ ان عظیم کتب احادیث پر آپ نے عربی اور فارسی میں اپنی علمیت کے جوہر دکھائے، "الجامع الصحیح للبخاری" کی شرح عربی زبان میں "عون الباری لحل ادلة البخاری" اور "الصحیح للمسلم" کی شرح "السراج الوھاج من کشف مطالب صحیح مسلم ابن الحجاج" کے نام سے عربی زبان میں تصنیف کیں جب کہ "بلوغ المرام من ادلة الاحکام" کی ایک شرح عربی زبان میں "فتح العلام بشرح بلوغ المرام" کے نام سے جب کہ دوسری شرح "مسك الختام شرح بلوغ المرام" فارسی زبان میں تحریر کی۔

نواب صاحب مرحوم نے اپنی ان شروحات میں امام کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی احادیث کی تشریحات و مطالب کو عام فہم زبان میں پیش کیا ہے، ہر مسئلہ کو قرآن و حدیث کی میزان میں جانچ پرکھ کے بعد بیان کیا ہے اور اس سلسلے میں تقلیدی روش سے ہٹ کر تحقیق و تنقید کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے سلف صالحین اور متبعین سنت کی آرآء کے مطابق تحریر کیا ہے۔ آپ کی ان کتب کی

ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ آپ نے ان میں ائمہ مذاہب کی آراء کو بہ دلائل پیش کر کے قرآن وسنت کی کسوٹی پر پرکھا ہے اور قوی دلائل کی روشنی میں جو موقف قرآن وحدیث کی روح کے مطابق پایا ہے اسی کو ترجیح دی ہے۔ اور اس سلسلے میں کسی قسم کی وقتی مصلحت اور حالات کے اندیشوں سے خوف کے شکار نہیں ہوئے گویا حق وصداقت کو جہاں پایا اس کو لکھ ڈالا اور کسی چھوٹے بڑے کا امتیاز نہیں برتا بلکہ ظاہری حدیث ہی کو بڑا ثابت کر دکھایا۔ اس طرح ایک حوالے سے آپ کی یہ شروحات حدیث ''فقہ المذاہب'' کا کام بھی دیتی ہیں۔

ہم ان شروح حدیث پر فرداً فرداً ایک مختصر سی نگاہ ڈالتے ہیں تاکہ ان کی اہمیت واضح ہو جائے۔

(۱) عون الباری لحل ادلة البخاری:

کائنات ارضی میں قرآن مجید کے بعد سب سے صحیح ترین کتاب امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ کی کتاب " الجامع الصحیح للبخاری " ہے جسے " اصح الکتب بعد کتاب اللہ " کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔ اس عظیم کتاب کی ہر دور اور ہر زمانہ کے علماءِ اسلام نے شروح لکھیں ہیں جن کی تعداد دو صد سے زاید ہے، حاجی خلیفہ صاحبِ کشف الظنون کے بقول صرف ۱۰۱۲ء تک اس کی شروح پچاس سے زاید تھیں۔ اور اس کتاب پر اتنا کام ہوا ہے کہ شاید اتنا کام کسی اور کتاب پر نہ ہوا ہو۔ مناسب ہے کہ " عون الباری" کا جائزہ لینے سے قبل مختصر طور پر " الجامع الصحیح " کی اہمیت کا ذکر کر دیا جائے تاکہ قاری پر اس کی افادیت واضح ہو جائے۔ (۳۵)

امیر المحدثین امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ کی تصانیف بیس سے زاید ہیں جو سب اپنے اپنے موضوع پر نہایت اہم حیثیت کی حامل ہیں۔ لیکن جو مقام ومرتبہ، عظمت وشہرت اور مقبولیت " الجامع الصحیح " کو حاصل ہوئی وہ کسی اور کتاب کو نہ مل سکی۔ تمام امت مسلمہ اس بات پر متفق ہے کہ کتاب اللہ کے بعد صحیح بخاری سے زیادہ کوئی صحیح کتاب اس خاکدانِ ارضی کے اوپر اور اس ردائے نیلگواں کے نیچے موجود نہیں ہے۔

ملا علی قاری نے صحیح بخاری کا سبب تالیف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ صحیح بخاری سے پہلے حدیث کے موضوع پر جس قدر بھی کتب موجود تھیں، ان میں صرف صحیح احادیث جمع کرنے کا التزام

نہیں کیا گیا تھا بلکہ ان میں شاذ، منکر، مدلس اور معلل وغیرہ ہر قسم کی روایات جمع کر دی گئی تھیں۔ چنانچہ اس وقت صحیح احادیث پر مشتمل مجموعہ مرتب کرنے کی سخت ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ امام بخاریؒ کے استاد محترم اسحاق بن راہویہ نے آپ سے اس خواہش کا اظہار کیا۔ نیز انہی دنوں آپ نے ایک خواب دیکھا کہ آپ نبی معظم ﷺ کے سامنے کھڑے ہوئے پنکھا جھل کر مکھیاں اڑا رہے ہیں، جب آپ نے یہ خواب اپنے اساتذہ اور علماء ومحدثین کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے یہ تعبیر بتائی کہ امام بخاری نبی مقدس ﷺ کی طرف منسوب موضوع (جھوٹی) باتوں کو دور کریں گے۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے صحیح احادیث جمع کرنے کا پختہ عزم کیا۔ (۳۶)

علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں کہ تالیف صحیح سے امام بخاری کا مقصود جمع احادیث کے علاوہ مسائل فِقہ میں اپنے (مسلک) مختار پر استدلال اور احادیث سے مسائل کا استنباط بھی ہے۔ (۳۷)

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''امام بخاری نے چھ لاکھ احادیث میں سے صحیح بخاری کا انتخاب کیا ہے اور آپ ہر حدیث لکھنے سے پہلے غسل کرتے، دو رکعت نفل پڑھتے اور صحت حدیث کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے استخارہ کے ذریعے مدد طلب کرتے۔ اس طرح آپ نے اس مجموعہ احادیث کو بیت اللہ الحرام اور مسجد نبوی میں بیٹھ کر سولہ برس کے طویل عرصہ میں مدوّن کیا۔ ابوزید سہیل مروزی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں رکن بیت اللہ، حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان سو رہا تھا۔ خواب میں دیکھتا ہوں کہ جناب رسول اکرم ﷺ فرما رہے ہیں ابوزید! شافعی کی کتاب کا درس میری کتاب کی موجودگی میں کب تک دیا کرو گے۔ میں نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! آپ کی کون سی کتاب ہے؟ فرمایا: ((الجامع الصحیح لمحمد بن اسماعیل بخاریؒ .))۔'' (۳۸)

فیض الباری شرح صحیح بخاری کے شارح مولانا انور شاہ کشمیریؒ کہتے ہیں کہ امام عبدالوہاب شعرانی نے لکھا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے آٹھ ساتھیوں کے ساتھ جاگتے ہوئے صحیح بخاری پڑھی ہے اور ان آٹھ ساتھیوں میں سے ایک حنفی تھا۔ (۳۹)

ابو جمرہ کہتے ہیں کہ عرفاء سے منقول ہے کہ اگر کسی مشکل میں صحیح بخاری کو پڑھا جائے تو وہ

حل ہو جاتی ہے اور جس کشتی میں صحیح بخاری ہو وہ غرق نہیں ہوتی، حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ خشک سالی میں صحیح بخاری کی قرأت سے بارش ہو جاتی ہے۔ (۴۰)

بستان المحدثین میں ہے کہ صلاح الدین ایوبی نے صلیبی جنگ میں صحیح بخاری کا ختم کرایا تھا۔ (۴۱)

براکلمن نے لکھا ہے کہ: ''صحیح بخاری کا پڑھنا تمام بیماریوں کے لیے باعث شفا ہے اور ہر قسم کے حزن و ملال کا اس کے مطالعہ سے خاتمہ ہو جاتا ہے۔'' (۴۲)

ہمارے ممدوح نواب صدیق حسن خاں فرماتے ہیں کہ سخت مصیبت کے وقت، خوف دشمن، مرض کی شدت، قحط سالی اور دیگر بلاؤں میں الجامع الصحیح کا پڑھنا تریاق کا کام دیتا ہے، چنانچہ اکثر اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔'' (۴۳)

صحیح بخاری کی شروح کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ چکی ہے اور اہل علم نے اس کا کوئی پہلو یا کوئی موضوع ایسا نہیں چھوڑا جس پر بحث نہ کی ہو، کسی نے نحوی و صرفی حوالے سے بحث کی۔ کسی نے تراجم ابواب کو موضوع سخن بنایا، کسی نے لغات سے بحث کی، کسی نے رجال، کسی نے تعلیقات، کسی نے متابعات، کسی نے استخراج، کسی نے استدراک، اور کسی نے تنقید پر کتاب لکھی، تاہم امام بخاری کے دقیق خیال اور لطیف استدلال تک بہت کم لوگوں کو رسائی ہوئی۔ (۴۴)

امام صاحب نے صحیح بخاری میں بڑی تحقیق و تنقید اور جرح و قدح کے بعد منتخب کردہ ۹۰۸۲ صحیح احادیث درج کیں اگر مکرر احادیث کو نکال دیا جائے تو پھر ۲۹۷ احادیث رہ جاتی ہیں، ان میں معلقات، متابعات، موقوفات اور مقطوعات شامل ہیں، اسے فقہی اعتبار سے مرتب کیا گیا ہے مختلف عنوان قائم کر کے ہر عنوان کے تحت اسی مضمون کی صحیح احادیث نقل کی گئی ہیں، صحیح بخاری 97 کتابوں اور ۳۴۵۰ ابواب میں تقسیم ہے۔ (۴۵)

بقول ابن صلاح، صاحب مقدمہ، صحیح بخاری میں ۷۲۷۵ احادیث، مکرر احادیث سمیت ہیں امام نووی کا بھی یہی بیان ہے ابن حجر عسقلانی کے نزدیک معلقات کے بغیر احادیث کی تعداد ۷۳۹۷ ہے، بغیر مکررات کے ۲۶۰۲ ہیں بشمول معلقات ۲۷۶۱ اور تمام قسم کی احادیث شامل کر کے ۲۷۹۰ ہیں۔ (۴۶)

بہر حال امام بخاری نے صحیح، بخاری مدون کر کے دین اسلام کی ایک عظیم خدمت کی ہے،

اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو بے پناہ مقبولیت عطا فرمائی ہے اور امت کی عظیم اکثریت قرآن کریم کے بعد صحیح بخاری کو تواتر کے ساتھ بطور صحت مانتی چلی آ رہی ہے۔

جامع صحیح بخاری کی اسی اہمیت کے پیش نظر ہر دور میں اہل علم نے اس پر اپنی صلاحیتیں صرف کیں اور اس کے مختلف پہلوؤں پر کام کیا۔ ہمارے ممدوح سید صدیق حسن خاں بھوپالی کا شمار بھی انہی اہل علم میں ہوتا ہے۔ آپ کی یہ شرح "عون الباری لحل ادلة البخاری" دراصل علامہ شہاب الدین ابو العباس احمد بن احمد الزبیدی المتوفی ۸۹۳ھ کی کتاب "التجرید الصریح لاحادیث الجامع الصحیح" کی شرح ہے جو "مختصر الزبیدی" کے نام سے معروف ہے۔

نواب صدیق حسن خاں مرحوم جامع صحیح بخاری سے بے حد محبت رکھتے تھے اور اسے مسلمانوں کی فوز و فلاح اور ان کے اتفاق و اتحاد کی علامت تصور کرتے تھے، آپ کے نزدیک خاتم المحدثین حافظ ابن حجر عسقلانی کی کتاب "فتح الباری شرح صحیح بخاری" کے ہوتے ہوئے جامع صحیح بخاری کی کسی اور شرح کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ اپنی شرح "عون الباری" کا سبب تالیف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

شیخنا محمد بن علی بن محمد الشوکانی الیمانی سے کہا گیا کہ آپ بخاری شریف کی شرح کیوں نہیں لکھتے جب کہ آپ نے بہت سی کتابیں تالیف کی ہیں تو علامہ الشوکانی رحمہ اللہ نے جواب میں کہا "لا ھجرة بعد الفتح" یعنی فتح الباری کے بعد کسی شرح کی ضرورت نہیں ہے۔ نواب صاحب فرماتے ہیں کہ عظیم مجتہد علامہ شوکانی نے فتح الباری کے ہوتے ہوئے اپنے آپ کو اس سے قاصر سمجھا کہ وہ بخاری شریف کی شرح لکھ سکیں تو میں تو ان سے کم تر استعداد رکھتا ہوں۔

آپ کے نزدیک بخاری شریف پر مزید جو شروحات لکھی جائیں گی وہ فتح الباری کے عیال کی حیثیت رکھیں گی۔ گویا نواب صاحب فتح الباری کی موجودگی میں کسی اور شرح کو لکھنا پسند ہی نہیں فرماتے تھے، اس طرح آپ اور تالیفات میں مصروف رہے لیکن اس طرف نظر التفات ہی نہ ڈالی، لیکن جب اللہ تعالیٰ کو آپ سے یہ عظیم کام لینا منظور ہوا تو آپ کو علامہ شہاب الدین زبیدی کی کتاب "التجرید الصریح لاحادیث الجامع الصحیح" ملی۔ جسے نہایت عمدہ پایا اور آپ اس کے مداح ہو گئے۔ اس وقت تک اس کی دو شروح لکھی جا چکی تھیں، ایک شیخ الشرقاوی رحمہ اللہ

کی اور دوسری شیخ الغزیؒ کی لیکن آپ کی ان تک رسائی نہ ہو سکی۔ چنانچہ ان شروح کا اہل علم کے لیے میسر نہ ہونا اور آپ کو جذبہ خدمت حدیث کو بجالانا ہی اس شرح کے وجود میں آنے کا سبب ہے۔

نواب مرحوم نے اپنی اس عظیم تصنیف میں احادیث کی تبیین وضاحت بڑی شرح وبسط سے کی ہے اور شرح کرتے ہوئے علوم حدیث کے وہ دریا بہائے ہیں جن کی مثال شروح حدیث میں عنقاء ہے۔

اس میں آپ کا اسلوب تحریر نہایت شاندار اور نرالا ہے، سلاست زبان کا خاص طور پر خیال رکھا گیا ہے۔ آپ کی تحریر پڑھ کر آپ کی عربی دانی پر رشک ہونے لگتا ہے اور آپ ہندی عجمی ہونے کے باوصف سلاستِ زبان عربی کو اس اسلوب سے پیش کرتے ہیں کہ آپ پر عربی نژاد ہونے کا گمان ہونے لگتا ہے۔

آپ نے حدیث کے اہم رواۃ پر جرح وتعدیل کی ہے اور ان کی توثیق وتعدیل کرتے ہوئے حدیث کی توثیق پیش کرتے ہیں، مشکل الفاظ کا حل عربی لغت کی روشنی میں کیا ہے۔ فقہی مذاہب کو تفصیل سے ان کے ادلہ کے ساتھ بیان کر کے انہیں قرآن وحدیث کی میزان پر پرکھتے ہیں اور جس امام صاحب کا موقف قرآن وحدیث کی میزان میں وزنی پاتے ہیں اسی کو ترجیح دیتے ہیں اور اس سلسلے میں حالات کے خطرات سے نہیں گھبراتے اور کسی ''لومۃ لائم'' کی پرواہ نہیں کرتے۔ آپ جب فقہی مذاہب کو پیش کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ائمہ مذاہب کے تمام مسائل اور ان کے دلائل سے بخوبی واقف ہیں اور ان پر آپ کی نگاہِ نقد، ان کے مذاہب کے حاملین سے کہیں زیادہ ہے، خود فرماتے ہیں:

> ''فقہ سنت کو ویسا ہی جانتا، سمجھتا ہوں جس طرح مقلدین اپنے مذہب کی فقہ کو سمجھتے ہیں اور ان کے علماء مذہب حنفی، شافعی کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں۔ احکام ومسائل کے دریافت کرنے کے لیے میں اپنے دین میں کسی عالم کا محتاج نہیں ہوں بلکہ عبادات، معاملات اور اخرویات کے ہر مسئلہ کو قرآن وحدیث کے مطابق، تفاسیر مکرمہ وسنن مطہرہ کے معادن سے نکال کر تحقیقاً ودلیلاً بتا سکتا ہوں، چنانچہ میری مؤلفات اس پر شاہد عدل ہیں۔ معاصرین میں سے کسی کو بھی ائمہ اسلام کی کتابوں پر

اس قدر عبور حاصل نہیں ہے جتنا مجھے ہے کیونکہ میں نے ہزار ہا کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور ہر موضوع کی اکثر کتابوں کو اول سے آخر تک گہری نظر سے پڑھا ہے۔ فقہ سنت، اصول فقہ اور علم تفسیر میں جو دستگاہ مجھے حاصل ہے وہ کسی اور کو نہیں۔'' (۴۷)

فقہی مذاہب اور ترجیح دلیل کے بارے میں فرماتے ہیں:

''ائمہ اربعہ کے مذاہب پر عبور حاصل کرنے کے بعد میں نے اپنے لیے دلیل کے اتباع کو پسند کیا ہے یعنی دلیل کے اعتبار سے جو مذہب قوی اور صحیح ہو، میں اسے اختیار کرتا ہوں، خواہ وہ مذہب حنفی ہو یا شافعی، مالکی ہو یا حنبلی میں کسی مذہب کو محض تعصب کے پیش نظر رد نہیں کرتا اور نہ کسی مذہب کو محض خواہش نفس کے مطابق اخذ کرتا ہوں۔'' (۴۸)

آپ ''عون الباری'' میں حدیث کی شرح بیان کرتے ہوئے عجیب وغریب اور نادر الوجود نکات پیش کرتے ہیں اور تراجم ابواب پر جب آپ کا اشہبِ قلم رواں ہوتا ہے تو ابواب کے دقائق یوں نمایاں ہوتے ہیں کہ طالبان علم حدیث عش عش کر اٹھتے ہیں۔

مختصر یہ کہ آپ کی یہ شرح ایک منفرد حیثیت کی حامل ہے جس میں محدثین کا طرز استدلال، فقہاء کا طرز استنباط اور فلاسفہ و مناطقہ کی طرح پیچیدہ سے پیچیدہ گتھیاں سلجھانے کا ڈھنگ موجود ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ ادب کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹا اور سلف صالحین بالخصوص صحابہؓ و تابعین کا اسوہ بدرجہ اتم موجزن ہے۔

اب ہم تجرید الصریح اور عون الباری کے طریق کار پر روشنی ڈالتے ہیں۔

زبیدی صاحب رحمتہ اللہ علیہ اپنے طریق تجرید کے بارے میں لکھتے ہیں:

((ومقصود البخاري رحمه الله بذالك، كثرة طرق الحديث وشهرته ومقصود ناهنا اخذ اصل الحديث لكونه قد علم أن جميع مافيه صحيح)) (۴۹)

صحیح مسلم کے شارح امام نووی نے شرح مسلم کے مقدمہ میں صحیح بخاری کے متفرق ابواب میں مختلف اسناد کے ساتھ تکرار احادیث کے متعلق لکھا ہے کہ ان کا ترجمۃ الباب کے ساتھ تعلق بعید ہوتا ہے۔ طالب حدیث کے لیے جمع طرق حدیث اور ان طرق کی توثیق حاصل کرنا ایک دشوار

معاملہ ہے۔ زبیدی صاحب کے نزدیک متاخرین نے اس معاملہ میں غلطیاں کی ہیں۔

بہت سے متاخرین علماء، ترجمۃ الباب سے بہت سی احادیث کا تعلق ادق ہونے کی بنا پر ان کی تلاش میں ناکام ہوئے بلکہ انہوں نے کہہ دیا کہ یہ احادیث بخاری شریف میں موجود ہی نہیں ہیں۔ زبیدی صاحب نے ان امور کو مدنظر رکھا، چنانچہ انہوں نے بخاری شریف کی احادیث کو تکرار کے بغیر اور حذف اسانید کے ساتھ لکھا۔ اس سلسلہ میں وہ رقم طراز ہیں:

((احببت عنه صرد حديثة من غير تكرار وجعلتها مخذوفة الاسانيد ليقرب انتوال الحديث من غير تعب)) (۵۰)

متکرر حدیث کو نواب صاحب پہلے مقام پر درج کرتے ہیں البتہ اگر دوسرے تیسرے مقام پر متکرر حدیث سے ایسا فائدہ حاصل ہو جو پچھلے مقام پر نہیں ہوا یا اضافہ ہو تو زبیدی صاحب اسے دوبارہ بھی ذکر کرتے ہیں۔ صاحبِ عون الباری مقدمہ میں لکھتے ہیں:

((واذا أتى الحديث المتكرر اثبته فى اول مرة وان كان فى الموضع الثانى زيادة فيها فائدة ذكرتها والا فلا)) (۵۱)

البتہ نواب صدیق حسن خانؒ نے اپنی شرح میں متکرر حدیث کے دوسرے مقامات کی نشان دہی کر دی ہے۔ میں یہاں دو ایسی احادیث نقل کرتا ہوں جو متکرر ہیں لیکن زبیدی صاحب ان کو صرف پہلے مقامات پر لائے ہیں۔

((عن عبادة بن الصامت رضي الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال وحوله عصابة من اصحابه "بايعونى على ان لا تشركوا بالله شيئا ولا تسرفوا ولا تزنوا ولا تقتلوا اولادكم ولا تاتوا ببهتان تفترونه بين ايديكم وارجلكم ولا تعصوا فى معروف فمن وفى منكم فاجره على الله ومن اصحابه من ذالك شيئا فعوقبه فى الدنيا فهو كفارة له ومن احباب من ذالك شيئا ثم ستره الله فهو الى الله ان شاء عفا عنه وان شاء عاقبة فبا يعناه على ذالك)) (۵۲)

نواب صاحبؒ نے اس حدیث کے تکرار شدہ مقامات کی نشاندہی ان الفاظ میں کی ہے:

((واخرجه البخاری ایضا فی المغازی والاحکام وفی وفود الانصار وفی الحدود)) (۵۳)

((عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ انه قال: قال رسول الله ﷺ: " یوشك ان یکون خیر مال المسلم غنما یتبع بها شعف الجبال ومواقع القطر یفر بدینه من الفتن)) (۵۴)

نواب صدیق حسن خانؒ اس کے دوسرے مقامات کی طرف اس طرح اشارہ کرتے ہیں:

((وقد رواہ البخاری ایضا فی الفتن والرقاق وعلامات النبوۃ وکتاب الفتن الیبق المواضع به .))

علاوہ ازیں آپ نے تجرید کی صرف وہی احادیث ذکر کی ہیں جو مسند اور متصل ہیں مقطوع اور معلق کو انہوں نے چھوڑ دیا ہے، لکھتے ہیں:

((ولا اذکر من الاحادیث ، الا ما کان مسندا متصلا واماما کان مقطوعا او معلقا فلا التعرض له .)) (۵۶)

اسی طرح صحابہ کرام اور تابعین رحمہم اللہ کے وہ اخبار جن کا تعلق وحدیث وذکر رسول اللہ ﷺ سے نہیں ہے ان کا تذکرہ انہوں نے اس میں نہیں کیا۔ مثلاً سقیفہ بنی ساعدہ میں مسئلہ خلافت اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کا وہاں جانا اور بیان ووعظ کرنا وغیرہ۔

شہادت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنے صاحبزادہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کے حجرہ میں تدفین کی اجازت لینے کی وصیت کرنا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کا واقعہ:

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی اپنے بیٹے کو قضا دین کے بارے میں وصیت وغیرہ، اس سلسلہ میں نواب صاحبؒ رقم طراز ہیں:

((وکذالك ما کان من اخبار الصحابة فمن بعدهم۔ مما لیس له تعلق بالحدیث ولا فیه ذکر النبی ﷺ فلا اذکرہ)) (۵۷)

اگرچہ آپ نے حذف اسانید سے کام لیا ہے لیکن آپ نے حدیث کے راوی صحابی کا نام بھی درج کیا ہے اور عام طور پر راوی کے الفاظ کا التزام کیا ہے۔ مثلاً:

عن عائشة

عن ابن عباس

عن انس وغیرہ

صاحب تجرید کہتے ہیں:

"جہاں کہیں اسم کا اختلاف ہے وہاں نسخ کے اختلاف کی بنا پر ہے۔"

البتہ زبیدی صاحب سے لے کر امام بخاریؒ تک متعدد متصل اسناد مقدمہ میں لکھ دی گئی ہیں۔

"عون الباری" سب سے پہلے "نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار" کے حاشیہ پر طبع ہوئی۔ بعد ازاں آپ کی زندگی میں ہی ایک مستقل کتاب کی حیثیت سے مطبع صدیقی بھوپال سے ۱۲۹۹ھ میں طبع ہوگئی تھی اور مفت تقسیم کی گئی تھی، اس کا ایک نسخہ دارالدعوۃ السلفیہ لاہور میں نمبر Q29726 کے تحت موجود ہے۔ اس کے بعد مطبع منیریہ قاہرہ اور دارالرشید شام سے پانچ جلدوں میں ۱۴۰۴ھ میں طبع ہوئی۔

(۲) السراج الوھاج شرح صحیح مسلم:

قرآن مجید کے بعد شریعت اسلامیہ کا بنیادی ماخذ سنت رسول اللہ ﷺ ہے اور سنت رسول اللہ ﷺ معلوم کرنے کا نہایت قابل اعتماد ذریعہ آنحضرت ﷺ کی احادیث پر مشتمل صحاح ستہ ہیں، جن میں امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ کی عظیم تالیف " الجامع الصحیح " اور امام مسلمؒ بن حجاج قشیریؒ کی " الصحیح للمسلم" کا مرتبہ بلند ترین ہے جیسا کہ صحیح بخاری کو " اصح الکتب بعد کتاب اللّٰہ " کا مقام و درجہ حاصل ہے۔ اسی طرح حسن ترتیب، موضوعات کی جامعیت اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال وافعال اور تقاریر پر مشتمل روایات کی محدثانہ اور کڑی جانچ پرکھ کے لحاظ سے امام مسلم کی مرتب کردہ " صحیح مسلم " کا مقام و مرتبہ بہت ممتاز اور اونچا ہے بلکہ بعض ائمہ فن نے " صحیح مسلم " کو کئی ایک خوبیوں اور سخت ترین شرائط کی بنا پر " صحیح بخاری " سے ممتاز حیثیت دینے کی سعی و کوشش کی ہے، اگرچہ یہ بات تسلیم نہیں کی گئی لیکن سب ائمہ فن کے نزدیک " صحیح بخاری " کے بعد " صحیح

مسلم " ہی کا مقام ہے، گویا میدان حدیث میں یہ دونوں کتابوں سپریم کورٹ کی حیثیت رکھتی ہیں اور باقی صحاح ستہ کی کتابیں ہائی کورٹ کا درجہ رکھتی ہیں یعنی کہ جس طرح ہائی کورٹ کا فیصلہ سپریم کورٹ رد کرسکتی ہے اور سپریم کورٹ کا فیصلہ آخری اور قطعی ہوتا ہے اسی طرح ''صحیحین'' میں آنے والی احادیث قطعی الثبوت حجت ہیں اور ان کے مقابلے میں صحیح حدیث ثقہ ہوگی اور انہیں اوثق کی حیثیت حاصل ہوگی اور عمل انہیں (اوثق) روایات پر ہوگا۔

ہم " السراج الوهاج " کے مطالعہ سے پہلے مختصراً صحیح مسلم کا تعارف پیش کرتے ہیں:

''صحیح مسلم'' چار ہزار سے زاید صحیح اور مستند احادیث نبویہ ﷺ پر مشتمل عظیم الشان کتاب ہے جو اسلامی ضابطہ حیات کے عملی پہلوؤں کا ایک جامع نقشہ ہمارے سامنے پیش کرتی ہے۔

امام مسلمؒ نے علم حدیث اور اصولِ حدیث پر بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں سے كتاب المسند الكبير على الرجال، الجامع الكبير ، كتاب الاسماء والكنى، كتاب العلل اور كتاب الواحدان شامل ہیں۔ یہ تمام کتب اپنے اپنے موضوعات پر بڑی اہمیت کی حامل ہیں لیکن آپ کی جس کتاب کو سب سے زیادہ شہرت ملی وہ آپ کی مایہ ناز تصنیف صحیح مسلم ہے، آپ نے اس کتاب کے شروع میں علم جمع و تدوین حدیث پر ایک جامع اور مبسوط مقدمہ بھی لکھا ہے جس میں نہایت شرح وبسط کے ساتھ وہ اصول ذکر کیے ہیں جنہیں آپ نے اپنی کتاب مرتب کرتے وقت پیش نظر رکھا ہے۔

امام صاحبؒ نے اپنی جمع کردہ احادیث اس انداز سے مرتب کی ہیں کہ ان کا معنوی وفطری حسن اور تسلسل پوری طرح قائم رہتا ہے اور جو لوگ اس شعبہ میں پوری آگاہی اور مکمل علم نہ بھی رکھتے ہوں ان کے لیے بھی اس کتاب کو پڑھنا اور سمجھنا زیادہ مشکل نہیں ہوتا۔ تھوڑے سے انہماک اور محنت وتوجہ سے وہ اس کو سمجھ سکتے ہیں۔

کائنات علمی میں اہل علم حضرات بالخصوص محدثین اور طلباء حدیث میں اس کتاب کی مقبولیت کی بناء پر بہت سے محدثین نے اس کی شروح لکھی ہیں جب کہ بعض نے اس کی تلخیص بھی لکھی ہے۔ ''صحیح مسلم'' کی تلخیص لکھنے والوں میں امام عبدالعظیم منذری بھی شامل ہیں۔

حافظ عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذریؒ نے ''صحیح مسلم'' کی تلخیص بائیس صد احادیث درج فرما کر کی ہے۔ نواب مرحوم نے دراصل اس تلخیص شدہ کتاب کی شرح لکھی ہے۔ آپ نے اس کی

شرح میں بے مثل قابلیت اور خداداد صلاحیت کا مظاہرہ کیا ہے۔ آپ نے مشکل الفاظ کا حل لغت عرب کی روشنی میں پیش کیا ہے اور احادیث نبویہ ﷺ کے اہم رجال پر بحث کرتے ہوئے ان کی توثیق کی ہے۔ مذاہب کا تذکرہ کیا ہے اور مذاہب کا اختلاف بیان کر کے ان کے دلائل کو حدیث نبوی ﷺ کی روشنی میں پرکھا ہے اور صحیح حدیث کی روشنی میں صحیح موقف وطریقہ کو ترجیح دی ہے۔ مختصر یہ کہ آپ نے ''السراج الوھاج'' میں شرح کا وہی انداز واسلوب پیش نظر رکھا ہے جو آپ نے تجرید البخاری للزبیدیؒ کی شرح '''' عون الباری'' میں اختیار فرمایا ہے۔

والا جاہ مرحوم نے اپنی یہ شرح '' عون الباری'' کے بعد تصنیف کی ہے۔ یہ نہ تو زیادہ مختصر ہے اور نہ ہی زیادہ طویل ہے بلکہ " متوسط الحجم " ہے۔ آپ " متوسط الحجم" ہونے کی وجہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

((ولولا ضعف البينة وقصر المهمة وقلة الرغبة لقلة الطلبة للمطولات لبسطة مبلغت به ما يزيد على المجلدات لكني اقتصرت فيه على المتوسط الذى لا يخل ولا يمل وخير الكلام مقاقل ودلى)) (۵۸)

نواب صدیق حسن خانؒ نے اس کے مقدمۃ الکتاب میں تحریر کیا ہے کہ '' علم کے ساتھ مشغول ہونا افضل ترین اطاعت اور قرب الٰہی کا ذریعہ ہے اور انواع خیر میں سے اہم ترین خیر ہے اور نہایت مؤکد عبادت ہے۔ چنانچہ اس پر آیات واحادیث اور سلف صالحین کے فرامین کثرت سے موجود ہیں۔ (۵۹)

آپ نے تمام انواع علوم سے علم کی افضل نوع حدیث نبوی ﷺ کی معرفت کو قرار دیا ہے۔ جس میں انواع علم حدیث اور اس کی اسانید کی معرفت اور علم حدیث کی صحاح کتب، کتب سنن اور کتب مسانید کو جاننا شامل ہے اور اس کی دلیل یہ دی ہے کہ '' ہماری ملت یا ہمارے دین کی بنا کتاب وسنت پر ہے، چنانچہ اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ مجتہدین اور فقہا امت کے لیے ضروری ہے کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے عالم ہوں اور ان کے منطوق پر چلنے والے ہوں۔ (۶۰)

اس کی وجہ وہ یہ بتاتے ہیں کہ قرآن وحدیث کے ساتھ مشغول ہونا اجل العلوم اور اہم

اعمال صالحہ میں سے ہے۔ کیونکہ علم حدیث امام کائنات حضرت محمد الرسول ﷺ جو افضل الکائنات اور خیر البریّۃ ہیں، ان کی سیرت پر مشتمل ہے اور سیرت رسول اللہ ﷺ عبادات، عادات، معاملات، قوانین معاشرت و عدالت اور تمام نظام ہائے حیات پر محیط ہے۔ ازمنۂ ماضیہ میں علم حدیث کے ساتھ لوگوں کو اتنی رغبت تھی کہ مجلس حدیث میں عرب و عجم کے مختلف قبائل سے ہزاروں لوگ جمع ہوتے تھے، لیکن قرون ثلاثہ مشہو دلہا بالخیر میں لوگوں کی ہمتیں کم ہوگئیں، بدعات اور منکرات کی کثرت ہوگئی، اب وہ علم حدیث دواوین میں باقی رہ گیا، اور بہت کم لوگ ہیں جو اپنی زندگی کا ملجا و ماویٰ نشر علم حدیث کو بناتے ہیں، فلسفہ و منطق کے مباحث و مناظرۃ اور حکومتی سرپرستی سے اہل رائے کو غلبہ حاصل ہوگیا۔

نواب صاحب ان حالات کو درج کرتے ہوئے لکھتے ہیں: لٰہذا میرے نزدیک جو شخص کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ، ائمہ عظام اور عام مسلمانوں اور خصوصاً اپنے لیے خیر و خواہی کا ارادہ رکھتا ہو اسے چاہیے کہ علم حدیث سیکھنے کا اہتمام کرے اور اس پر حریص ہو، اور دوسرے لوگوں کو اس پر رغبت دلائے، بہت سارے اہل علم کا یہ کہنا ہے کہ شرح صدر اور دل میں نورانیت حاصل کرنے کے لیے علم حدیث کے ساتھ مشغولیت چاہیے کیونکہ حدیث اس پیغمبر محمد الرسول ﷺ کا کلام ہے جن کو اللہ کی طرف سے جوامع الکلم عطا کیے گئے ہیں۔

چونکہ کتب حدیث میں خصوصاً اور علم حدیث میں عموماً جو مقام امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کو حاصل ہے وہ کسی دوسرے امام اور ان کی کتاب کو حاصل نہیں۔

اس کے بارے میں نواب صاحب رقم طراز ہیں:

((وهما كتابان قديمان مباركان عليهما ولهما وفيهما لم يوجد لهما نظير في المؤلفات الاسلامية والمجموعات والمصنفات الايمانية واتفق جمهور واهل العلم الا من لا يعتد به بتلقيهما بالقبول على العلات وتقديمهما بعد القرآن الكريم على جميع مصنفات والمؤلفات۔ الخ)) (۶۱)

اس کے بعد نواب صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے جب صحیح بخاری کی شرح عون الباری لحل ادلۃ البخاری لکھ لی جو کہ اللہ کے فضل و کرم سے مختصر اور ادلہ کے لیے موضح و مفصل ہے اور جو سب

سے پہلے مصر میں نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار کے حاشیے پر طبع ہو چکی ہے۔ میں چاہتا تھا کہ دوسری بڑی کتاب حدیث صحیح مسلم کی کوئی ملخص اور تجرید مجھے میسر ہوتا کہ میں اس کی کوئی شرح لکھوں اور صحیحین کی تجرید اور تلخیص کی شرح لکھ کر اسے اپنے زندگی بھر کے گناہوں کی معافی کا سبب بنا سکوں اور اللہ کے سامنے پیش کر سکوں اور رسول اکرم ﷺ کی شفاعت حاصل کر سکوں۔

بالآخر آپ کو حافظ عبدالعظیم منذری رحمۃ اللہ کی تلخیص صحیح مسلم، الشیخ المحدث المتبع الصالح العالم محمد بن عبدالعزیز جعفریؒ سے ملی (جو کہ بھوپال میں اس وقت قاضی تھے اور مچھلی شہر کے رہنے والے تھے) چنانچہ آپ نے صحیح مسلم کی تلخیص جو منذریؒ نے کی تھی اس کی متوسط شرح لکھنی شروع کردی اور اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ طالب حق اپنی شرعی ضروریات پوری کر سکے اور فقہ الحدیث تک اس کو رسائی حاصل ہو۔ اور اس شرح میں انہوں نے امام نووی کی شرح کو خصوصی طور پر ملحوظ رکھا ہے اور اس سے استفادہ کیا ہے۔

نیز باقی دواوین سنن، کتب حدیث اور محققین علماء کے علوم سے اس کی شرح میں مدد لی ہے بلکہ آپ کے الفاظ میں آپ نے سب کا ماحصل درج کر دیا ہے۔

''السراج الوہاج'' کی ابتداء میں نواب صاحب نے حافظ منذریؒ کی تلخیص کا تعارف کروایا ہے اور اس کے بعض مقامات پر تنقید بھی کی ہے جیسا کہ مقدمہ میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔ آپ کے نزدیک منذریؒ نے اجماعات کے نقل میں تساہل سے کام لیا ہے، آپ لکھتے ہیں:

((قد حصلت تساهل البالغ فی نقل الاجماعات وصار من لا يحب له من مذاهب اهل العلم يظن ان ما اتفق عليه اهل مذهبه او اهل قطره هو اجماع وهذه مفسدة عظيمة فياتی هذا الناقل بمجرد الدعوی بما تعم به البلوی ذاهلا عن لزوم الخطر العظيم علی عباد الله تعالیٰ من هذا والنقل الذی لم يكن علی طريق التثبت والورع)) (۶۲)

لغت میں اجماع اتفاق کو کہتے ہیں اور شریعت محمدیہ ﷺ کے مجتہدین، صالحین اہل علم کا ایک زمانہ میں کسی امر، قول یا فعل پر متفق ہونا اجماع کہلاتا ہے۔

منذری کے ہاں اجماعات نقل کرنے میں بہت تساہل پایا گیا ہے۔ مثلاً ایک مذہب کے

حاملین کے اتفاق یا ایک علاقہ کے لوگوں کے اتفاق کو اجماع سے تعبیر کیا گیا یہ درست نہیں ہے جیسا کہ پیچھے اجماع کی تعریف کی گئی ہے۔ اس تساہل سے بہت خرابی واقع ہوتی ہے۔

اہل مذاہب ایسے مسئلہ کو جو ان میں متفق علیہ ہو خصوصاً اجماع کہتے ہیں جب کہ یہ اجماع کی تعریف کے خلاف ہے۔ اصل میں اجماع مشہود لھا بالخیر کی حجت ہوتا ہے۔ بعد میں آنے والے ائمہ اربعہ اور دوسرے مجتہدین علماء کا حصر چونکہ ممکن نہیں، بس ایسے ادوار کے اجماع کو حجت قرار نہیں دیا جا سکتا، یہی انصاف ہے، اس سلسلے میں امام شوکانی رحمتہ اللہ علیہ کا ایک قول نواب صاحب نے مقدمۃ السراج الوھاج میں نقل کیا ہے، لکھتے ہیں:

((ان الاجماعات التی یحکونها فی المصنفات لیست باعتبار ان الحاکی لم یعلم بوقوع خلاف فی المسئلة وعدم علمه بالوقوع لا یستلزم العدم غایة ماهناك ان حصل له ظن بالاجماع ومجرد ظن فرد من الافراد لا یصلح ان یکون مستندا للاجماع ولا طریقة من طرقه)) (۶۳)

نواب صاحب نے یہ شرح متوسط الحجم لکھی ہے۔ زیادہ طوالت اور زیادہ اختصار سے کام نہیں لیا کہ بہت زیادہ طوالت اکتاہٹ کا سبب ہوتی ہے اور بہت زیادہ اختصار بعض اوقات ناقابل فہم ہوتا ہے۔ السراج الوھاج کی ابتداء میں سید صاحب نے ایک مقدمہ لکھا ہے جو سات فصول پر مشتمل ہے۔ ذیل میں ان کا تعارف دیا جاتا ہے۔

فصل اول:

امام مسلمؒ اور مسلم شریف کا تعارف کرواتے ہوئے لکھا ہے کہ امام مسلمؒ نے کئی کتب تصنیف کی ہیں ان میں سے ایک "الصحیح" ہے جو امام مسلمؒ کے لیے تا قیامت ذکر جمیل اور ثناءِ حسن کا باعث ہے۔

احمد بن سلمہ کے واسطے سے امام ابوزرعہ اور امام ابو حاتم کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ صحیح مسلم کو معرفت وصحت میں مقدم قرار دیتے ہیں، نواب صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے بھی مسلم شریف کو عظیم اور بے مثل کتاب قرار دیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

((علم أنه امام لا يلحقه من بعد عصره وقل من يساويه بل يدانيه من اهل وقته دهر))

نواب صاحب نے مسلم شریف کی صحت، اطلاع اسانید، عمدہ ترتیب، حسن سیاق اور اچھوتے انداز کی تعریف کی ہے اور ایک محقق کو اس کے بارے میں خوبصورت الفاظ میں تحقیقی نظر کی ترغیب دلائی ہے۔

((ومن حقق نظره فى صحيحه واطلع على ما أودعه فى أسانيده وترتيبه وحسن سياقته وبدايع طريقته من نفائس التحقيق وجواهر الترفيق وانواع الودع والاحتياط والتحرى فى الرواية وتلخيص الطرق واختصارها وضبط متفرقها وانتشارها وكثرة اطلاعه اتساع روايته وغير ذلك مما فيه من المحاسن والعجوبات والطائف الظاهرة)) (۶۴)

فصل دوم:

آپ نے اس فصل میں مسلم شریف کو امام مسلمؒ کی تصنیف ثابت کیا ہے اور کہا ہے کہ تواتر اور شہرت سے قطعی طور پر معلوم ہو چکا ہے کہ یہ امام مسلم کی ہی تصنیف ہے۔

فصل سوم:

آپ نے اس فصل میں تمام کتب حدیث میں صحیحین کو قطعی الصحت کا جو درجہ حاصل ہے اور پوری امت میں ان دونوں کو جو درجۂ قبولیت کی ہے، تمام اہل علم کے متفق ہونے کا ذکر کیا ہے۔ آپ کہتے ہیں:

"امام حاکم اور بعض معاربہ کا صحیح مسلم کو بخاری سے اصح کہنا درست نہیں ہے بلکہ راجح بات یہ ہے کہ بخاری ان دونوں میں سے اصح ہے اور فوائد و معارف کے لحاظ سے بھی اعلیٰ و بہتر ہے۔ بلکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کیا ہے۔ اور امام مسلمؒ نے تسلیم کیا ہے کہ علم حدیث میں امام بخاری کی نظیر نہیں پائی جاتی۔"

نواب صاحب رحمۃ اللہ علیہ مسلم شریف کے مداح بھی ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں کہ امام مسلمؒ نے کہا ہے:

((لو أن اهل الحديث يكتبون ماتى سنة الحديث فمدارهم على هذا المسند يعني صحيحه وقال صنفت هذا المسند من ثلاثة مئة الف حديث مسموعة))

متفق علیہ احادیث پر حافظ ابن صلاح کے حوالہ سے نواب صاحب نے اپنا موقف بیان کیا ہے کہ جس حدیث کی تخریج میں بخاری و مسلم کا اتفاق ہو گیا ہو اس کا مخبر مقطوع بصدق ہے اور یہ متفق علیہ حدیثیں علم نظری کا فائدہ دیتی ہیں۔ جس طرح متواتر احادیث علم کا فائدہ دیتی ہیں صرف فرق یہ ہے کہ متواتر "مفید علم ضروری" ہوتی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

((وقد اتفقت الامة على أن مااتفق الشيخان على صدقه فهو حق وصدق)) (۶۵)

فصل چہارم:

اس فصل میں امام مسلم کی احتیاط، اتفاق، ورع اور معرفت کی تعریف کی گئی ہے۔ نواب صاحب اس میں امام مسلمؒ کے دوسرے محدثین سے اس فرق کو بھی بیان کرتے ہیں جو حدثنا اور اخبرنا کے سلسلہ میں ان میں پایا جاتا ہے۔

امام مسلم رحمتہ اللہ علیہ نے حدثنا اور اخبرنا میں تمیز پیدا کی ہے جب کہ دوسرے محدثین اس میں فرق نہیں کرتے، امام مسلمؒ کے نزدیک "حدثنا" اس وقت کہیں گے جب استاذ پڑھے اور شاگرد سنے اور "اخبرنا" اس وقت کہیں گے جب شاگرد پڑھے اور استاد سنے۔

فصل پنجم:

اس میں نواب صاحب نے بیان کیا ہے کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے احادیث کو تین اقسام میں تقسیم کیا ہے۔

الاول: ما رواه الحفاظ والمتقنون

والثاني: ما رواه المستورون المتوسطون في الحفظ والاتقان

والثالث: ما رواه الضعفاء والمتروكون .

نواب صاحب رحمۃ اللہ علیہ بتاتے ہیں کہ امام مسلمؒ نے پہلے قسم اول کی احادیث پیش کی ہیں، پھر قسم ثانی کی احادیث درج کی ہیں اور تیسری قسم کی احادیث سے انہوں نے گریز کیا ہے۔

فصل ششم:

اس میں انہوں نے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ تک اپنی سند درج کی ہے جو کہ انتہائی علو درجہ کی ہے اور امام مسلمؒ اور ان کے درمیان صرف چھ واسطے ہیں۔

فصل ہفتم:

اس میں لکھتے ہیں، چونکہ مسلم شریف کی احادیث صحت وشہرت اور قبولیت میں محل علو کو پہنچ چکی ہیں اور عام طور پر یہ صحیح بخاری کے بعد دوسرے درجے کی کتاب ہے اور یہ دونوں اصح الکتب بعد القرآن ہیں۔

انہوں نے محدثین کا یہ قول بھی درج کیا ہے:

((ومن يهون امرهم فهو مبتدع متبع غير سبيل المؤمنين)) (۶۶)

شرح میں نواب صاحب کا طریق:

نواب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث مسلم پر بے لاگ تبصرہ کیا ہے اور توضیح احادیث میں منصفانہ طریق اختیار کیا ہے، آپ نے حدیث صریح کے ہوتے ہوئے کسی امتی کی طرف قطعاً میلان نہیں کیا، اس سلسلہ میں چند ایک مسائل میں نواب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں تاکہ نواب صاحب کی علمی دیانت واضح ہو سکے۔

☆ باب اذا قيمت الصلوٰة فلا صلوٰة الا المكتوبة حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت پر نواب صاحب رقم طراز ہیں:

((وهذا نص فى هذه المسئلة ويدل له الرواية الاخرى عند مسلم عن عبد الله بن مالك ابن بجينة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم مرّ برجل يصلى وقد اقيمت صلوٰة الصبح فقال يوشك ان يصلى احدكم الصبح اربعا))

نواب صاحب امام نوویؒ کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

((فیہ النھی الصریح عن افتتاح نافلة بعد اقامة الصلوٰة سواء کانت راتبة أو غیرھا قال : وھذا مذھب الشافعی والجمھور۔ وقال ابوحنیفه: یصلی سنة الصبح مالم یخشی فوت الرکعة الثانیة۔ وقال الثوری: مالم یخشی فوت الرکعة الاول۔الخ))

اس مسئلہ میں مذاہب بیان کرنے کے بعد نواب صاحب اپنا موقف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

((قلت: ظاھر الحدیث الصحیح عند المسلم واحمد وأھل السنن وغیرہ أن الخروج واجب اذا سمع اقامة الصلوٰة وھی قول المؤذن قد قامت الصلوٰة ھذا ھو المراد وان کان المراد القیام الی الصلوٰة کان الواجب علیه اذا عاین قیامھم الی الصلوٰة ان یخرج لان ظاھر قوله ﷺ: فلا صلوٰة نفسی ذات الصلوٰة الشرعیة فلمشف عند قامت الصلوٰة قد باطلت صلوٰته فاذا استمر فیھا فقد استمر فی صلوٰة غیر شرعیة ، وخالف مع جاء فی الشارع)) (۶۸)

☆ اسی طرح نواب صاحبؒ "باب فی الوتر ورکعتی الفجر "میں صحیح مسلم کی حدیث عن ابن عمر رضی اللہ عنہما " کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یصلی من اللیل مثنی مثنی ویوتر برکعة "کے متعلق لکھتے ہیں:

((فیه دلیل علی أن أقل الوتر رکعة وأن الرکعة الفردة صلوٰة صحیحة وھذا مذھب وقال ابوحنیفةؒ: لا یصح الایتار بواحدة ولا تکون الرکعة الواحدة صلوٰة قط والاحادیث صحیحة ترد علیه منھا حدیث عائشة رضی اللہ عنھا ویوتر منھا بواحدة)) (۶۹)

☆ مسجد میں نماز جنازہ کے بارے میں مسلم میں باب قائم ہے:

((باب الصلوٰة علی المیت بالمسجد))

اس پر نواب صاحب نے امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کا مذہب " لا تصحیح الصلوٰۃ فی المسجد " بیان کیا ہے اور جمہور بشمول ابوداؤد اور شافعی رحمہما اللہ کا مذہب (جنازہ مسجد میں جائز ہے) بھی درج کیا ہے۔

نواب صاحب نے فریقین کے دلائل بیان کرنے کے بعد مجوزین کے چار جوابات کا محاکمہ کیا ہے:

((قلت: هذا الوجه كالوجه الثالث ضعيف جدا والوجه الاول كالوجه الثاني واضح وايضًا حديث ابي داؤد لا يصلح لمعارضة ما في صحيح مسلم)) (۷۰)

☆ حالت سفر میں نمازِ معتبر ہے یا عزیمت کے بارے میں ائمہ کرام میں اختلاف ہے۔'' السراج الوھاج'' میں نواب والا جاہ رحمۃ اللہ علیہ اس پر لکھتے ہیں:

((واقول: لم يثبت عن النبي ﷺ في جميع اسفاره الا القصر، ذالك في صحيحين وغيرهما واظهر الادلة على الوجوب حديث عائشة هذا وهو في البخاري ايضاً وفيه اخبار بأن صلوٰة السفر اقرت على ما فرضت عليه فمن زاد فيها فهو كمن زاد على اربع في صلاة الحضر))

نواب صاحب نے نہایت اچھے انداز میں بلا رعایت مسلک نماز قصر میں فرضیت دوگانہ کی زبردست دلیل پیش کی ہے جب کہ اس کے خلاف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک سفر میں پوری نماز فرض ادا کرنا مروی ہے۔ نواب صاحب اس کا جواب یہ دیتے ہیں:

((لا تقوم به الحجة بل الحجة في روايتها لا في راها۔ وهكذا لم يثبت ما روى أنها روت عن النبي ﷺ أنه أتم وقد وافق على هذا الخبر الذي اخبرت عنه ابن عباس فاخرج مسلم عنه أنه قال إن الله عزوجل فرض الصلوٰة على لسان نبيكم على المسافر ركعتين وعلى المقيم اربعًا وفي الخوف ركعة))

اس طرح ایک اور روایت پیش کر کے اپنا موقف ثابت کرتے ہیں:

((عن عمر رضی اللہ عنہ قال صلوٰة السفر رکعتان وصلوٰة الاضحی رکعتان وصلوة الفطر رکعتان وصلوٰة الجمعة رکعتان تمام من غیر قصر علی لسان محمد صلی اللہ علیہ وسلم))

نواب صاحب اس حدیث کے رجال کے بارے میں لکھتے ہیں:

((ورجال رجال صحیح .))

اسی طرح ابن حبان، ابن خزیمہ، نسائی وغیرہ کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں:

((عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اتانا ونحن ضلال فعلمنا فکان مما علمنا أن اللّٰه عزوجل امرنا أن نصلی رکعتین فی السفر قال فی السبل الجرار فهذه الادلة قد دلت علی ان القصر واجب غیر رخصة))

اس کے بعد " اذا ضربتم فی الارض ...... " الآیۃ۔ کا جواب دیتے ہیں:

((هذا وارد فی صلوٰة الخوف ومراد قصر الصفة لا قصر العدد کما ذکر ذلك المحققون کما یدل علیه آخر الایة ولو سلمنا انها فی صلوٰة القصر لکان ما یفهم من رفع الجناح غیر مراد به ظاهراً لدلالة الاحادیث الصحیحة علی أن القصر عزیمة لا رخصة ولم یرد فی السنة ما یصلح لمعارضة ما ذکرناه من الادلة الصحیحه))

ایک دفعہ عروہ سے زہری نے پوچھا تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سفر میں پوری نماز پڑھا کرتی تھیں تو عروہ نے کہا: عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی عثمان رضی اللہ عنہ کی طرح تاویل کر لی تھی یعنی انہوں نے سفر اور اتمام دونوں کو جائز سمجھا۔

اس پر نواب صاحب لکھتے ہیں:

((وهذا رأی منهما ولیس براویة حتی یصار الیها ویعول علیها))

آپ کا اس مسئلہ میں حدیث کے مدنظر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عمل کو اہمیت دینا ان کی علمی دیانت پر دلالت کرتا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

((وقد بطله المحققون بأن النبی ﷺ کان اولی بذلك فما وكذلك ابوبكر و عمر رضی اللہ عنہما ولكنهم لم يفعلوا ذلك وقد عمل بظاهر هذا الحديث وحديث ابن عباس المتقدم طائفة من السلف منهم الحسن والضحاك واسحاق بن راهويه وغيرهم)).(۷۱)

نواب صاحب مرحوم کی یہ عظیم شرح ''السراج الوھاج'' ہمیشہ علماء بالخصوص مدرسین وطلبا میں مقبول ومتداول رہی ہے اور اسے ہمیشہ پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ یہ کتاب متعدد بار چھپ کر منصۂ شہود پر آ چکی ہے۔ پہلی بار ۱۳۰۲ھ میں مطبع صدیقی بھوپال سے طبع ہوئی، بعد ازاں اس پر تحقیق کی گئی اور محققہ نسخہ قطر میں وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ کی طرف سے گیارہ جلدوں میں ۱۴۱۷ھ میں شائع کیا گیا۔

اس وقت ہمارے سامنے المکتبۃ الاثریہ مسجد اہل حدیث باغ والی سانگلہ ہل ضلع شیخوپورہ کا شائع کردہ نسخہ ہے، اس پر سن اشاعت درج نہیں ہے۔ البتہ کتبہ پر کاتب کے نام کے ساتھ ۱۳۰۲ھ درج ہے جو کہ سرورق کتابت کا سن معلوم ہوتا ہے جب کہ یہ مطبع صدیقی بھوپال کے چھاپا پر ہی طبع کی گئی ہے، اس کے اندر کے سرورق پر یہ عبارت موجود ہے۔

((طبع فی المطبع الصدیق الکائن فی بلدۃ بھوپال المحمیة ۱۳۰۲ھ بادارۃ العبد الضعیف کرامۃ اللّٰہ غفر اللہ له ذنوبه))

''السراج الوہاج'' کا یہ نسخہ ۵۹۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۳) مسك الختام شرح بلوغ المرام:

مسك الختام، خاتم المحدثین، حافظ ابو الفضل شهاب الدين احمد بن علی بن حجر الکنعانی المصری العسقلانی کی حدیث کی مایہ ناز اور اہم کتاب ''بلوغ المرام'' کی فارسی زبان میں شرح ہے۔

" بلوغ المرام من ادلة الاحکام " کتب حدیث کی مختصرات کتب میں سے ایک ہے لیکن مقاصد حدیث کے اعتبار سے کتب عظیمہ کی نظیر و مثیل ہے۔ امام ابن حجر عسقلانی نے " بلوغ المرام " عام انداز و اسلوب سے ہٹ کر ایک خاص اسلوب میں تحریر فرمائی ہے جو کہ اصل میں مفتیان شریعت کے لیے نہایت مفید اور کارآمد ہے۔ مدارس دینیہ میں ابتدائی طلبہ کے نصاب میں شامل ہے لیکن ابتدائی اساتذہ خاطر خواہ تجربہ نہ ہونے کی بنا پر اس کے اصل حقائق اور حکمتوں کو بیان کرنے سے قاصر رہتے ہیں اور ابتدائی جماعتوں کے طلبہ اپنی کم مائیگی کے پیش نظر خاطر خواہ فوائد حاصل نہیں کر پاتے۔ اسی حقیقت اور بلوغ المرام کی اہمیت کے پیش نظر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں یہ کتاب طلبہ حدیث کو آخری کلاس میں صحیح بخاری کے ساتھ پڑھائی جاتی ہے۔ پاکستان میں دارالحدیث محمدیہ جلال پور پیروالا میں عظیم بزرگ مولانا سلطان محمود محدث جلال پوریؒ صحیح بخاری کے ساتھ اسے پڑھاتے تھے اور اس کے اصلی مقاصد اور اعلیٰ اسرار و حکم سے طلبہ کو مستفید فرماتے تھے۔

نواب صدیق حسن خان مرحوم نے اس وقیع اور عظیم کتاب حدیث " بلوغ المرام " کی دو شرحیں لکھیں، ایک عربی زبان میں اور دوسری فارسی میں، اور آپ نے کتب حدیث میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی شروح کے ساتھ صحاح ستہ کی باقی کتب کو چھوڑ کر اس کی دو شرحیں اس کی اس اہمیت اور مجاہد عالم مولانا ولایت علی اور عنایت علی (۷۲) کی نصیحت کے پیش نظر لکھیں۔ آپ اپنی خودنوشت سوانح " ابقاء المنن بالقاء المحن " میں فرماتے ہیں:

> " مولانا ولایت علی اور عنایت علی جب قنوج تشریف لائے تو انہوں نے میرے مکان پر بھی قدم رنجا فرمایا اور اپنے اہل بیت کو والدہ مرحومہ کی ملاقات کے لیے گھر میں بھیج دیا۔ دونوں بزرگوں نے جامع مسجد قنوج میں چند جمعہ تک وعظ فرمایا اور رخصت ہوتے وقت مجھے وصیت فرمائی کہ " بلوغ المرام " ضرور پڑھنا، میری عمر اس وقت بارہ تیرہ برس ہوگی، ان کی اخلاص سے بھری ہوئی نصیحت کا نتیجہ مدت دراز کے بعد یوں ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف " بلوغ المرام " پڑھنے کا موقع بخشا بلکہ اس کی شرح بزبان فارسی، بنام مسک الختام اور بزبان عربی، بنام " فتح العلام " لکھنے کی توفیق عنایت فرمائی۔ " اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۔ (۷۳)

والا جاہ مرحوم نے مسك الختام جس اسلوب و پیرائے میں تصنیف کی ہے وہ نہایت نرالا اور دلکش ہونے کے ساتھ ساتھ تحقیقی معلومات سے بھرپور ہے۔ آپ نے احادیث کی شرح کرتے ہوئے محدثانہ اسلوب اور تحقیق وتنقید کے اصولوں کوملحوظ رکھا ہے۔ مشکل الفاظ کا لغت عرب کی روشنی میں حل پیش کیا ہے۔ ادق اور لطیف و باریک ابحاث کا ناقدانہ اور سیر حاصل جائزہ لیا ہے۔ فقہی مذاہب کو بڑی وضاحت سے ان کے دلائل کے ساتھ بیان کر کے انہیں قرآن و حدیث کی کسوٹی پر محدثانہ انداز وطریق کار میں پرکھا ہے اور ہر مسئلہ میں قرآن وسنت کے دلائل کی بنا پر اپنے مؤقف کو ترجیح دی ہے۔

" مسك الختام " کے ابواب کی ترتیب فقہی اعتبار سے ہے اور احکام ومسائل کو بہترین اور عام فہم انداز میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی یہ خوبی سونے پہ سہاگے کا کام دیتی ہے کہ اس میں راویان حدیث پر شاندار اور محققانہ انداز سے جرح وتعدیل کی گئی ہے اور کتاب کے مقاصد کوملحوظ رکھتے ہوئے اس کی شرح کی گئی ہے۔

آپ نے یہ کتاب ۱۲۸۷ھ میں تصنیف کی ہے اور اس کی طباعت کے لیے اپنا کتب خانہ فروخت کر کے اس کو چھپوایا، آپ نے اس کو ہندوستان کے اہل علم کے خدمت میں مفت پیش کیا اور بیرون ہند بھی کئی ایک علماء کی خدمت میں ارسال کی، جب آپ نے اپنی یہ عظیم کتاب اور الحطه فی ذکر صحاح السته ، شیخ سعد اللہ یمنی کی خدمت میں حدیدہ بھیجی تو شیخ سعد اللہ یمنی ان دونوں کتب کو پڑھ کر بہت خوش ہوئے اور '' مسک الختام'' کی تعریف میں عربی میں تراسی اشعار پر مشتمل ایک نظم تحریر کی جن میں دستیاب چند اشعار درج ذیل ہیں:

قد حصلنا علی بلوغ المرام اذ وصلنا الی بلیغ المرام
واتصلنا ولم یکن ثم فصل للتلانی ونعمة من مرام
وعشقنا علی السماع قدیما لحدیث الحسام بخل الكرام
من غدا قاضیا بکل صحیح مستجاد فی النقض والابرام
لکم یکن بالضعیف فی ماحکاه بل هو الراس ثابت الاقدام
حسن النهج مابه من قبیح راجح الهدی نحو سبیل السلام
کیف لا وهو فجل من جل قدرا فی یمان الدنا وشرق و شام

ريثما قال رائد الصحب هذا	موضع الحب فادخلوا بسلام
فدخلنا فانجاب سجف حجاب	مسبل فوق كعبة الاسلام
ورأينا وجها نيورا لمحيا	منه قدفاق ضوء بدر تمام
وجه شخص مكمل المعى	قدسِ سيدٍ جليل همام
وسالنا عن سنه فاجابوا	هو فوق العشرين فى الافهام
فرايناه غير بدع وجل الله	معطيه افهم الافهام
فهو من شاء اودع السر فيه	وحباه وجاهة فى الانام
مثل هذا المولى الجليل الجميلا	المولوى المفخم الاعلام
صدر اهل الكمال من شرح	الصدر بشرح على بلوغ المرام
واتى فيه من بواطن علم	الظاهر المحكم البعيد المرام
موضحا غلمضات ماقد حوه	فبرزا الاهمال بالاعجام
وعجيب اعرابه باللسان	الفارسى المفيد للاعجام
ان هذا من حسن صنع ابى الفتح	المسمى الصديق فى الاسلام
ذاته هيكل لطيف مثال	صاغه الله قائم الهندام
كاد لطفا يسيل من حسن خلق	قد غدا فعله كفعل المدام
حفظ الله ذاته وحباه	علم شيث مع حوزه عمر شام
وعلى جدكم صلوة الٰهى	مع سلام تنزى بمر الدوام
وكذا له الكرام وصحب	عاتغنى الهزا رفوق البشام (۴۳)

" مسك الختام " پر کئی ایک علماء نے تقاریظ بھی لکھی ہیں، اس کی اہمیت کے پیش نظر اگر فارسی خواہ اہل علم اس کا اردو میں ترجمہ کردیں تو بڑا فائدہ ہوگا، اس کے چھ سو بارہ صفحات ہیں۔

(۴) فتح العلام بشرح بلوغ المرام:

ہم پیچھے ذکر کر چکے ہیں کہ مولانا ولایت علی اور مولانا عنایت علی رحمہما اللہ تعالیٰ جب قنوج تشریف لائے تو انہوں نے نواب صدیق حسن خاں مرحوم کو "بلوغ المرام" پڑھنے کی تلقین کی چنانچہ آپ کو "بلوغ المرام" کے ساتھ اس قدر دلچسپی اور تعلق ہوگیا کہ آپ نے اس کی دو شرحیں

لکھیں، فارسی زبان میں " مسك الختام " کے نام سے اور عربی زبان میں " فتح العلام " کے نام سے تصنیف کیں اور اردو زبان میں " الروضة الابسام من ترجمة بلوغ المرام " کے نام سے بلوغ المرام کا ترجمہ کیا۔

محی السنۃ سید صدیق حسن خاں مرحوم نے اپنی اس کتاب میں بھی ابواب کی تبویب فقہی اعتبار سے کی ہے اور احکام و مسائل کو بڑی وضاحت کے ساتھ محدثانہ طرز استدلال کے ساتھ پیش کیا ہے۔ مذاہب اربعہ کو بڑی تفصیل سے بہ دلائل نقل کر کے ان کا ناقدانہ جائزہ لیا ہے اور قرآن وسنت کے دلائل کی بنیاد پر ترجیح دی ہے۔ مشکل الفاظ وجمل کا حل عربی لغت کی روشنی میں کیا ہے۔ آپ نے اس میں احادیث کی تشریح کرتے ہوئے اسلاف امت کے طرز استدلال اور استنباط مسائل کو بھی مدنظر رکھا ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی شرح ''فتح الباری'' اور دیگر محدثین کے نقطہ نظر کو اہمیت دی ہے۔

نواب صاحب نے رجال حدیث پر جرح وتعدیل بھی کی ہے اور حدیث کی صحت وسقم کو بھی بحث میں شامل کیا ہے، آپ اسے اپنی بہترین اور علم الھدی کتابوں میں شامل کرتے ہیں۔ ''فتح العلام'' آپ کی زندگی میں ہی ہندوستان اور بیرون ہندوستان سے طبع ہو کر منصۂ شہود پر آئی اور دو جلدوں میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کو بھی آپ نے علماء وطلباء میں مفت تقسیم کیا۔ اس کے مجموعی صفحات ۴۶۱ ہیں، اس کے سرورق پر ابوالخیر نورالحسن کا نام بطور مصنف تحریر ہے جو کہ درست نہ ہے۔ اصل میں یہ نواب صاحب کی اپنی تصنیف ہے۔ (۷۵)

(۵) توفیق الباری لترجمة الادب المفرد للبخاری:

امام المحدثین محمد بن اسماعیل بخاریؒ نے اپنی تمام زندگی خدمت حدیث کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ آپ کی شہرہ آفاق کتاب " الجامع الصحیح " کے علاوہ بھی آپ کی چند اور تصنیفات ہیں۔ جو سب اپنے اپنے مقام وموضوع میں نہایت اہم اور کلیدی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان تصنیفات میں ''الادب المفرد'' بھی شامل ہے۔ اسے امام بخاریؒ سے احمد بن محمد الجلیل البزار نے روایت کیا ہے۔ اس میں رسول اکرم ﷺ کے اخلاق وآداب سے متعلق احادیث ہیں جو اسلامی آداب واخلاق کی عکاسی کرتی ہیں۔ (۷۶)

نواب صدیق حسنؒ نے اردو زبان میں ''توفیق الباری'' کے نام سے اس کا ترجمہ وتشریح کی ہے۔ آپ نے نہایت احسن انداز اور اچھوتے اسلوب میں اس کی شرح کی ہے جو کہ قاری کے لیے پر اثر ہونے کے ساتھ ساتھ دلکش اور باعث راحت ہے۔ یہ کتاب چھ سو سے زاید ابواب پر مشتمل ہے۔ اس کے ۱۳۸ صفحات ہیں۔ مطبع مفید عام آگرہ سے پہلی بار ۱۳۰۶ھ میں شائع ہوئی۔

(۶) الحرز المکنون من لفظ المعصوم المامون:

" کتاب الثلاثیات للبخاری " صحیح بخاری کی وہ احادیث جو امام بخاری سے تین واسطوں سے رسول معظم ﷺ تک پہنچتی ہیں۔ ان کی تعداد بائیس ہے۔ ان میں اکثر مکی بن ابراہیم کے واسطے سے مروی ہیں، مکی بن ابراہیم امام بخاریؒ کے طبقہ اولیٰ کے شیوخ میں سے ہیں اور تابعین عظام سے روایت کرتے ہیں۔ اس کتاب کے قلمی نسخے، پٹنہ، برلن، پیٹرز برگ اور پشاور میں موجود ہیں۔ (۷۶)

بہت سے علماء نے ان احادیث کی شروح لکھی ہیں۔ نواب صدیق حسنؒ نے اس کتاب " الحرز المکنون من لفظ المعصوم المامون " میں ان احادیث کو یکجا کر کے ان کی شرح عربی زبان میں فتح الباری اور دیگر شروح بخاری سے کی ہے اور مسائل بھی مستنبط کیے ہیں۔ یہ کتاب مطبع سکندری بھوپال سے ۱۲۹۰ھ میں شائع ہوئی۔

(۷) غنیۃ القاری ترجمۃ ثلاثیات البخاری:

نواب صدیق حسن مرحوم نے اس کتاب میں بھی امام بخاریؒ کی ثلاثیات بخاری کو اکٹھا کر کے ان کا اُردو میں ترجمہ وتشریح کیا ہے نیز اس میں آپ نے تینوں راویوں کے حالات زندگی بھی ذکر کیے ہیں۔ یہ کتاب مطبع شاہ جہانی بھوپال سے ۱۲۹۱ھ میں طبع ہوئی۔

(۸) تمیمۃ الصبی فی ترجمۃ الاربعین من احادیث النبیؐ:

ہم گزشتہ اوراق میں ذکر کر چکے ہیں کہ نبی مقدس ﷺ کے فرمان کی روشنی میں مختلف محدثین نے چالیس احادیث پر مشتمل کتب تحریر کیں۔ ان محدثین میں نواب صاحبؒ بھی شامل ہیں۔ آپ نے چالیس احادیث پر مشتمل کئی کتب لکھیں جن میں تمیمۃ الصبی بھی ہے۔ آپ نے اپنی اس تصنیف میں روزمرہ پیش آنے والے مسائل سے متعلق چالیس احادیث نبویہ قلم بند کی

ہیں اور اردو زبان میں ان کا ترجمہ اور تشریح بھی کی ہے۔ یہ کتاب ۲۳ صفحات پر مبنی ہے۔ مطبع شاہ جہانی بھوپال ۱۲۹۱ھ میں چھپی۔

(۹) اربعون حدیثا فی فضائل الحج و العمرۃ:

نواب مرحوم نے اس رسالہ میں حج و عمرہ سے متعلق چالیس احادیث نبویہ ﷺ کو جمع کیا ہے اور عربی زبان میں ان کا ترجمہ اور تشریح کی ہے۔ اس میں اس بات کی نشان دہی بھی کی گئی ہے کہ کون سی دعا کس مقام پر پڑھی جانی چاہیے۔ یہ رسالہ ۱۲۸۲ھ میں مطبع شاہ جہانی بھوپال سے شائع ہوا۔

(۱۰) تقویۃ الایمان لشرح حدیث حلاوۃ الایمان:

نواب مرحوم نے کئی اہم احادیث کی شرح پر الگ الگ کتب لکھی ہیں جن میں یہ کتاب بھی شامل ہے۔ آپ نے اس کتاب میں حدیث ((ثلاث من کن فیه و جد هن حلاوۃ الایمان)) کو اردو زبان میں بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یہ کتاب مطبع مفید عام آگرہ سے ۱۳۰۲ھ میں شائع ہوئی۔ اس کے ۷۶ صفحات ہیں۔

(۱۱) ضوء الشمس من شرح حدیث " بنی الاسلام علی خمس":

آپ نے اس کتاب میں حدیث رسول ﷺ " بنی الاسلام علی خمس...... " کا ترجمہ و تشریح اردو زبان میں کیا ہے۔ اس کتاب کے ۱۳۲ صفحات ہیں۔ اس میں ایک مقدمہ، پانچ ابواب اور ایک خاتمہ ہے۔ یہ کتاب مطبع مفید عام سے ۱۳۰۵ھ میں شائع ہوئی۔

(۱۲) جهر الهمس من معنی حدیث بنی الاسلام علی خمس:

یہ نواب صاحب کی ایک مختصر تحریر ہے۔ اس میں ارکان اسلام بیان کیے گئے ہیں اور بتایا گیا ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے اور جب تک انسان ان پانچوں پر عامل نہ ہو کامل مومن نہیں ہوسکتا۔ یہ رسالہ بزبان فارسی مطبع شاہ جہانی بھوپال سے ۱۸۹۵ھ میں طبع ہوا۔

(۱۳) ازالة الحبرۃ عن معنی حدیث " لا عدوی و لا طیرۃ":

نواب مرحوم نے اپنے اس رسالہ میں حدیث " لا عدوی و لا طیرۃ " کا ترجمہ و تشریح

فارسی میں کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ اچھے الفاظ کے ذریعہ نیک فال لی جاسکتی ہے۔ یہ مطبع شاہ جہانی بھوپال سے ۱۸۹۵ھ میں چھپا۔

(۱۴)اطلاق المجلوس عن اسرار احادیث النفوس:

اس رسالہ " اطلاق المجلوس " میں حدیث رسول ﷺ " ان اللّٰہ تجاوز لامتی عما حدیث بہ ...... الخ . " کا ترجمہ مع شرح بیان کیا گیا ہے۔ یہ فارسی زبان میں ہے، یہ مطبع شاہ جہانی بھوپال میں ۱۸۹۵ھ میں شائع ہوا۔

(۱۵)انارۃ الغمیر المستھام ببیان معنی حدیث التعمیر فی الاسلام:

اس رسالہ میں حدیث " ان العبد اذا بلغ اربعین سنۃ وھو العمرا منہ اللہ من الخصال الثالث من الجنون والجزام والبرص الخ . " کا ترجمہ وتشریح بزبان فارسی کی گئی ہے اور اسے حدیث حسن لغیرہ ثابت کیا گیا ہے۔ یہ رسالہ ۱۸۹۵ھ میں مطبع شاہ جہانی بھوپال سے شائع ہوا۔

(۱٦) ثبات القدم علی معنی حدیث خلق اللہ آدم:

یہ نواب صاحب کی فارسی میں ایک مختصر تحریر ہے جس میں آپ نے حدیث " خلق آدم علی صورتہ . " کی وضاحت کی ہے۔ یہ بھوپال سے ۱۸۹۵ھ میں طبع ہوئی۔

(۱۷)مالا بدمن الرجوع الیہ فی الکلام علی حدیث " رفع عن امتی الخطاء والنسیان وما استکر ھوا علیہ":

نواب صاحبؒ نے فارسی میں اس مختصر رسالہ میں حدیث " رفع عن امتی الخطاء والنسیان وما استکرھوا علیہ " سے متعلق ایک سوال کا جواب دیا ہے اور اس حدیث کو اصول حدیث کی روشنی میں پرکھتے ہوئے ضعیف قرار دیا ہے۔ یہ بھی ۱۸۹۵ھ میں مطبع مذکور سے چھپا۔

(۱۸) ازالۃ الضمیر بتحدید القرون الثالثۃ المشھود لھا بالخیر:

یہ بارہ صفحات پر مشتمل رسالہ ہے۔ اس میں نواب مرحوم نے حدیث نبوی ﷺ " خیر

امتی القرن الذی یلونی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم " کی شرح ووضاحت فارسی میں پیش کی ہے۔ یہ بھی مطبع مذکور سے سن مذکور میں شائع ہوا۔

(۱۹) بسط الفرش لا ستقراء الخصال الموجبة لظلال العرش:

نواب صدیق حسن نے اس رسالہ میں حدیث رسول ﷺ " سبعة یظلهم الله فی ظله یوم لاظل الاظله " کی فارسی زبان میں شرح لکھی ہے۔ اور اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے اس موضوع کی دیگر احادیث نبویہ ﷺ کو اس میں درج کر دیا ہے۔ آپ کی یہ کتاب بھی ۱۸۹۵ھ میں مطبع مذکور سے شائع ہوئی۔

(۲۰) لب اللباب من طریق الجمع بین حدیث تحریم اکل المیتة وحدیث الانتاقع بالاهاب:

یہ فارسی زبان میں مختصر رسالہ ہے جس میں حدیث " لا تنفوا من المیتة بالاهاب وعصب " اور حدیث " انما حرم من المیتة اکلها " کی وضاحت وتشریح کی گئی ہے اور دونوں حدیثوں میں تطبیق دی گئی ہے۔ یہ بھی مطبع مذکور میں شائع ہوا۔

(۲۱) چہل حدیث:

اس کتاب میں فضائل حج وعمرہ کے متعلق احادیث نبویہ ﷺ کو جمع کر کے ان کی تشریح و توضیح کی گئی ہے۔ یہ اردو زبان میں ہے۔

(۲۲) زیادة الایمان باعمال الجنان:

سید صدیق حسن خاں بھوپالی نے اس کتاب میں ان احادیث مبارکہ کا اردو زبان میں ترجمہ اور تشریح کی ہے جن میں فضائل اوقات واماکن اذکار کا ذکر ہے تا کہ مسلمان مختلف اوقات کے فضائل اور مختلف اماکن کے اذکار سے آگاہ ہوسکیں۔ نہایت مفید کتاب ہے۔ ۱۵۲ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ۱۳۰۲ھ میں مطبع مفید عام آگرہ سے شائع ہوئی۔

(۲۳) صعود الصفاة فی بیان معنی بعض احادیث الصفات:

یہ فارسی زبان میں پانچ صفحات کا مختصر رسالہ ہے۔ ۱۸۹۵ھ میں مطبع شاہ جہانی بھوپال سے

چھپا۔اس میں صفاتِ الٰہی کے متعلق احادیث پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے اور علمائے سلف کے اقوال نقل کر کے جمہور کی رائے واضح کی گئی ہے۔

متون حدیث

مختلف ادوار میں محدثین کرام نے حدیث کے مختلف متون مرتب کیے اور انہیں اپنے اپنے انداز اور فکر کے ساتھ مختلف مسائل میں تصنیف کیا۔ نواب صدیق حسن خانؒ نے بھی مختلف احادیث کو مختلف کتابوں میں یکجا کیا اور انہیں اپنے انداز و اسلوب میں مدون کیا۔آپ نے اس میدان میں کم از کم آٹھ کتابیں تدوین کیں۔

(۱) الادراك بتخريج احاديث رد الاشراك:

شاہ ولی اللہؒ نے برصغیر میں قرآن وحدیث کی بیداری اور تمسک بالکتاب والسنۃ کی جوتحریک شروع کی تھی، اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی اولاد اور تلامذہ میں سے مختلف ایسے علماء پیدا کیے جنہوں نے اس تحریک کی آبیاری کے لیے اپنی زندگیاں وقف کیں۔ان اہل علم میں آپ کے پوتے شاہ اسماعیل شہیدؒ بھی ہیں۔جنہوں نے احیائے سنت اور بدعات ورسومات کے خلاف اپنا تن من دھن قربان کردیا۔آپ نے جہاں انگریز اور سکھوں کے خلاف جہاد فی سبیل اللہ کا علَم بلند کیا۔وہاں اپنی وعظ وتبلیغ ،درس وتدریس اور تحریر وتقریر کے ذریعے مسلمانوں کی اصلاح عقیدہ اور تمسک بالکتاب والسنۃ کی ہرممکن جدوجہد کی۔اسی سلسلے میں آپ نے ایک کتاب ’’تقویۃ الایمان‘‘ لکھی جوشرک کے رد اور بدعت کے استیصال کے لیے نہایت مفید اور جاندار کتاب ہے۔

محی السنۃ نواب صدیق حسن خاں بھی اسی ولی اللّٰہی تحریک کے سرگرم رکن تھے اور انہوں نے بھی اپنی زندگی مسلمانوں میں مروّج مشرکانہ عقائد اور رسوم وخرافات کی اصلاح کے لیے وقف کر رکھی تھی اور ہر ممکن طریقے سے مسلمانوں کو قرآن و حدیث کی خالص تعلیمات پر عمل پیرا دیکھنا چاہتے تھے۔لہٰذا اس سلسلے میں آپ نے بھی کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔اس سلسلے کی ایک کڑی آپ کی کتاب " الادراك بتخريج احاديث رد الا شراك " ہے۔

آپ نے اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا جن میں ایک حصہ ایسی روایات پر مشتمل ہے جو

شرک کی ممانعت و مذمت اور اس کے رد میں وارد ہیں اور دوسرے حصہ میں آپ نے ایسی احادیث کی تخریج کی جن میں بدعات کا رد اور مذمت ہے۔ آپ نے ''تقویۃ الایمان'' سے ان احادیث کو درج کر کے ان کی تخریج کی ہے اور ابواب کی مطابقت و مناسبت سے کچھ اضافے کیے ہیں اور اس کا ایک شاندار تتمہ و تکملہ بھی لکھا ہے۔ نیز اس میں غریب الفاظ کی تشریح بھی کر دی ہے۔

''الادراک'' پہلی بار سید صدیق حسن خاں صاحب کی ایک اور کتاب "قطف الثمر فی بیان عقیدۂ اھل الاثر" کے ساتھ ایک جلد میں شائع ہوئی۔ یہ مطبع نظامی کانپور سے ۱۲۹۰ھ میں چھپی ہے۔ اس کے ۳۵ صفحات ہیں۔

(۲) اربعون حدیثا فی فضائل الحج و العمرة:

رسول اکرم ﷺ کے چالیس احادیث یاد کرنے کے فضیلت والی روایت کی بنا پر کئی علماء نے چالیس احادیث پر مشتمل رسائل لکھے، جن میں مشہور کتاب امام نوویؒ کی ''اربعین نووی'' ہے۔ نواب صدیق حسن خاںؒ نے بھی اس حدیث کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے چالیس احادیث پر مشتمل دو کتابیں مدون کیں جن میں ایک "اربعون حدیثا فی فضائل الحج والعمرة" اور دوسری "اربعون حدیثا متواترہ" ہیں۔ اہل علم میں سے بعض نے مناسک حج و عمرہ کو موضوع سخن بنایا اور بعض نے فضائل حج و عمرہ پر قلم اٹھایا۔ نواب صاحب موصوف نے حج و عمرہ کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے اس کے فضائل کو قلم بند کیا ہے۔ اس رسالہ میں حج و عمرہ کے فضائل پر چالیس احادیث کو جمع کیا گیا ہے۔ نیز ان احادیث کی شرح بھی کی گئی ہے اور اس بات کی نشان دہی بھی کی گئی ہے کہ کون سی دعا کس موقع پر پڑھنی چاہیے، یہ عربی زبان میں ہے اور مطبع شاہجہانی بھوپال سے پہلی بار ۱۲۸۴ھ میں شائع ہوئی۔

(۳) اربعین حدیثا متواترة:

سید صدیق حسن خاں نے مختلف موضوعات پر متواتر احادیث قلم بند کی ہیں۔

(۴) بلوغ المسئول من اقضیة الرسولؐ:

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو قرآن و حدیث کے مطابق زندگی گزارنے کا حکم دیا ہے اور بنیادی

احکام و مسائل کا علم سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے۔
" طلب العلم فریضة علی کل مسلم " انسان کو زندگی میں کئی ایسے مسائل کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے جن کے متعلق بنیادی معلومات رکھنے کے باوجود اسے مکمل علم نہیں ہوتا تو اس صورت میں اسے اہل علم سے (جو دین میں تخصص کے حامل ہیں) سے رجوع کرنے کا حکم ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

﴿ وَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾

اس لیے مسلمانوں میں فتویٰ نویسی کو ایک مستقل شعبہ کی حیثیت حاصل ہے۔ فتویٰ، افتی یفتی سے ماخوذ ہے جس کا معنیٰ کسی مسئلہ پر قرآن وسنت کی روشنی میں مسائل کا حل پیش کرنا ہے۔

مسلمان اپنے روزمرہ کے مسائل کے جوابات کے لیے مفتیان عظام سے رجوع کرتے ہیں اور ان سے استفتاء طلب کرتے ہیں اور وہ انہیں اُن کے سوالات کے جوابات قرآن وحدیث کی روشنی میں دیتے ہیں اور یہ جوابات مختلف ادوار میں کتابی صورتوں میں مدون کر دیے جاتے ہیں تاکہ عوام ان کی روشنی میں اپنے مسائل سمجھ سکیں اور انہیں حل کر سکیں۔

حضور اکرم ﷺ کی حیات مقدسہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے اور اپنے مسائل پوچھتے۔ رسول معظم ﷺ انہیں جوابات دیا کرتے تھے۔ ہمارے ممدوح نواب صدیق حسن خانؒ نے آپ ﷺ کی طرف سے دیے گئے فتاویٰ جات کو کتابی شکل میں مرتب کر دیا ہے چونکہ یہ فتاویٰ جات وحی متلو اور غیر متلو پر مبنی ہیں۔ لہٰذا فنی اعتبار سے اس کتاب کو علم حدیث میں رکھا جاتا ہے۔

اس میں آنحضرت ﷺ کے فتاویٰ جات جمع کیے گئے ہیں تاکہ مفتی حضرات سائل کو نبی اکرم ﷺ کے فتویٰ کے مطابق جواب دے سکیں۔

بہتر ہے کہ اس کتاب کا اردو زبان میں ترجمہ کیا جائے تاکہ اردو خواں طبقہ اپنی روزمرہ زندگی کے مسائل حدیث رسول ﷺ کی پیروی میں حل کر سکے۔

(۵) الرحمة المهداة الی من یرید بذیادة العلم علی احادیث المشکوٰة:

مشکوٰۃ المصابیح حدیث کی معروف کتاب ہے جو مدارس عربیہ میں عرصہ ہائے دراز سے شامل

نصاب ہے۔

نواب صدیق حسن خانؒ نے مشکوٰۃ المصابیح کی طرز پر یہ کتاب لکھی ہے۔ اس میں وہ احادیث درج کی ہیں جو مشکوٰۃ المصابیح میں شامل نہیں ہیں۔ مصنف مرحوم نے مشکوٰۃ کے انداز پر ہی ابواب وفصول قائم کی ہیں۔ یہ کتاب اردو زبان میں ہے اور ۳۵۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

بعض حضرات نے اسے آپ کے صاحبزادے نورالحسن کی تصنیف قرار دیا ہے لیکن مقالہ نگار کی تحقیق کے مطابق یہ کتاب نواب صدیق حسن مرحوم کی اپنی تصنیف کردہ ہے اور جس طرح بعض دیگر کتب پر آپ نے اپنا نام ظاہر نہیں کیا یا پھر کسی اور کے نام منسوب کردی ہیں یہ بھی اسی طرح ہے۔ امام ابو یحییٰ خاں نوشہروی نے اپنی مشہور کتاب ''خدمات علماء ہند'' میں اسے نواب صاحب کی کتب میں ہی شامل کیا ہے۔ ڈاکٹر رضیہ حامد نے بھی اپنے مقالہ میں نواب صاحب کے نام اس کتاب کی نسبت کی ہے۔

یہ کتاب مطبع فاروقی دہلی سے ۱۳۰۱ھ میں چھپی۔

(۶) بغیة القاری فی ثلاثیات البخاری:

نواب صدیق حسن خاںؒ نے ثلاثیات بخاری کے حوالے سے یہ کتاب مرتب کی ہے۔ جس میں وہ احادیث درج ہیں جو امام بخاریؒ نے تین واسطوں سے رسول اکرم ﷺ سے بیان کی ہیں، ان کی تعداد بائیس ہے۔

اصول حدیث

اصول حدیث ایسا علم ہے جو حدیث کی صحت وسقم اور اس کے مقام وحیثیت سے آگاہ کرتا ہے۔ ہر دور میں محدثین نے ''اصول حدیث'' کے قواعد وضوابط اور اس کے فنی مقام کو بیان کرکے ترویج واشاعت حدیث کی بے مثال خدمات سرانجام دی ہیں۔ مجدد امت سید صدیق حسن خانؒ نے بھی جہاں علوم حدیث کے مختلف موضوعات پر علمی جواہر ریزے پیش کیے وہاں ''اصول حدیث'' پر بھی قلم اٹھایا۔ ذیل میں آپ کی ''اصول حدیث'' پر کتب کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) منہج الوصول الی اصطلاح احادیث الرسولؐ:

''اصول حدیث'' پر یہ آپ کی بڑی عمدہ کتاب ہے جس کا شمار اصول کی عظیم کتابوں میں ہوتا ہے۔ یہ کتاب فارسی زبان میں ہے اور اس فن میں فارسی زبان کی پہلی تصنیف ہے۔ اس میں نہایت شستہ اور سلیس زبان استعمال کی گئی ہے۔ اس کتاب میں مختلف اصطلاحات کی تعریفیں نہایت احسن انداز اور بہترین اسلوب میں بیان کی ہیں۔

یہ کتاب ۱۲۹۲ھ میں مطبع شاہ جہانی بھوپال سے شائع ہوئی۔ اس کتاب کے ۲۴۷ صفحات ہیں۔

(۲) سلسلہ العسجد فی ذکر مشائخ السند:

یہ کتاب بھی فارسی زبان میں ہے۔ یہ ایک مقدمہ، خاتمہ اور چھ فصول پر مشتمل ہے۔ مقدمہ میں آپ نے علم حدیث کے مقام و مرتبہ کو بڑے جچے تلے انداز میں پیش کیا ہے۔ پہلی فصل میں صحاح ستہ کے اپنے مشائخ کا سلسلۂ اسناد بیان کیا ہے۔ دوسری فصل میں سلسلہ احادیث کا تذکرہ کیا ہے۔ تیسری فصل میں اپنے اساتذہ و مشائخ کی اجازت کے سلسلہ میں خود ان کی زبانی بعض فضیلتوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ پانچویں فصل میں علم حدیث کی کتب کے طبقات کے بعض فوائد پر سیر حاصل بحث کی ہے چھٹی اور آخری فصل کتب پر مشتمل ہے۔ خاتمہ میں اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس کی حمد و ثنا کی ہے۔ یہ کتاب ۱۳۵ صفحات پر مبنی ہے۔

تراجم حدیث

محی السنۃ نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے بعض کتب احادیث کے تراجم بھی کیے ہیں جو کہ رسول اللہ ﷺ کے فرامین کو عام کرنے کی نہایت عمدہ کوشش ہے۔ ذیل میں ان کتب کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے جن کے آپ نے ترجمے کیے ہیں۔

(۱) الروض البسام من ترجمة بلوغ المرام:

یہ حدیث کی مشہور کتاب ''بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام'' مؤلفہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی مایہ ناز تصنیف ہے جو مدارس عربیہ میں شامل نصاب ہے۔ نواب مرحوم نے جماعت مجاہدین کے امراء

مولانا ولایت علی اور عنایت علی رحمہما اللہ کی تحریک پر اس کتاب کی دو شرحیں "مسك الختام" اور "فتح العلام" لکھیں جب کہ الروض البسام کے نام سے اردو میں اس کا ترجمہ کیا۔ مزید یہ کہ آپ نے حدیث کی ضرورت واہمیت بھی الگ سے بیان کر دی ہے۔ یہ کتاب ایک مقدمہ، چار فصول اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔

(۲) كشف الكربة عن اهل الغربة:

یہ کتاب امام ابن رجب کی ہے۔ جس میں حدیث نبوی ﷺ "بدا الاسلام غريبا سعود غريبا كما بدا خطوبى للغرباء" کی تشریح وتوضیح کی گئی ہے۔ نواب سید صدیق حسن خاں نے اس کتاب کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا ہے۔ اس کے ۴۲ صفحات ہیں اور یہ ۱۳۰۳ھ میں مطبع مفید عام آگرہ سے شائع ہوئی۔

(۳) عين اليقين ترجمة اربعين:

امام غزالیؒ نے "اربعین فی اصول الدین" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ نواب صدیق حسن نے اس کتاب کا ترجمہ "عين اليقين ترجمة اربعين" کے نام سے کیا ہے۔ اس کتاب کے سرورق پر مؤلف کا نام ابوالنصر علی حسن لکھا ہوا ہے لیکن یہ درست نہیں ہے۔ حقیقت میں یہ کتاب نواب صاحب کی اپنی کتاب ہے۔ اس کتاب کے ۲۷۶ صفحات ہیں اور یہ ۱۳۷۳ھ میں مطبع مصطفائی دہلی سے طبع ہوئی۔

(۴) البيان المرصوص من بيان ايجاز الفقه المنصوص:

یہ کتاب نواب صاحب کی اپنی تالیف "مسك الختام شرح بلوغ المرام" کی تلخیص ہے، اس میں تفصیلات حذف کر دی گئی ہیں اور تعارض احادیث کو رفع کر دیا گیا ہے۔ اس کتاب پر علی حسن کا نام بطور مصنف لکھا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔ حقیقت میں یہ کتاب نواب صاحب کی اپنی تلخیص ہے۔

(۵) مكارم الاخلاق:

نواب صاحب کی یہ کتاب امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی شہرہ آفاق تالیف "رياض الصالحين"

کا ترجمہ ہے۔ آپ نے سلیس اردو زبان میں نہایت عمدہ ترجمہ کرنے کے ساتھ مختصر سی تشریح بھی کردی ہے تاکہ قاری اس سے کماحقہ مستفید ہو سکے، یہ کتاب ۱۳۰۴ھ میں مطبع شاہ جہانی بھوپال سے شائع ہوئی۔

(۶) خیر القرین فی ترجمة الاربعین:

یہ اربعین کا اردو زبان میں عام فہم ترجمہ ہے۔

(۷) جامع السعادات ترجمة منبهات ابن حجر:

ابن حجرؒ کی کتاب منبھات کا نہایت عمدہ ترجمہ ہے۔

تراجم محدثین

محی السنۃ نواب صدیق حسن مرحوم نے محدثین کے حالات وخدمات پر بھی قلم اٹھایا ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں آپ کی کتاب "الحطة فی ذکر الصحاح الستة" معروف کتاب ہے، ابجد العلوم میں محدثین کا بھی تذکرہ ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اور بھی مسائل زیر بحث آئے ہیں، اس لیے ہم اس صنف میں صرف "الحطة" کا تعارف پیش کرتے ہیں۔

(۱) الحطة فی ذکر الصحاح الستہ:

نواب مرحوم کی یہ عظیم اور شہرہ آفاق کتاب نہایت عمدہ اور مفید ترین مباحث پر مشتمل ہے۔ اس کا موضوع "الحدیث والمحدثون" ہے، اس میں خطبة الکتاب کے بعد طویل مقدمہ ہے جس کی دو فصلیں ہیں۔ پہلی فصل میں علم اور اہل علم کا تذکرہ ہے جب کہ دوسری فصل میں علم حدیث کا مقام ومرتبہ اور محدثین کے فضائل پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اس سلسلے میں آیات کریمہ، احادیث نبویہؐ، اقوال محدثین اور اشعار درج کیے گئے ہیں۔ آپ محدثین کے بارے میں لکھتے ہیں:

ولولم یقم اهل الحدیث بدیننا — فمن کان یروی علمه یغید

ثم ورثوا علم النبوة واحتووا... — من الفضل ما عند الانام اقود..

وهم کمصابیح الدجی یهتدی بهم — ونارهم بعد الممات خمود (۷۷)

اس کتاب کے پانچ ابواب ہیں اور ہر باب متعدد فصول پر مبنی ہے۔ اس کتاب میں صحاح ستہ اور اس کے مؤلفین کا تذکرہ نہایت احسن انداز میں کیا گیا ہے۔ آپ نے جامع صحیح بخاری کے مقام و مرتبہ پر بڑی شاندار بحث کی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ جامع صحیح بخاری کا سخت مصیبت، دشمن کے خوف، مرض کی شدت، قحط سالی، اور دیگر بلاؤں میں پڑھنا تریاق کا کام دیتا ہے اور فرماتے ہیں کہ اس کا کئی بار تجربہ ہو چکا ہے۔ (۷۸)

اس کتاب کے شروع میں نواب صاحب کے حالات زندگی بھی موجود ہیں۔ یہ کتاب ۱۷۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ ہمارے سامنے اس کا دارالکتب العلمیہ بیروت کا ۱۹۸۵ء میں شائع کردہ نسخہ ہے۔

فقہ الحدیث

نواب مرحوم کی فقہ الحدیث کے موضوع پر تیئس کتب ہیں جو کہ شاندار، جامع اور مفید کتابیں ہیں۔ ذیل میں ان میں سے بعض کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) نزل الابرار بالعلم الماثور من الادعیۃ والاذکار:

یہ کتاب ادعیہ ماثورہ پر مشتمل ہے اور ایسے اوراد کو اس کتاب کی زینت بنایا گیا ہے جو سنتِ صحیحہ سے ثابت ہیں۔ نواب صاحب نے اس میں ایسے تمام اذکار و وظائف کو جمع کر دیا ہے جن کی ایک مسلمان کو دن رات کے تمام اوقات اور زندگی کے تمام مواقع پر ضرورت پڑتی ہے۔ نماز، روزہ، حج، جہاد، سفر اور تمام دوسرے اوقات مخصوصہ کی مناسبت سے اذکار موجود ہیں۔ نواب صاحبؒ نے اس میں خاص اہتمام سے ضعیف احادیث سے اجتناب کیا ہے بلکہ انہوں نے جرح و تعدیل سے بھی کام لیا ہے، وہ خود لکھتے ہیں:

((فان بیان التحسین والتصحیح والتضعیف بما یقتضیه النظر من الترجیح بعد الموازنة بین التعدیل والتجریح الذی مقصد الاعلی من الروایة والغایة التی لیست ورادها غایة)) (۷۹)

یہ کتاب پڑھنے والوں کے لیے روح الارواح اور مسرۃ النفوس ہے۔ اس میں فوائدِ دعا اور اذکار صبح و شام کے فضائل کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ سید صاحب نے قبولیتِ دعا کے اوقات

کے ساتھ ساتھ اماکن دعا کا تذکرہ بھی کیا ہے۔

صلوٰۃ کے باب میں تہجد، تراویح، حاجت، توبہ جیسی نمازوں کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے۔ اذکار اکل وشرب ونکاح بھی درج ہیں۔ بچوں کا نام کیسا رکھنا چاہیے؟ اور کن اسماء والقاب کی کیا اہمیت ہے؟ نواب صاحب نے یہ سب کچھ خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے۔ تسمیۃ المولود کے باب میں یہ حدیث لے کر آئے ہیں:

((عن عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ عن ابیه عن جده أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر بتسمية المولود يوم سابعة ووضع الاذى عنه والعق اخرجه الترمذی وقال هذا حديث حسن)) (۸۰)

حدیث میں ''ابوالقاسم'' کنیت رکھنے سے منع کیا گیا ہے۔ نواب صاحب اس پر ایک باب باندھتے ہیں'' باب النهى عن التكفى بابى القاسم ''اور اس کے تحت لکھتے ہیں:

((فيه احاديث عن جماعة عن الصحابة فى الصحيحين وبه قال الشافعى اى انه لايحل سواء كان اسمه محمدا او غيره وقد فهم مالك رحمه الله من النهى الاختصاص بحياته صلی اللہ علیہ وسلم وهذا المعنى قدزال فيجوز لمن اسمه محمد ولغيره واطبق الناس على فعله وفى المكتنين به الائمة الاعلام واهل الحل والعقد والذين يقتدى بهم فى مهمات الدين)) (۸۱)

نواب صاحب حسنِ نیت پر بہت زور دیتے ہیں اور حدیث'' انما الاعمال بالنیات '' پر ان کا بہت اعتقاد معلوم ہوتا ہے۔ انھوں نے اپنی خودنوشت سوانح میں جابجا اخلاصِ نیت کو اچھا عمل قرار دیا ہے چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں:

''لیکن میں اس ارادہ ونیت سے خوش ہوں کہ نیت تو بجائے خود نیک ہے کیا عجب کہ یہ ارادہ کسی دن اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مدد سے عملی صورت اختیار کر جائے، اللہ کی رحمت تو مجرد صالح نیت پر بھی اجر کی امید دلاتی ہے......'' نية المومن خير من عملة '' (الطبرانی، دیلمی) اللہ تعالیٰ نے بعض بندوں کو ان کے عمل کا انتظار کیے بغیر صرف ان کی نیک نیتوں کی بنا پر ہی بخش دیا۔ اسی کی رحمتِ عامہ کو فقط بہانہ چاہیے۔'' (۸۲)

چنانچہ نزل الابرار کی ابتدا میں حسنِ نیت پر ایک علیحدہ فصل قائم کی اور اس کا عنوان رکھا؛

" فصل فی الامر بالاخلاص وحسن النية فی العمل "۔

نواب صاحب اس فصل میں جہری اور سری ذکر کی بحث بھی کرتے ہیں۔ علماء کرام میں ذکر کے سری و جہری کے جواز میں اختلاف ہے، سید صاحب رحمتہ اللہ علیہ اس طویل بحث کے مسئلہ کا مختصر انداز میں حل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

((لان القول الفصل هو جواز الامرين كما تظاهرت بذالك السنة المطهرة نعم الطريقة المثلى فى هذا الباب ان يجهر فى الموضع الذى ورد فيه الجهر ويسر فى الموضع الذى ورد فيه السرو فيه المواضع مبينة فى علم الحديث متعينة فى دواوين الاسلام والمواضع الذى لم يرد الدليل على الجهر فيه او السر فالذاكر هناك بالخيار ان شاء جهر وان شاء اسر)) (۸۳)

لیکن امام صاحب اس اختیار کے استعمال میں اس حکم الٰہی کو مدنظر رکھنا ضروری قرار دیتے ہیں جس میں میانہ روی اختیار کرنے کا ایک مسلمان کو پابند کیا گیا ہے فرماتے ہیں:

((ولكن لا بدله من ملاحظة قوله سبحانه " وابتغ بين ذالك سبيلا " لئلا متجاوز الحدود المضروبة له))

اسی طرح یہ مسئلہ بھی نواب صاحب کے زیر بحث آیا ہے کہ کیا ذکر بالقلب افضل ہے یا ذکر باللسان؟

اس سلسلہ میں نواب صاحب لکھتے ہیں:

((والافضل منه ما كان بهما جميعا فان اقتصر على احدهما فالقلب افضل))

اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں:

((يكون افضل من ذكره باللسان مع مخالفة امره ونهيه))

البتہ آپؒ اعتدال کو پسند کرتے ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پیش کرتے ہیں:

((قالت نزلت هذه الآية ولا تجهر بصلاتك وتخافت بها في الدعآء))

پس نواب صاحب اسی کو ترجیح دیتے ہیں کہ اعتدال کے ساتھ ذکر کیا جائے اور دل وزبان کو اس میں محو ہونا چاہیے۔ اس سلسلہ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث لاتے ہیں:

((ان الذكر ذكر ان ، ذكر الله تعالى بالقلب عند اوامره ونواهيه وباللسان وكلاهما فيه الاجر))

نواب صاحب اس ذکر بالقلب کو پسند نہیں کرتے جو اوامر و نواہی پر عمل کے بغیر ہو جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ذکر باللسان ریاکار بناتا ہے تو نواب صاحب اس پر لکھتے ہیں:

((لا ينبغي ان يترك الذكر باللسان مع القلب خوفا من ان يظن به الريآء بل يذكر بهما جميعا ويقعد به وجه الله))

نواب صاحب رحمہ اللہ ذاکر کے لیے مستحب قرار دیتے ہیں کہ جب وہ ضرورت محسوس کرے، ذکر ختم کرے اور اپنی ضرورت پوری کرے، فرماتے ہیں:

((يستحب للذاكر قطع الذكر بسبب احوال تعرض له ثم يعود اليه بعد زوالها منها ، اذ مسلم ردالسلام واذ سمع الموذن اجابه واذ غلبه النعاس او نحوه عادالى الذكر)) (۸۵)

گویا نواب صاحب مردِ مسلمان کو فکر و ذکر میں مشغول تو دیکھنا چاہتے ہیں لیکن اقبال کی طرح اسلام کے مزاج شناس ہیں جنہوں نے واضح طور پر بڑے بلیغ پیرائے میں کہا تھا:

مجھے تو خوش نہ آیا یہ طریق خانقاہی

نواب صاحب "باب في فوائد الذكر" میں فرماتے ہیں:

((وفيه نحو ماته فائدة نذكر منها بعضها تنبيها على سائرها))

نواب صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ذکر کے ۶۶ فوائد ذکر کیے ہیں، میں انہیں مختصر طور پر درج کرتا ہوں۔

(۱) شیطان لعین، ذاکر سے مفرور ہوتا ہے۔

(۲) رضائے الٰہی حاصل ہوتی ہے۔

(۳) دل غم وفکر سے پاک ہو جاتا ہے۔
(۴) دل میں خوشی وسرور پیدا ہوتا ہے۔
(۵) ذکر قلبی وبدنی قوت کا باعث ہوتا ہے۔
(۶) چہرے اور قلب کے نور کا باعث ہے۔
(۷) باعث کشائش رزق ہے۔
(۸) ذکر باہیبت اور پر جلال بناتا ہے، مزاج میں تروتازگی حاصل ہوتی ہے۔
(۹) حب الٰہی پیدا کرتا ہے اور نجات وسعادت کا ذریعہ ہے۔
(۱۰) صاحب مراقبہ بناتا ہے۔
(۱۱) ذاکر کو انابت الی اللہ کا وارث بناتا ہے۔
(۱۲) قربت الٰہی حاصل ہوتی ہے۔
(۱۳) معرفتِ الٰہی کا سبب ہے۔
(۱۴) اس سے اللہ کا جلال اور ہیبت پیدا ہوتی ہے۔
(۱۵) ذاکر کو اللہ تعالیٰ اپنی یاد میں رکھتا ہے۔
(۱۶) اکل وشرب سے بے نیازی پیدا ہوتی ہے کیونکہ ذکر دل کی خوراک ہے۔
(۱۷) دل میل کچیل سے پاک ہو جاتا ہے۔
(۱۸) ذکر گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔
(۱۹) ذکر سے وحشت دور ہو جاتی ہے۔
(۲۰) ذکر عذاب الٰہی سے نجات کا سبب ہے۔
(۲۱) ذکر برائیوں سے بچاتا ہے۔
(۲۲) مجالس ذکر، مجالس ملائکہ ہیں اور مجالس لہو ولعب، مجالس شیطان ہیں۔
(۲۳) ذاکر باسعادت ہوتا ہے۔
(۲۴) خلوت میں دورانِ ذکر رونا یوم القیامت کو سایۂ عرش میں جگہ پانے کا باعث ہے۔
(۲۵) ذاکر، ذکر میں مشغول ہونے کی بنا پر وہ کچھ حاصل کر لیتا ہے جو سائلین کو بھی نہیں ملتا۔
(۲۶) ذکر، آسان ترین عبادت ہے جو حرکت خفیف سے ادا ہو جاتی ہے۔

(۲۷) یہ غراس الجنۃ (جنت کی گھنٹی) ہے۔

(۲۸) ذاکر کو فضائل عطا ہوتے ہیں۔

(۲۹) ذکر مرض نسیان سے بچاتا ہے۔

(۳۰) ذکر بندے پر آسان ہے، خواہ بیٹھ کر کرے یا لیٹ کر کرے۔

(۳۱) ذکر دنیا، قبر اور معاد میں نور کا باعث ہوگا۔

(۳۲) یہ راس الماثور اور طریق عامۃ الطائفہ اور منشور الولایۃ ہے۔

(۳۳) قلبی فاقہ اور احتیاج کو ذکر ہی دور کر سکتا ہے۔

(۳۴) ذکر سے غم تدریجاً ساقط ہو جاتے ہیں۔

(۳۵) ذکر سے اللہ کی معیت خاصہ حاصل ہوتی ہے۔

(۳۶) ذکر انفاق فی سبیل اللہ اور عشق رقاق فی اللہ کے برابر درجہ رکھتا ہے۔

(۳۷) ذکر ہی حقیقی شکر ہے۔

(۳۸) ذاکر و متقی ہی اللہ کے ہاں بہترین ہیں۔

(۳۹) ذکر میں مداومت اختیار کرنی چاہیے۔

(۴۰) ذکر قساوت قلبی کے خاتمہ کا باعث ہے۔

(۴۱) ذکر قلبی شفا کا باعث ہے۔

(۴۲) ذاکر، اللہ کا دوست ہوتا ہے۔

(۴۳) ذکر نعم الٰہیہ کے لیے جالب اور نقم سے دفاع کرتا ہے۔

(۴۴) ذکر موجب رحمتِ الٰہی اور موجب دعاء ملائکہ ہے۔

(۴۵) مجالس ذکر سکونت جنت کا باعث ہیں۔

(۴۶) مجالس ذکر اختیار کرنے والے بدبخت نہیں ہو سکتے۔

(۴۷) اللہ تعالیٰ ذاکرین کو بطور فخر پیش کرے گا۔

(۴۸) کثرت سے ذکر کرنے والا جنت میں داخل ہوگا۔

(۴۹) تمام اعمال، اقامت ذکر الٰہی کے لیے مشروع ہیں۔

(۵۰) ذکر الٰہی افضل العمل ہے۔

(۵۱) ادامت ذکر، تطوعات کے قائم مقام ہے۔

(۵۲) ذکر الٰہی، اطاعت الٰہی میں معاون ثابت ہوگا۔

(۵۳) ذکر الٰہی مشکلات کو آسان کر دیتا ہے۔

(۵۴) ذکر، ذاکروں کو مامون کر دیتا ہے، یہ عجیب التاثیر ہے۔

(۵۵) ذکر، ذاکر کو طاقتور بناتا ہے۔

(۵۶) اعمال آخرت میں سباق ہوں گے جب کہ ذاکرین اسبق ہوں گے۔

(۵۷) اللہ ذاکر کی تصدیق کرتا ہے اللہ فرماتا ہے صدق عبدی.

(۵۸) ذکر سے ذاکر کے لیے جنت میں گھر تعمیر ہوتے ہیں۔

(۵۹) فرشتے ذاکر کے لیے استغفار کرتے ہیں۔

(۶۰) ذکر، ذاکر اور جہنم کے درمیان رکاوٹ ہے۔

(۶۱) پہاڑ اور میدان ذاکر پر فخر کرتے ہیں۔

(۶۲) کثرت ذکر الٰہی نفاق سے پناہ کا باعث ہے۔

(۶۳) دیگر اعمال کی نسبت ذکر الٰہی میں بندے کے لیے لذت ہے۔

(۶۴) ذکر سے چہرے پر تازگی آجاتی ہے اور آخرت میں نورانیت حاصل ہوگی۔

(۶۵) دوام ذکر سے ذاکر کے لیے تکثیر الشھود العبد یوم القیامة ہے۔

(۶۶) ذاکر کے لیے قبلہ رو ہونا بہتر ہے۔ (۸۵)

اسی طرح نواب صاحب نے "باب فی الفوائد والثمرات الحاصلة بالصلوٰة علیه صلی اللہ علیه وسلم وآله وسلم" میں درود شریف پڑھنے کے ۷۶ فوائد وثمرات بیان کیے ہیں۔

سید صاحب کی یہ کتاب اہل ذکر کے لیے بہترین تحفہ ہے، اگرچہ عربی میں ہے افادہ عام کے لیے اس کا ترجمہ ہونا چاہیے، نواب صاحب کو اپنی اس کتاب کی افادیت کا خود بھی احساس تھا، چنانچہ فرماتے ہیں:

"علم ادعیہ واذکار میں امام نووی رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب معروف ومقبول ہے، بعض اہل علم نے کہا ہے "بع الدار واشتر الاذکار" لیکن میری کتاب "نزل

الابــــرار "اذکار کی نسبت زیادہ نفع بخش اور زیادہ جامع ہے یہ بات محض تحدیث نعمت کے طور پر کہہ رہا ہوں اس لیے نہیں کہ میرا علم و فضل نووی سے زیادہ یا مساوی نہیں ہے کیونکہ میں نوویؒ کے خاک پا کے برابر بھی نہیں ہوں کجا ذرہ کجا آفتاب۔"(۸۷)

نواب صاحب نے نزل الابرار کے شروع میں مقدمۃ الکتاب سے پہلے خطبۃ الکتاب بھی لکھا ہے، کتاب کو مختلف عنوانات پر ۱۳ کتب پر تقسیم کیا گیا ہے جب کہ مقدمۃ الکتاب کے بعد "فی الامر بالاخلاص وحسن النیة فی العمل" کے عنوان پر ایک فصل قائم کی گئی ہے اور اس کے بعد ۱۱۳، ابواب باندھے گئے ہیں، اور ان کو ایک کتاب میں بند نہیں کیا گیا جس طرح کہ اس کے بعد کتاب کے تحت ابواب بنائے گئے ہیں اگر ان ابواب کو ایک کتاب کے تحت سمجھ لیا جائے تو نزل الابرار کی کتب ۱۴ ہو جائیں گی۔ ان ۱۱۳ ابواب میں زیادہ تر اذکار کے فضائل و آداب، پسندیدہ اوقات و اماکن اور اوقات و مواقع اور اماکن کے اعتبار سے اذکار درج کیے گئے ہیں۔ البتہ بڑے اور اہم مواقع علیحدہ کتاب کے تحت لائے گئے ہیں۔

مثلاً باب ما یقول اذا اتی فراشه

باب ما یقول علی اغتساله

باب اذکار صلوٰة اللیل

ان ۱۱۳ ابواب کا پہلا باب فی فضائل الذکر اور آخری باب "باب الصلوٰت المنصوصات کرکعتی الفجر" ہے۔

(۱) کتاب الاذکار و الدعوات للامور المعارضات:

اس میں ۲۸ ابواب ہیں۔ پہلا باب، بـــاب دعـاء الاستخـاره اور آخری باب، ما یقال علی الخراج والثمر ونحوهما ہے۔

(۲) کتاب اذکار المرض والموت وما یتعلق بهما:

اس میں بیماری اور موت سے متعلق اذکار و نصائح درج ہیں۔ اس کے کل ۳۶ ابواب ہیں پہلا باب، باب استحباب الاثر من ذکر الموت، اور آخری باب " باب البکاء والخوف عند المـرور بـقبـور الـظالمین وبمصلرعهم واظهار الافتقار الی الله تعالی

والتحذير من الغفلة عن ذلك "ہے۔

(۳) كتاب الاذكار فى صلوات و اوقات مخصوصة:

اس کے کل ۲۱ ابواب ہیں۔ پہلا باب، باب الاذكار المستحبة يوم الجمعة وليلتها والدعاء، آخری باب، باب الاذكار المتعلقة بالزكوٰة ہے۔

(۴) كتاب اذكار الصيام:

اس کو چھ ابواب میں منقسم کیا گیا ہے۔

اس کا پہلا باب:

باب ما يقول اذ راى الهلال وما يقول اذ راى القمر اور آخری باب، باب الاذکار فی الاعتکاف ہے۔

(۵) كتاب اذكار الحج:

اس میں کوئی باب نہیں باندھا گیا بلکہ امام صاحب سفر حج کے اذکار کتاب اذکار الاسفار میں لائے ہیں اور اس میں صرف اذکار فی نفس الحج کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کی ابتدا میں نواب صاحب لکھتے ہیں:

> ((ان اذكار الحج ودعواته كثير لا تحصى ولكن نشير الى المهم من مقاصدها والاذكار التى فيه على ضربين اذكار فى سفره واذكار فى نفس الحج فاما التى فى سره فنؤخرها فنذكرها فى اذكار الاسفار ان شاء الله واما التى فى نفس الحج فنذكرها على ترتيب عمل الحج ونحذف الادلة والاحاديث فى اكثرها خوفا من طول الكتاب وحصول السآمة على مطالعة)) (۸۸)

(۶) كتاب اذكار الجهاد:

اس میں ۱۵ ابواب قائم کیے گئے ہیں۔ پہلا باب، باب استحباب سوال الشهادة

اورآخری باب، باب ما يقول اذا رجع من الغزو ہے۔

(۷) كتاب اذكار المسافر:

اسے ۱۲۸ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا باب، باب الاستخارة والاستشار ہے۔ آخری باب، باب ما يقال لمن يقدم من حج وما يقوله ہے۔

(۸) كتاب اذكار الاكل والشارب:

اس کے ۱۲۰ ابواب ہیں۔ پہلا باب، باب ما يقول اذا قرب اليه طعامها اور آخری باب، باب ما يقوله بعد انصرافه عن الطعام ہے۔

(۹) كتاب ذكر السلام وغيره:

اس کو ۱۱۲ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا باب، باب السلام والاستيذان وتشميت العاطس وما يتعلق بها اورآخری باب، باب فيما يستحب به الاجابة لمن فاداك ہے۔

(۱۰) كتاب اذكار النكاح وما يتعلق به:

اس میں ۱۳ ابواب ہیں۔ پہلا باب، باب صلوٰة الزواج آخری باب، باب الدعاء عند تحنيك الطفل ہے۔

(۱۱) كتاب الاسماء:

اس کے ۱۹ ابواب بنائے گئے ہیں۔ پہلا باب، باب تسمية المولود، اورآخری باب، باب جواز تكنية الرجل بابى فلانه وابى فلان والمراة بام فلان وامه فلانة ہے۔

(۱۲) كتاب الاذكار المتفرقة:

اس کو ۶۸ ابواب میں منقسم کیا گیا ہے اور متعین کردہ کتب میں سب سے بڑی کتاب ہے۔ اس کا پہلا باب، باب استحباب حمد الله تعالىٰ والثناء وعليه عند البشارة بما

یسرہ اور آخری باب، باب ما یعلم من اسلم ہے۔

(۱۳) کتاب حفظ اللسان:

یہ نزل الابرار کی آخری کتاب ہے، اس کے ۱۷ ابواب بنائے گئے ہیں پہلا باب، باب تحریم الغیبة والنمیمة اور آخری باب، باب النھی عن صمت یوم الی الیل ہے۔
جب کہ خاتمۃ الکتاب، کتاب نزل الابرار کا آخری عنوان ہے۔
یہ کتاب ۴۰۴ صفحات پر مشتمل ہے جب کہ فہرست ۱۶ صفحات پر محیط ہے جو متن کتب کے صفحات میں شامل نہیں کیے گئے۔ آخر میں ٹائپ کی اغلاط اور ان کی تصحیح کی فہرست بھی لگائی گئی ہے۔ اس کے ۸ صفحات بھی شامل کریں تو صفحات ۴۴۰ بنتے ہیں، یہ دار المعرفة للطباعة والنشر بیروت لبنان کی طرف سے چھاپی گئی ہے۔ طبع ثانیہ ہے لیکن سن اشاعت درج نہیں۔
جب کہ اس کا ایک نسخہ دار الدعوۃ السّلفیہ میں بھی ہے جو کہ ۱۳۰۱ھ میں جوانب نے چھاپا دار الدعوۃ میں اس کا نمبر ۱۰۹ ہے اور ایک نسخہ مقالہ نگار کے والد محترم کے کتب خانہ میں بھی ہے۔

(۲) اکلیل الکرامة فی تبیان مقاصد الامامة

محی السنۃ نواب صدیق حسن خانؒ مجدد امت تھے، آپ نے جہاں انفرادی و اجتماعی مسائل کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں پیش کیا ہے وہاں آپ نے اسلامی نظام حکومت اور حکمرانوں و رعایا کے حقوق و فرائض کو بھی بیان کیا ہے، چنانچہ آپ نے اپنی اس کتاب میں مسئلہ خلافت و امامت اور مقاصد امامت پر بڑی سیر حاصل بحث کی ہے اور نظام حکومت کو اسلامی اصولوں کی روشنی میں استوار کرنے پر زور دیا ہے، اس کتاب کی تالیف کا سبب بیان کرتے ہوئے نواب صاحب لکھتے ہیں:

((حملنی الخاطر علی تالیف رسالة، فیها جوامع من احکام الخلافة والسیاسة الالٰهیة والامامة النبویة التی لا یستغنی عنها الراعی والراعیة فی قطر من اقطار البریة بعبارة مفیدة واشارة مقضیة ومسائل مضیة من غیر اطالة واکثار ولا اجحاف مخل بالغرض والا اختصار بل وسط بین الطرفین وطریق

بین بین)) (۸۹)

نواب مرحوم عالم دین ہونے کے علاوہ ایک عظیم سیاستدان اور منتظم حکومت بھی تھے، ریاست بھوپال میں بیگم شاہ جہاں کے عہد میں آپ نظم حکومت میں براہ راست شریک رہے اور آپ رئیسہ بھوپال بیگم شاہ جہاں کے نائب اور ریاست کے نگران اعلیٰ (وزیراعظم) تھے، اس لیے آپ نے ریاست کے قانون کو بالاستیعاب دیکھا اور اس میں کمی وکوتاہی کا عمیق نظر سے مشاہدہ کیا اور آپ ہر ممکن طور پر اس ریاست میں اسلامی نظام حکومت کی تشکیل میں سرگرم عمل رہے، اس سلسلے میں قوانین میں ناگزیر تبدیلیاں، مملکت کو اسلامی ماحول میں تبدیل کرنا، عوام ورعایا کے حقوق کی نگہداشت، مدارس اور لائبریریوں کا قیام، مدارس کی اصلاح، بھوپال کو ثقافتی وعلمی مرکز بنانے کی سعی، نصاب میں قرآن وسنت کو اہمیت دینا، الغرض آپ نے 248 صفحات کی اس کتاب میں اسلامی نظام حکومت کی خصوصیات، اسلامی مملکت کے امتیازات اور حکمرانوں کی ذمہ داریوں پر روشنی ڈالی ہے۔ یہ عظیم کتاب مطبع صدیقی بھوپال سے 1894ء میں پہلی بار اور 1411ھ میں 391 صفحات کے ساتھ دوبارہ شائع ہوئی۔

اس کتاب کا اردو ترجمہ کرنے کی ضرورت ہے، اگر اس کا اردو ترجمہ شائع کر دیا جائے تو ہمارے نظام حکومت کی اصلاح کے لیے مفید ہوسکتی ہے۔

(۳) الاذاعة لما كان وما يكون بين يدى الساعة:

آپ نے کتاب میں قیامت کی مشکلات وتکالیف سے متعلق بحث کی ہے۔ آپ نے اس میں اسباب تکالیف بھی ذکر کیے ہیں جن میں سے ایک بڑا سبب یہ ہے کہ یہ زمانہ آفات ومصائب اور مکدرات سے بھرا پڑا ہے۔ اس کتاب میں ان احادیث کو مختصر طور پر محفوظ کیا گیا ہے جو ابواب الفتن میں وارد ہوئی ہیں اور ان علامات قیامت کو ضبطِ تحریر میں لایا گیا ہے جن کی کتب احادیث میں نشان دہی کی گئی ہے۔ یہ آخرت سے بے پرواہ دلوں کے لیے عبرت انگیز اور اہل بصیرت کے لیے یاددہانی ہے، نواب صاحب نے خود لکھا ہے:

((تذكرة لاهل الغفلة والاغترار، وتبصرة لاولى البصائر والابصار الذين اخلصهم الله تعالىٰ بخالصة ذكر الدار))

نواب صاحب نے اس کتاب میں قارئین کو گناہوں سے پرہیز، غفلت کی نیند سے بیداری کی ترغیب اور انسان فانی کو موت سے پہلے زندگی کو مہلت جاننے کی تلقین کی ہے کیونکہ دنیا فانی ہے بڑے بڑے افراد آئے اور بادلوں کی طرح گزر گئے۔

کتاب نفاست وحسن تعبیر میں انتہا کو پہنچی ہوئی ہے خوبصورت اسلوب اور دلچسپ طرز بیان قارئین کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ یہ سلف صالحین کی کتب کی طرح خیر و برکت سے بھرپور ہے۔ یہ ایک مقدمہ، چار ابواب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے، پہلی مرتبہ مطبع صدیقی بھوپال نے ۱۲۹۳ھ میں چھاپی اور اس وقت اس کے ۹۸ صفحات تھے۔ دیگر بہت سے اشاعتی اداروں نے بھی اسے شائع کیا ہے جب کہ جدہ میں ۱۳۰۶ھ میں محققہ شائع ہوئی۔

(۴) حسن الاسوة فی ماورد فی النسوة:

نواب صدیق حسن خانؒ کی یہ کتاب آپ کا عظیم علمی شاہکار ہے جس میں عورتوں کے مسائل کو بڑے شاندار اور نہایت احسن انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ قرآن و حدیث میں جہاں کہیں بھی عورتوں کا ذکر یا ان کے مسائل پر بات ہوئی ہے نواب صاحب مرحوم نے اس کتاب میں انہیں یکجا کر دیا ہے اور آپ نے یہ کتاب اپنی زوجہ والیہ بھوپال بیگم شاہ جہاں کی تحریک پر لکھی۔

مصنف نے مضامین کو بیان کرتے ہوئے اس انداز میں ترتیب دیا ہے کہ پہلے آیات قرآنی، پھر ان کی تفسیر، اس کے بعد احادیث نبویہ ﷺ اور بعد ازاں اسلاف امت کے اس مسئلہ میں ترغیبی و تدریسی اقوال و واقعات درج کیے ہیں۔ آیات کریمہ کی تفسیر کا ماخذ تفسیر فتح البیان ہے۔

یہ عظیم تصنیف نواب صاحب کی انوکھی علمیت، بے مثل ثقاہت اور آپ کے علم کی گہرائی پر شاہد ہے، اس کا اردو زبان میں ترجمہ بھی چھپ چکا ہے جو کہ بیگم شاہ جہاں کے حکم پر نواب صاحب کے تلمیذ رشید مولانا ذوالفقار احمد نے ''قرآت نسواں'' کے نام سے کیا ہے۔

''حسن الاسوة'' ۴۱۰ صفحات پر مشتمل ہے پہلی بار ۱۳۰۱ھ میں مطبع الجوائب الکائیہ، قسطنطنیہ سے شائع ہوئی جب کہ قاہرہ سے ۸۸۰ صفحات پر محققہ طبع ہوئی اور موسستہ الرسالہ نے ۱۴۰۱ء میں شائع کی اور اس کتاب کی اہمیت کے پیش نظر جامعہ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ ۱۴۱۵,۱۶ھ میں اس

پر تحقیقی کام کروا چکی ہے۔

(۵) العبرة مما جاء فی الغزو والشهادة الهجرة:

یہ کتاب عربی زبان میں ہے، اس میں مؤلف نے جہاد کی فرضیت اور جہاد کے فضائل و احکام بیان کرنے کے ساتھ ساتھ شہادت کے فضائل اور اسباب شہادت پر قرآنی آیات اور احادیث نبویہ ﷺ کی روشنی میں سیر حاصل بحث کی ہے نیز عادل سلطان کے بارے میں بھی قرآن و حدیث کے دلائل پیش کیے ہیں اور مسئلہ خلافت کے سلسلے میں ''الائمۃ من القریش'' اور دیگر احادیث نبویہ پر اپنا موقف بیان کیا ہے۔ آپ خلافت کے بارے میں رقم طراز ہیں:

((والمعنى ينبغى ان تكون الخلافة فى قريش والسبب المقتضى لهذا ان الحق الذى اظهره الله على لسان نبيه ﷺ انما جاء بلسان قريش وفى عاداتهم وكان اكثر من تعين من المقادير والحدود ما هو عندهم ، وكان المعد والكثير من الاحكام ما هو فيهم فهم اقوم به واكثر الناس تمسكا بذلك ، وايضاً فان القريش قوم النبى ﷺ وحزبه ولا فخرلهم الا بعلو دين محمد ﷺ وقد اجتمع فيهم حمية دينية وحمية نسبية ، فكانوا مظنة القيام بالشرائع والتمسك بها وايضاً فانه يجب ان يكون الخليفة من لا يستنكف الناس من طاعته لجلالة نسبه وحسبه ، فان من لا نسب له يراه الناس حقيرًا ذليلا وان يكون ممن عرف منهم الرياسات والشرف ومارس قومه جمع الرجال ونصب القتال وان يكون قومه اقويا ، يحمونه وينصرنه ويبذلون دونه الانفس ولم تجتمع هذه الامور الا فى قريش ، ولا سيما بعد ما بعث النبىﷺ وبنه به امر قريش ، وقد اشار ابوبكر الصديق رضی اللہ عنہ الى هذه فقال: ولن يعرف هذا الامر الا قريش هم اوسط العرب داراً ولم يشترط

کونه ها شمیاً لانه لم یدل علیه نصّ صحیح ولا دلیل صریح)) (۹۰)

سید صاحب جہاد کی چار اقسام کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جہاد کے چار مراتب ہیں (۱) جہاد نفس (۲) جہاد شیطان (۳) جہاد کفار (۴) جہاد منافقین؛ آپ ان کی تفصیلات بتاتے ہوئے رقم طراز ہیں:

((اما جهاد النفس: فعلى اربع مراتب، احداهن: الجهاد في تعلم دين الحق، الثانية: الجهاد في العمل بذلك العلم الثالثة الجهاد في الدعوة لذلك العلم وتعليم آدابه، الرابعة: الجهاد على الصبر واحتمال مشقات الدعوة واذى الخلق ومن استعمل هذه المراتب الاربعة في ملكوت السموات عظيما۔
واما جهاد الشيطان: فعلى مرتبتين: الاولى، الجهاد على دفع ما يلقيه من الشبهات والشكوك الثانية، الجهاد على دفع ما يلقيه من الاداوات والشهوات وسلاح الاول اليقين وسلاح الثاني نوع صبر واما جهاد الكفار: والمنافقين فعلى اربع مراتب: بالقلب واللسان والمال والنفس، واما جهاد باب الظلم والمنكر والبدع فعلى ثلاث مراتب: الاولىٰ، باليدوان عجز فبللسان وان عجز فبا لقلب))

آپ اس کے بعد لکھتے ہیں:

((هذه مراتب الجهاد وهي ثلاثة عشر من لا حظ له منها فهو منافق ومن مات ولم يحدث نفسه بالغرومات على شعبة من النافق)) (۹۱)

اس کتاب کے صفحات ۲۶۲ ہیں دار الکتب العلمیہ بیروت سے ۱۹۸۴ء میں پہلی بار ابو ہاجر محمد سعید زغلول کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوئی۔

(۶) فوائد العوائد من عیون الاخبار والفوائد:

نواب مرحوم نے اس کتاب میں ایمان، علم، طہارت، صلوٰۃ وغیرہ پر تین صد احادیث نبویہ کو جمع کر کے فارسی زبان میں ان کا ترجمہ اور تشریح کر دی ہے۔ کتاب کے آخر میں حقیقت روح پر سیر حاصل بحث ہے۔ یہ کتاب دوصد اٹھاون صفحات پر مشتمل ہے اور مطبع صدیقی بھوپال سے ۱۲۹۸ھ میں پہلی بار شائع ہوئی۔

(۷) مشیر ساکن الغرام الی روضۃ دار السلام:

یہ کتاب علامہ ابن قیم کی کتاب ''ھادی الارواح الی بلاد الافراح'' کی تلخیص ہے۔ اس میں جنت اور جنت کے انعامات کا تذکرہ قرآنی آیات اور آپ ﷺ کے فرامین کی روشنی میں کیا گیا ہے۔ اس میں اہل جنت کے اقوال کا بھی نہایت شاندار انداز سے تذکرہ کیا گیا ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں پہلی بار کانپور میں طبع ہوئی۔

(۸) الروضۃ الندیۃ شرح الدرر البھیۃ:

امام محمد بن علی شوکانی نے فقہ الحدیث میں ایک کتاب " صاحب الدرر البھیۃ " تصنیف کی جس کی شرح نواب موصوف نے " الروضۃ الندیہ " کے نام سے لکھی ہے۔ آپ نے اپنی اس کتاب کو سات حصوں میں تقسیم کیا ہے، پہلے حصہ میں طہارت وغیرہ کے سات ابواب ہیں دوسرا حصہ کتاب الصلوٰۃ پر مشتمل ہے جس کے ابواب پندرہ ہیں۔ تیسرا حصہ کتاب الجنائز پر ہے۔ چوتھا حصہ کتاب الزکاۃ پر ہے۔ جس کے پانچ ابواب ہیں۔ الکتاب الخامس احکام خمس پر بحث کرتی ہے۔ چھٹا حصہ کتاب الصیام ہے اور ساتواں کتاب الحج ہے۔ آپ نے شرح میں صحیح احادیث کا التزام کیا ہے۔ ایک روایت کی شہادت کے لیے چند دیگر روایات بھی بیان کرتے ہیں۔ مخالف وموافق روایات درج کر کے ان پر جرح وتعدیل بھی کرتے ہیں اور ائمہ وفقہاء کے مسالک اور ان کے دلائل ذکر کرتے ہیں اور صحیح احادیث کی روشنی میں کسی ایک موقف کو ترجیح دیتے ہیں۔

(۹) الروض الخضیب من تزکیۃ القلب المنیب:

یہ کتاب فارسی زبان میں ہے۔ اس میں مختلف فصول میں مختلف مسائل بیان کیے گئے ہیں۔

اس میں نہایت عمدہ طریقے سے ایمان کے مختلف مدارج پر بھی بحث کی گئی ہے۔ نیز شاندار اسلوب میں انسانی عیوب اور روحانی وجسمانی بیماریوں کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔ اس کے ۲۳۳ صفحات ہے۔ مطبع مفید عام اکبرآباد سے ۱۲۹۸ھ میں شائع ہوئی۔

(۱۰) یقظه اولی الاعتبار من ذکر النار واصحاب النار:

یہ کتاب عربی زبان میں ہے۔ اس میں جہنم، اہل جہنم اور جہنم کے مختلف طرح کے عذابوں کے بارے میں بحث کی گئی ہے اور اس سلسلے میں آیات کریمہ اور احادیث نبویہ ﷺ کو درج کر دیا گیا ہے۔

(۱۱) بشارة الفساق:

نواب صاحب کی یہ کتاب کبیرہ گناہوں پر بحث کرتی ہے۔ اس میں آپ نے قرآن مجید کی آیات اور صحیح احادیث نبویہ کی روشنی میں کبیرہ گناہوں کا تذکرہ کیا ہے اور اس سے بچنے کی تلقین کی ہے۔ یہ کتاب اردو زبان میں ہے اور مطبع مفید عام آگرہ سے شائع ہوئی۔

(۱۲) تمیمة الصبی:

ہم گزشتہ اوراق میں ذکر کر چکے ہیں کہ نبی مقدس ﷺ کے فرمان کی روشنی میں مختلف محدثین نے چالیس احادیث پر مشتمل کتب تحریر کیں۔ ان محدثین میں نواب صاحبؒ بھی شامل ہیں۔ آپ نے چالیس احادیث پر مشتمل کئی کتب لکھیں جن میں تمیمة الصبی بھی ہے۔ آپ نے اپنی اس تصنیف میں روزمرہ پیش آنے والے مسائل سے متعلق چالیس احادیث نبویہ قلم بند کی ہیں اور اردو زبان میں ان کا ترجمہ وتشریح بھی کیا ہے۔ یہ کتاب ۲۳ صفحات پر مبنی ہے۔ مطبع شاہ جہانی بھوپال سے ۱۲۹۱ھ میں چھپی۔

(۱۳) تقویة الایمان:

یہ کتاب اردو زبان میں ہے، یہ ایمان کی حقیقتِ حال واضح کرتی ہے۔ اسی لیے مصنف نے اس کا پورا نام ”تقویة الایقان بشرح حدیث حلاوة الایمان“ رکھا ہے۔

(۱۴) صلاح ذات البین ببیان ماللزوجین:

مؤلف نے اس کتاب میں حقوق زوجین پر روشنی ڈالی ہے۔ اردو زبان میں حقوق زوجین

کے متعلق یہ نہایت عمدہ کتاب ہے جو کہ مطبع مذکور سے شائع ہوئی۔

(۱۵) البیان المرصوص من بیان ایجاز الفقه المنصوص:

یہ کتاب فارسی زبان میں ہے اور بھوپال سے شائع ہوئی۔

(۱۶) عرف الجادی من جنان حدی الاحدی:

یہ کتاب مؤلف کی بہترین کتابوں میں سے ایک ہے۔ اس میں مؤلف نے مختلف فقہی مسائل پر جاندار بحث کی ہے۔ یہ فارسی زبان میں ہے۔

(۱۷) سبیل الرشاد:

نواب صدیق حسن خاں مرحوم کی کتاب سبیل الرشاد لما یحتاج علیہ العباد شاندار کتاب ہے جو اردو زبان میں مختلف مسائل پر روشنی ڈالتی ہے۔ اسے پڑھ کر قاری کے لیے صراط مستقیم پر چلنا آسان ہو جاتا ہے۔

(۱۸) غنیة القاری:

نواب صدیق حسن مرحوم نے اس کتاب میں بھی امام بخاریؒ کی ثلاثیات کو اکٹھا کر کے ان کا اردو میں ترجمہ وتشریح کر دی ہے نیز اس میں آپ نے تینوں راویوں کے حالات زندگی بھی ذکر کیے ہیں۔ یہ کتاب مطبع شاہ جہانی بھوپال سے ۱۲۹۱ھ میں طبع ہوئی۔

(۱۹) محاسن الاعمال:

اس کتاب میں نواب صاحب نے اردو زبان میں مختلف نیک اعمال اور فضائل بیان کیے ہیں۔

(۲۰) وسیلة النجاة لاداء الصلوٰة والصوم والحج والزکات:

محی السنہ نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے اس کتاب میں نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی ادائیگی کو نجات کا وسیلہ قرار دیا ہے۔ اردو زبان میں یہ اس موضوع پر نہایت اہم اور مفید کتاب ہے۔ مطبع مفید عام آگرہ سے شائع ہوئی۔

(۲۱) محو الحوبة بایثار الاستغفار والتوبة:

نواب مرحوم نے اس کتاب میں توبہ واستغفار کے فضائل قلم بند کیے ہیں۔ اردو زبان میں

اپنے موضوع پر شاندار کتاب ہے۔

(۲۲) نیل الامانی:

نواب صدیق حسن خاں علامہ محمد بن علی شوکانی سے بے حد متاثر تھے۔آپ نے مختصر الشوکانی کی نیل الامانی کے نام سے شرح لکھی ہے اور اس میں شرح کے ساتھ ساتھ مختلف مسائل پر سیر حاصل بحث بھی کی ہے۔

(۲۳) فتح المغیث بفقہ الحدیث:

امام شوکانی کی تالیف درر البہیہ کا یہ اردو زبان میں ترجمہ ہے۔نواب مرحوم نے اس کتاب کو اپنی ''علم الھدیٰ'' کتب میں شمار کیا ہے۔

☆............☆............☆
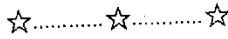
حواشی

۱۔ ابقاء المنن ،ص:۱۲۷۔۱۲۶،تفصیل کے لیے نواب صدیق حسن خاں کی کتب ''رحلۃ الصدیق الی بیت العتیق'' اور '' اتحاف النبلاء ''ملاحظہ فرمائیں۔

۲۔ علی حسن خاں۔سید۔مآثر صدیقی ،ج:۴،ص:۱۶۷

۳۔ ابقاء المنن۔ص:۹۲۔۹۱

۴۔ ایضاً ص:۸۸۔۸۷

۵۔ ایضاً ص:۹۲۔۹۱

۶۔ ایضاً ص:۶۲

۷۔ ایضاً ص:۶۳۔۶۲

۸۔ امام مالک،موطا امام مالکؒ

۹۔ الحدیث

۱۰۔ الحدیث

۱۱۔ القرآن

۱۲۔ رضیہ حامد،ڈاکٹر،نواب صدیق حسن خاں،مقدمہ از مولانا ابوالحسن علی ندوی،ص:۲۶۔۲۵

۱۳۔ مآثر صدیقی ،ج:۴،ص:۱۷۶۔۱۷۵۔

۱۴۔ ایضاً

۱۵۔ ابقاء المنن ،ص:۹۵

۱۶۔ ایضاً ص:۷۲

۱۷۔ ایضاً ص:۱۷۲

۱۸۔ مآثر صدیقی ،ج:۴،ص۱۷۳

۱۹۔ ابقاء المنن ،ص:۷۲

۲۰۔ ایضاً ص:۱۷۳

۲۱۔ ایضاً ص:۱۷۱

۲۲۔ ایضاً: ص۱۳۲۔۱۳۱ ۲۳۔ ایضاً ص: ۸۸
۲۴۔ مآثر صدیقی، ج: ۴، ص: ۲۰ ۲۵۔ ابقاء المنن، ص: ۸۹۔۹۱
۲۶۔ ایضاً: ص ۱۷۵ ۲۷۔ ایضاً
۲۸۔ ایضاً ص: ۲۷۳، ۲۷۵ ۲۹۔ ایضاً ص: ۲۶۱
۳۰۔ صدیق حسن خاں، سید، السراج الوھاج، ج: ۱، ص: ۱۴۹، بھوپال مطبع صدیقی ۱۳۰۲ھ
۳۱۔ ایضاً ص: ۲۴۷ ۳۲۔ ایضاً ص: ۲۲۷
۳۳۔ ایضاً، ج: ۲، ص ۵۵۶۔۵۵۱ ۳۴۔ ایضاً
۳۵۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج: ۱۲، ص: ۱۰۴
۳۶۔ ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح ج: ۱، ص: ۱۳، قاہرہ
۳۷۔ سعیدی، غلام رسول، تذکرۃ المحدثین ص: ۱۹۶، لاہور، فرید بک سٹال ۱۹۷۷ء
۳۸۔ عسقلانی، ابن حجر، فتح الباری ج: ۲، ص: ۲۰۲
۳۹۔ کشمیری، انور شاہ، فیض الباری ج: ۱، ص: ۲۰۴
۴۰۔ ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح ج: ۱ ص: ۱۴
۴۱۔ دہلوی، شاہ عبدالعزیز، ترجمہ مولانا عبدالسمیع، بستان المحدثین، ج: ۲، ص: ۱۷۴، کراچی تجارت کتب ۱۳۳۴ھ۔
۴۲۔ براکلمن ج: ۳، ص: ۱۶۵
۴۳۔ صدیق حسن خاں، السید۔ الحطۃ فی ذکر الصحاح الستۃ، ص: ۸۸
۴۴۔ غزالہ حامد، شروح صحیح بخاری ص: ۸۳۔۸۲، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ ۱۹۹۱ء
۴۵۔ احمد امین، ضحیٰ الاسلام، ج: ۲، ص: ۱۱۵، مطبوعہ قاہرہ ۱۹۳۸ء
۴۶۔ الحطۃ فی ذکر الصحاح الستہ ص: ۸۶
۴۷۔ ابقاء المنن ص: ۹۲.
۴۸۔ ایضاً ص: ۴۸
۴۹۔ صدیق حسن خاں، سید، عون الباری لحل ادلۃ البخاری، ج: ۱، ص: ۴
۵۰۔ ایضاً، ص: ۵ ۵۱۔ ایضاً ص: ۵
۵۲۔ ایضاً ص: ۱۰۸ ۵۳۔ ایضاً ص: ۱۱۳
۵۴۔ ایضاً ص: ۱۱۴ ۵۵۔ ایضاً ص: ۱۱۴
۵۶۔ ایضاً ص: ۵ ۵۷۔ ایضاً ص: ۵
۵۸۔ السراج الوھاج ص: ۴ ۵۹۔ ایضاً ص: ۱
۶۰۔ ایضاً ص: ۳۔۲ ۶۱۔ ایضاً ص: ۳۔۲
۶۲۔ ایضاً ص: ۳ ۶۳۔ ایضاً ص ۴۔۳
۶۴۔ ایضاً ص: ۵۔۴ ۶۵۔ ایضاً ص: ۵
۶۶۔ ایضاً ص: ۵ ۶۷۔ ایضاً ص: ۵
۶۸۔ ایضاً ص: ۱۸۰ ۶۹۔ ایضاً ص: ۲۴۷

۷۰۔ ایضاً ص:۳۰۱
۷۱۔ ایضاً ص:۱۴۹

۷۲۔ مولانا ولایت علی اور عنایت علی حقیقی بھائی تھے، ہندوستان کے مشہور شہر پٹنہ عظیم آباد کے محلہ صادق پور کے رہائشی اور وہاں کے نمبردار کے بیٹے ہیں۔ جماعت مجاہدین کے سرگرم ارکان سے رہنما بنے۔ ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو بالاکوٹ میں سیدین شہیدین کے بعد مولانا ولایت علی امیر بنے اور ان کے بعد عنایت علی امیر بنے۔ اور یہ وہ جماعت ہے جن کے بارے میں ڈاکٹر W.W.Hunter نے اپنی کتاب "Our Indian Muslims" میں لکھا ہے کہ اس جماعت نے کم از کم ایک سو سال تک انگریز کو ہندوستان میں چین کا سانس نہیں لینے دیا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ہندوستان میں وہابی تحریک، ڈاکٹر قیام الدین، سرگزشت مجاہدین، سید ابوالحسن ندوی، ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، مسعود عالم ندوی تحریک اہل حدیث، تاریخ کے آئینے میں، قاضی محمد اسلم سیف وغیرہ۔

۷۳۔ ابقاء المنن ص
۷۴۔ مآثر صدیقی ج:۲، ص:۹۔۷

۷۵۔ اہل حدیث، امرتسر، ۱۷ شعبان ۱۳۳۸ھ حالات قاضی محمد مچھلی شہری

۷۶۔ براکلمن ج:۳، ص:۱۷۷
۷۷۔ الحطة فی ذکر الصحاح الستہ ص:۵۱

۷۸۔ ایضاً ص:۸۸
۷۹۔ صدیق حسن خاں، سید، نزل الابرار، ص:۳

۸۰۔ ایضاً ص:۳۶۱
۸۱۔ ایضاً ص:۳۶۵

۸۲۔ ابقاء المنن ص:۱۸۹
۸۳۔ نزل الابرار، ص:۸۔۷

۸۴۔ ایضاً
۸۵۔ ایضاً ص:۱۱

۸۶۔ ایضاً ص:۲۲
۸۷۔ ابقاء المنن ص:۱۷۱

۸۸۔ نزل الابرار، ص:۳۱۴
۸۹۔ صدیق حسن خاں، سید، اکلیل الکرامۃ ص:۳

۹۰۔ صدیق حسن خاں، سید، العبرة مما جاء فی الغزو والشهادة ص......

۹۰۔ ایضاً

☆............☆............☆

باب ہشتم

نواب صدیق حسن خاں کی خدمات حدیث کے اثرات ونتائج

نواب صدیق حسن خان جس زمانے میں پیدا ہوئے اور جس دور میں آپ نے تعلیم وتربیت حاصل کی وہ مسلمانان برصغیر کے لیے مروجہ فقہ کے شدید ترین تقلیدی بندھنوں کے فروغ اور حدیث کے جمود وانحطاط کا دور تھا۔ اگرچہ تحریک عمل بالحدیث کا باقاعدہ آغاز حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تحریک اور شاہ عبدالعزیزؒ کی مسند حدیث سے ہو چکا تھا اور میاں نذیر حسین دہلویؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ ایسی شخصیات اپنے درس و تدریس، اپنی تالیفات اور اپنے عمل صالح سے اہمیت حدیث، اتباع حدیث اور احیائے سنت کے لیے کوشاں تھے لیکن نواب صدیق حسن خاںؒ نے ان روشن چراغوں کو تادیر جلائے رکھنے اور ان کی روشنی کو عام کرنے کے لیے اہم ترین کردار ادا کیا۔

آپ نے اپنی انسٹھ سالہ زندگی کو قرآن وحدیث کے فروغ کے لیے وقف کر رکھا تھا اور اس مختصر عرصۂ حیات میں دن رات علومِ حدیث کی آبیاری اور مسلمانان برصغیر کی زندگیوں میں قرآن وسنت کے انقلاب کے لیے کوشاں رہے۔ آپ نے اپنے شب وروز مسلمانوں کے علم حدیث کے بارے میں جمود اور زوال وانحطاط کے رخ کو بدلنے میں صرف کیے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی بھرپور کوششوں اور تگ ودو سے علم حدیث کی اہمیت وعظمت اجاگر ہوئی، بدعات ومنکرات کی مخالفت اور تمسک بالحدیث کا عوام وخواص میں رجحان بڑھا اور وہ قوم جو اندھی تقلید وجمود میں غرق ہو چکی تھی اس میں حدیث کی اہمیت کا احساس بیدار ہونا شروع ہو گیا حالانکہ اس سے قبل ہندوستان میں احادیث رسول ﷺ کو نظر انداز کیا جاتا تھا اور حدیث کی موجودگی میں مروجہ فقہی روایت کو ترجیح دی جاتی تھی بلکہ حدیث رسول ﷺ پر عمل پیرا ہونے والوں کو مورد الزام ٹھہرایا جاتا تھا۔ ان کے مساجد میں داخلے پر پابندی تھی اور ان کے مساجد میں داخل ہونے پر مساجد کو غسل دیا جاتا تھا، ان کے قتل تک کے پروگرام بنائے جاتے تھے بلکہ یہیں تک بس نہیں ان پر کفر کا فتویٰ عام تھا۔ ان

حالات کی ایک جھلک ''مقدمہ'' میں بھی پیش کی گئی ہے۔

چنانچہ نواب صاحب مرحوم ایسی اہل علم شخصیات کی خدمات حدیث کے نتیجے میں تعصب کی فضا کم ہوئی، فقہ کی روایت کو حدیث سے جو برتر اور اوّلین حیثیت حاصل تھی وہ ختم ہوگئی، حدیث کو اولین حیثیت حاصل ہوئی اور فقہ کو اس کی تائیدی و ثانوی حیثیت، جو اس کا حقیقی مقام تھا، ملی۔ حدیث کو نظر حقارت سے دیکھنے والے حدیث مصطفیٰ ﷺ کے متبع اور شیدائی بن گئے، شرک اور آباء پرستی میں مبتلا لوگ داعی توحید اور بدعات و رسومات کو رواج دینے میں پیش پیش لوگ داعی سنت بن گئے، حدیث مصطفیٰ ﷺ کے مقابل اپنے امام کے قول و اقوال کو ترجیح دینے والے نبی مقدس ﷺ کے فرامین و افعال پر جانیں قربان کرنے والے فدائی بن گئے۔ تقلید جامد کے شکار اور تعصب کی عینک لگانے والے سوچ و فکر کی گہرائیوں میں غوطہ زنی کرنے لگے اور وہ حدیث و سنت کے آئینے میں ائمہ کی مساعیٔ جمیلہ کی تحقیق اور جانچ پرکھ کرنے والے بن گئے۔ سید سلیمان ندوی مرحوم اسی حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> ''اس تحریک کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ مدت کا زنگ طبیعتوں سے دور ہوا اور یہ جو خیال ہوگیا تھا کہ اب تحقیق کا دروازہ بند اور نئے اجتہاد کا راستہ مسدود ہو چکا ہے رفع ہوگیا اور لوگ از سر نو تحقیق و تدقیق کے عادی ہونے لگے۔ قرآن پاک اور احادیث مبارکہ سے دلائل کی خو پیدا ہوئی اور قیل و قال کے مکدر گڑھوں کے بجائے ہدایت کے اصلی سرچشمہ مصفا کی طرف واپسی ہوئی۔''(۱)

یہ نواب صدیق حسن ہی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ بھوپال کو مرکز قرآن و حدیث کی حیثیت حاصل ہوگئی اور بھوپال میں اہل علم حضرات کی ایک بڑی جماعت جمع ہوگئی جس نے حدیث کی اشاعت و فروغ میں تاریخی کردار ادا کیا اور آپ کے انتقال کے بعد بھی یہ علمی، ادبی اور اصلاحی تحریک جاری رہی جس سے بھوپال کو ہندوستان بھر میں ایک نمایاں علمی مقام حاصل ہوگیا۔

مولانا ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی لکھتے ہیں:

> ''سید نواب صدیق حسن خان قنوجی مرحوم کی دستارِ فضیلت جب طُرّہ شاہانہ سے مزین ہوئی تو ریاست بھوپال ایک سرے سے منبع علم و مرجع علماء ہوگئی۔ حضرت والا جاہؒ نے ایک محفل علم سجائی۔ مولانا قاضی بشیر الدین قنوجی مرحوم، مولانا قاضی محمد مچھلی

شہری، مولانا سلامت جے راج پوری، شیخ حسین یمنی، مولانا محمد بشیر سہسوانی بھوپال میں تشریف فرما ہیں، متعدد مدارسِ علم وفن قائم ہوئے۔ طلبہ کشاں کشاں چلے آرہے ہیں۔ ریاست کے تمام مسلمان اس خدمت کی دینی برکتوں سے مالا مال ہورہے ہیں کہ علم وفن کے اعتبار سے بھوپال کی قسمت جاگ اٹھی۔''(۲)

سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں:

''علمائے اہل حدیث کی تدریسی وتصنیفی خدمت بھی قدر کے قابل ہے۔ پچھلے عہد میں نواب صدیق حسن خان مرحوم کے قلم اور مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی کی تدریس سے بڑا فیض پہنچا۔ بھوپال ایک زمانہ تک علمائے حدیث کا مرکز رہا، قنوج، سہسوان اور اعظم گڑھ کے بہت سے نامور اہل علم اس ادارہ میں کام کررہے تھے۔''(۳)

نواب صدیق حسن مرحوم کی خدمات جلیلہ سے نمایاں ترین خدمت آپ کی تصنیفات و تالیفات ہیں جنہوں نے حدیث کی اہمیت کو اجاگر کیا، فنون حدیث، شروح حدیث، اصول حدیث، تاریخ حدیث، تراجم حدیث اور تراجم رواۃ حدیث لکھنے کو رواج دیا جن کا تذکرہ گزشتہ اوراق میں آپ ملاحظہ کرچکے ہیں۔

آپ کی کوششوں سے ایسے کتب خانے قائم ہوئے جو حدیث کی کتب سے مالا مال تھے جن میں سب سے بڑا آپ کا ذاتی کتب خانہ ہے۔ کتب خانوں کے علاوہ مطابع بھی قائم کیے گئے جن سے حدیث کی کتب طبع کی جانے لگیں۔ خود حضرت نواب صاحب کی تمام کتب بھی ان مطابع سے طبع ہوئیں، ڈاکٹر رضیہ حامد اپنے مقالہ میں لکھتی ہیں:

''بھوپال میں مدارس و مطابع قائم ہوئے اور اہل بھوپال کا رابطہ ہندوستان کے دوسرے علاقوں سے قائم ہوگیا یہی نہیں بلکہ نواب صدیق حسن خاں کی تالیفات و تصنیفات کی اشاعت کے لیے فضا ہموار ہوگئی اور اس کام میں اتنی ترقی ہوئی کہ نواب صاحب موصوف کی تالیف وتصنیف شدہ کتب بیرون ہند میں بہت بڑی تعداد میں پھیل گئیں۔ مقامی مطابع میں جو کتب نواب صدیق حسن خاں کی طبع ہوتی تھیں وہ نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرونی ممالک میں بھی مفت تقسیم کی جاتی تھیں۔ آپ کی بعض کتب تو بیرونی ممالک میں ہی طبع ہوکر تقسیم ہوئیں۔''(۴)

آپ کی جدو جہد میں ایک خاص خدمت مدارس حدیث کا قیام بھی ہے جس نے اشاعتِ حدیث میں اہم اور مثالی کردار ادا کیا، ان کی تعداد اکہتر ہے۔ آپ نے ان مدارس میں ہندوستان کے مدارس کی روایت سے ہٹ کر ان کے نصاب میں حدیث کو اولیت دی اور ہر سال حدیث کی کتاب کو بطور نصاب شامل کیا اور باقی علوم کو قرآن و حدیث کی تفہیم کے لیے معاون قرار دے کر نصاب میں شریک کیا لیکن مخدوم علم ''قرآن و حدیث'' کو اہم اور بنیادی حیثیت دی۔ (۵)

نواب صدیق حسن خانؒ کی خدمات کا ایک شاندار پہلو یہ بھی ہے کہ ہندوستان میں حفظ حدیث کا اہتمام ہوا اور طلبائے حدیث، حدیث کو یاد کرنے میں مصروف ہوئے، اگرچہ حفظ حدیث کا وہ ذوق وشوق جو آپ کی حیات مبارکہ میں آپ کی تحریک سے تھا وہ نہ رہا لیکن آج بھی بعض طلباء ایسے ہیں جو حفظ حدیث کا شوق رکھتے ہیں اور بعض مدارس بھی یہ تحریک چلائے ہوئے ہیں۔ (۶) آپؒ حدیث مبارکہ حفظ کرنے والے طلباء کو انعامات و وظائف سے نوازتے رہے جس کا تذکرہ پیچھے کیا جا چکا ہے۔

نواب سید صدیق حسن خان کی مساعی جمیلہ کا ایک اہم نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کے وفات پا جانے کے بعد بھی آپ کا یہ علمی و اصلاحی کام اپنے پورے زور شور کے ساتھ جاری رہا۔ نواب شاہ جہان بیگم صاحبہ خود ان علمی کاموں میں نواب صاحب کے ساتھ شریک کار رہی تھیں، وہ تمام علماء جو آپ کے زمانہ میں بھوپال میں موجود تھے وہ اپنا کام اسی طرح کرتے رہے۔

نواب صدیق حسن خان صاحب نے پوری قوت اور جانفشانی کے ساتھ خدمت حدیث کا فرض نبھایا۔ انہوں نے برصغیر میں کورانہ تقلید کی بجائے کتاب و سنت کو رواج دینے میں بھرپور حصہ لیا۔ بالآخر وہ دور آ گیا کہ حدیث مصطفیٰ ﷺ کا نور ہندوستان کے قریہ قریہ بستی بستی میں جگمگانے لگا اور وہ علمائے کرام جو حدیث کے بجائے اپنے امام کی بات کو ہی قطعی دلیل سمجھتے تھے وہ حدیث مصطفیٰ ﷺ کے متوالے بن گئے اور جن مدارس میں حدیث بطور تبرک پڑھائی جاتی تھی ان میں حدیث بطور شرعی حجت کے نصاب میں شامل کی گئی اور ہر مسلک و مکتب کے لوگ اپنے جلسوں اور کانفرنسوں کے نام کتاب و سنت کانفرنس رکھنے لگے۔

مختصر یہ کہ (بہ الفاظ سید سلیمان ندوی) اس تحریک کے جو اثرات پیدا ہوئے اور اس زمانہ سے آج تک ہمارے دورِ ادبار کی ساکن سطح پر اس سے جو جنبش ہوئی وہ بھی ہمارے لیے بجائے خود

مفید اور لائق صد تحسین و آفرین ہے۔ بہت سی بدعتوں کا استیصال ہوا، توحید کی حقیقت میں نکھار آیا، قرآن پاک کی تعلیم و تفہیم کا آغاز ہوا۔ قرآن پاک سے براہ راست ہمارا رشتہ دوبارہ جوڑا گیا۔ حدیث نبوی ﷺ کی تعلیم و تدریس اور تالیف و اشاعت کی کوششیں کامیاب ہوئیں اور دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ ساری دنیائے اسلام میں ہندوستان ہی کو صرف اس تحریک کی بدولت یہ شرف نصیب ہوا، نیز فقہ کے بہت سے مسئلوں کی چھان بین ہوئی (یہ اور بات ہے کہ کچھ لوگوں سے غلطیاں بھی ہوئی ہیں) لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دلوں سے اتباع نبوی ﷺ کا جو جذبہ گم ہو گیا تھا وہ سالہا سال تک کے لیے دوبارہ پیدا ہو گیا۔ مگر افسوس ہے کہ اب وہ بھی جا رہا ہے۔ اس تحریک کی ہمہ گیر تاثیر یہ بھی تھی کہ وہ جہاد جس کی آگ مسلمانوں کے قلوب میں ٹھنڈی پڑ گئی تھی وہ پھر بھڑک اٹھی یہاں تک کہ ایک زمانہ گزرا کہ وہابی اور باغی مترادف لفظ سمجھے گئے اور کتنوں کے سر قلم ہو گئے، کتنوں کو سولیوں پر لٹکنا پڑا اور کتنے پابجولاں دریائے شور بھجوائے گئے یا تنگ کوٹھڑیوں میں انہیں بند ہونا پڑا۔ (۷)

محی السنۃ نواب صدیق حسن خاںؒ کی انہی خدمات اور کارناموں کی بدولت بعض اہل علم نے آپ کو مجدد امت کہا ہے اور اس پر دلائل قلم بند کیے ہیں جن میں مولانا محمد حسین بٹالوی بھی شامل ہیں۔ آپ مجددین امت کے خصائل رقم کرتے ہوئے نواب صدیق حسن مرحوم کے متعلق لکھتے ہیں:

"واضح ہوا کہ جس قدر اوصاف کمال علمی و عملی ہم نے مجددین سابقین کے نقل کیے ہیں اور وہ ان میں فرادیٰ فرادیٰ پائے جاتے ہیں، وہ سبھی آپ کی ذات بابرکات میں مجتمعتاً موجود ہیں۔ لہٰذا ہم آپ کی نسبت بمقابلہ مجددین سابق الوصف بے شائبہ تکلف (شاعرانہ) یہ کہہ سکتے ہیں

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اس کا سبب اور وجہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو علم و شوکت (نیابت سلطنت) دونوں منصب مرحمت فرمائے ہیں۔ (جو اکثر مجددین سابق میں جمع نہیں ہوئے) اس لیے آپ ان سب مجددوں کے صفات کمال کے جامع ہوئے بلکہ اکثر مجددوں پر سبقت لے گئے۔

جس قدر تالیف و تصنیف، مختلف علوم کی کتب اور ان کی اشاعت (جو منصب اول کے نتائج سے ہے) آپ سے ہوئی ہے۔ اس قدر مجددین سابق الوصف سے نہیں

ہوئی یا کم ہوئی۔

آپ نے مختلف علوم (کتاب وسنت وفقہ واصول وغیرہ) میں مختلف زبانوں (عربی، فارسی، ہندی) میں نہ صرف کتابیں تصنیف کر کے صندوقوں یا کتب خانوں میں رکھوادی ہیں بلکہ بصرف ہزار ہا روپیہ جیب خاص سے چھپوا کر اکثر بلاد (ہندوستان و پنجاب وعرب ومصر ویمن ودمشق و بیروت وغیرہ) میں گھر گھر پہنچا کر اور سارت بھا الرکبان ووارت فی البوادی والعمران کا مصداق بنادیں۔

ان بلاد میں ایسا کوئی شہر نہ ہوگا جہاں کوئی اہل علم ہو اور آپ کی تصنیف نہ ہو اور ان علوم اور ان کے خدام علوم میں ایسا کوئی علم نہ ہوگا یا کم ہوگا جس میں آپ نے کوئی تالیف نہ کی ہو۔

جن ادق مسائل اصول وفروع کو خواص فضلاء کم جانتے تھے، ان کو آپ کی تصانیف کے ذریعہ سے ادنیٰ طلباء، بلکہ بعض عوام بھی جاننے لگے ہیں اور جن کتابوں (حدیث واصول) کو اکابر علماء خواب میں دیکھنے کو بھی ترس رہے تھے۔ آپ کی توجہ سے اب وہ اصاغر طلباء کے مطالعہ میں ہیں۔

علم ناسخ ومنسوخ کتاب اللہ وسنت کو جو اکابر محدثین ومجتہدین کے خصائص سے تھا آپ نے ایک مختصر رسالہ میں بیان کر کے ایسا عام فہم کر دیا ہے کہ ہر کس وناکس (جو فارسی عبارت پڑھنے پر دسترس رکھتا ہے، اس کو ضبط کر سکتا ہے۔

علم اصول فقہ کو جو اخص شرائط اجتہاد سے ہے، آپ نے ایک مختصر کتاب میں اس آسانی سے واضح کر دیا ہے کہ تھوڑی سی استعداد والا طالب علم بھی اس علم پر احاطہ کر سکتا ہے۔

متون کتب حدیث (صحاح ستہ وغیرہ) کو آپ نے عام لوگوں کے لیے دستور العمل بنادیا ہے۔ کئی کتابوں کو (جیسے مؤطا امام مالک، جامع ترمذی، وسنن ابوداؤد) آپ نے ہندی زبان میں ترجمہ کرا کے چھپوادیا اور کئی کتابیں (صحیح بخاری وصحیح مسلم وغیرہ) آپ کی توجہ سے ترجمہ ہوئیں۔

اور شروح کتب حدیث کی تصنیف اور طباعت واشاعت سے آپ نے خواص علماء کو

عمل بالحدیث و اجتہاد کا راستہ نکال دیا۔ بعض کتب حدیث (جیسے مختصر صحیح بخاری و بلوغ المرام وغیرہ) کی شروح تو آپ نے خود تالیف کر کے چھپوادی اور بعض شروح متقدمین کی تالیف بصرف زرِ کثیر طبع کرادی ہیں۔''(۸)

مولانا نے نواب مرحوم کے ان اقدامات کا تذکرہ بھی کیا ہے جو انہوں نے ریاست بھوپال میں اپنے اختیارات استعمال کرتے ہوئے سرانجام دیے، آپ رقم طراز ہیں:

''جس قدر آپ سے احیاء سنت و اقامت خیرات و حسنات اور ازالہ بدعات و اعمال منکرات (جو لوازم و نتائج منصب دوم جناب سے ہے) وقوع میں آئی ہے، وہ بھی اکثر مجددین سابق سے بڑھ کر ہے۔ ہماری قلم میں کہاں طاقت ہے اور ہمارے پرچہ میں کب وسعت ہے کہ ہم اس کی تفصیل کر سکیں۔ ولیکن بحکم مالا یدرك كله لا يترك كله مشتے نمونہ ازخروار واند کے از بسیار بطور تمثیل ایک فہرست ان کے ضمن میں ناظرین کے آگے پیش کرتے ہیں۔''

فہرست رسومِ حسنہ جن کو جناب نے قائم کیا، رسومِ سیئہ جن کا آپ نے ازالہ کیا یا ازالہ کے درپے رہے۔

رسوم حسنہ

(۱) علماء و فضلاء بہ نسبت سابق زیادہ ملازم و دخیل ریاست ہوئے۔

(۲) طالب علموں کے وظیفے بہ نسبت سابق بڑھا دیے گئے۔

(۳) یتیموں کی تعلیم کے لیے وقفی مدرسہ قائم ہوا۔

(۴) قرآن پڑھنے والی لڑکیوں کے وظائف مقرر ہوئے۔

(۵) سرکاری محل میں تلاوت قرآن بکثرت جاری ہوئی۔

(۶) مساجد کے مصارف بہ نسبت سابق بڑھائے گئے۔

(۷) اندھے، اپاہج وغیرہ معذوروں کے وظیفے مقرر ہوئے۔

(۸) رفاہ عام کے لیے شفاخانے بڑھائے گئے اور اطباء زیادہ رکھے گئے۔

(۹) تالاب و کنویں (جن کی بھوپال میں بہت حاجت ہے) کثرت سے کھدوائے گئے۔

(۱۰) سڑکوں وغیرہ پر مواقع ضرورتِ علم پر درخت لگوائے گئے۔

(۱۱) روشنی وصفائی شہر کا خرچ ریاست کے ذمہ کیا گیا۔ رعایا سے اٹھایا گیا۔

رسومِ بد جن کا ازالہ ہو چکا

(۱۲) زنا کاری عام شہری کسبیوں کے شہر سے اخراج سے روکی گئی۔

(۱۳) گانے بجانے کی تعلیم، تعلیم دینے والوں کے اخراج سے روکی گئی۔

(۱۴) ہیجڑوں کا پیشہ سکھانا شہر سے روکا گیا اور اکثر ہیجڑوں کا شہر سے اخراج ہوا۔

(۱۵) مسلمانوں کو شراب خوری سے عام ممانعت ہوئی۔

(۱۶) مسجدوں کے قریب باجا بجانا (جو بیاہوں، شادیوں میں لوگ بجاتے ہیں) موقوف ہوا۔

(۱۷) رئیسہ کے دربار سے سود موقوف ہوا۔

(۱۸) تعزیہ داری کی اکثر بدعات مہندی وغیرہ سے ممانعت ہوئی۔

(۱۹) شادی وختنہ کی رسومِ خلاف شریعت کی بذریعہ اشتہارات عام ممانعت ہوئی۔

رسوم بد جن کا ازالہ پیش نظر جناب ہے اور تدریجاً وقوع میں آنا چاہتا ہے

(۲۰) ہیجڑوں کا بازاروں میں گاتے، بجاتے پھرنا

(۲۱) بعض اقوام اہلِ اسلام کی مستورات کا شادیوں میں رات کے وقت زیب و زینت کے ساتھ سڑکوں پر پھرنا۔

(۲۲) آمدنی سایرات

(۲۳) تعزیہ سازی اور اس کے متعلق رسوم

(۲۴) حقوق چودھراہٹ درقوم سود اہل اسلام

(۲۵) شہر کے باہر کسبیوں کا آباد رہنا۔

(۲۶) آمدنی آبکاری وغیرہ مسکرات

اسی پر صدہا اور نظائر کو ناظرین قیاس کریں۔ جن کی تفصیل و بیان سے ہم قاصر ہیں۔ [۹]

نواب والا جاہ مرحوم کے مندرجہ بالا تمام کارنامے اس بات پر شاہد ہیں کہ آپ نے وہ لازوال خدمات انجام دی ہیں جنھوں نے مسلمانان ہند میں نظریاتی انقلاب بپا کیا اور وہ قرآن و

سنت کے متبع و داعی بن گئے۔ اس لیے آپ کی خدمات جلیلہ اور مساعی جمیلہ ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی اور جب بھی مورخ، ہندوستان کے مسلمانوں کی قرآن وسنت سے وابستگی، بدعات ورسومات سے دوری، کتاب وسنت کے علوم پر مبنی تصنیفات و تالیفات اور حکومتی سطح پر قرآن وسنت کی عملداری کے بارے میں کچھ لکھے گا تو وہ نواب صدیق حسن خان مرحوم کی حیات و خدمات کو خراج تحسین پیش کیے بغیر اپنی تاریخ مرتب نہیں کر سکے گا، اسی بنا پر مولانا اشہری نے آپ کو ایک عہد، ایک زمانہ، ایک تحریک اور ادارہ قرار دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

> ''نواب شاہجہان بیگم کے عہد میں ریاست بھوپال کو کچھ ایسی شخصیتوں کا قرب حاصل ہوا جس نے بھوپال کو نہ صرف ہندوستان بلکہ ہندوستان سے باہر بھی وزن و وقار بخشا۔ ان شخصیتوں میں نواب صدیق حسن کا نام سرفہرست ہے۔ وہ ایک عہد، ایک زمانہ تھے۔ سرسید کی طرح ان کو بھی اگر ایک ادارہ کہا جائے تو نامناسب نہ ہوگا۔''(۱۰)

مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ مجدد الف ثانی کی تحریک نشاۃ ثانیہ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے جس کام کا بیڑا اٹھایا تھا اس کام کو نواب صاحب نے عملی حیثیت سے اپنے نقطہ عروج پر پہنچانے کی کوشش کی۔ درحقیقت یہی وہ کارِ عظیم ہے جس کی انجام دہی کا سہرا نواب سید صدیق حسن خان کے سر ہے۔ اس کام کی عملی تشکیل میں ان کو سخت دشواریوں اور مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا جس کا انہوں نے مردانہ وار مقابلہ کیا۔ تحریک عمل بالحدیث کے سلسلہ میں وہ تمام کام جن کی حالات کے اعتبار سے شدید ضرورت تھی انہوں نے بحسن وخوبی انجام دیے۔

☆..........☆..........☆

حواشی

۱۔ نوشہروی، ابو یحییٰ امام خاں، تراجم علمائے حدیث ہند (مقدمہ از سید سلیمان ندوی) ص: ۳۷، کراچی، مکتبہ حدیث ٹرسٹ روڈ۔

۲۔ نوشہروی، ابو یحییٰ امام خاں، ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات، ص: ۲۶

۳۔ مقدمہ تراجم علمائے حدیث ہند، ص ۳۶

۴۔ رضیہ حامد، ڈاکٹر، نواب صدیق حسن خاں، ص ۲۲۷۔۲۲۶

۵۔ علی حسن، سید، مآثر صدیقی، ج: ۳، ص ۱۰۸۔۱۰۷، لکھنو، مطبع نول کشور، ۱۹۲۴ء۔ تفصیل کے لیے نواب صاحب کی کتاب ''سلسلۃ العسجد فی مشائخ السند'' اور بختیار حسن صدیقی کی کتاب ''برصغیر پاک و ہند کے قدیم عربی مدارس کا نظامِ تعلیم'' ملاحظہ کریں۔

۶۔ پاکستان میں حفظ حدیث کا قدرے اہتمام مرکز تعلیم الاسلام ستیانہ بنگلہ ضلع فیصل آباد میں آج بھی ہے بعض طلبہ، اساتذہ کرام اور منتظمین کی ترغیب و ہدایت پر " الجامع الصحیح للبخاری" اور ''بلوغ المرام'' حفظ کرنے کا شوق رکھتے ہیں اور اس سلسلے میں چند ایک طلبہ نے " الجامع الصحیح للبخاری" اور چند ایک نے ''بلوغ المرام'' مکمل حفظ بھی کی ہے۔ فللہ الحمد

۷۔ مقدمہ تراجم علمائے حدیث ہند، ص ۳۶، ۳۵

۸۔ بٹالوی محمد حسین، مولانا ''مقالہ بعنوان'' مجدد'' اشاعۃ السنہ، ج ۶، شمارہ ۶، جون ۱۸۸۳ء

۹۔ ایضاً

۱۰۔ سلیم حامد، اردو ادب کی ترقی میں بھوپال کا حصہ، ص: ۲۵۹

مصادر ومراجع

مصنف	کتاب	ناشر
❀ القرآن الحکیم		
❀ ابن الاثیر	الکامل فی التاریخ	دار صادر، طبع پنجم، بیروت
❀ اثری، ارشاد الحق	پاک وہند میں علمائے اہل حدیث کی خدمات	ادارہ علوم اثریہ، فیصل آباد
❀ احمد امین	ضحیٰ الاسلام	مطبوعہ قاہرہ ۱۹۳۸ء
❀ اصفہانی، محمد مہدی	احسن الودیعة فی تراجم اشہر مشاہیر مجتہدی الشیعة	مطبعة النجاح ۱۳۴۸ھ، بغداد
❀ الساداتی، احمد محمود، ڈاکٹر	تاریخ المسلمین فی شبه القارة الہندیة وحضارتہم	مکتبة الاداب، مصر
❀ الطرازی، عبداللہ مبشر	موسوعة التاریخ الاسلامی لبلاد السند والبنجاب،	عالم المعرفة، ۱۴۰۳ھ، جدہ
❀ انطاکی، فتح اللہ	الہند کما رأیتہا	مطبعة ودیع ابوفاضل، طبع اولیٰ ۱۹۳۳، مصر
❀ بخاری، محمد بن اسماعیل	صحیح بخاری	قدیمی کتب خانہ، کراچی''
❀ بدایونی، نظام الدین	قاموس المشاہیر	نظامی پریس، بدایوں، ۱۹۶۲ء
❀ بلاذری، احمد بن یحییٰ	فتوح البلدان	شرکة طبع الکتب العربیة، طبع اولیٰ ۱۳۱۹ھ، قاہرہ
❀ ترمذی، محمد بن عیسیٰ ابوعیسیٰ	جامع ترمذی	مطبعہ مجتبائی، ۱۳۱۵ھ، دہلی
❀ حاجی خلیفہ	کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون	مطبع البہیہ ۱۹۴۱ء
❀ حاکم، الامام	معرفة علوم الحدیث	قاہرہ ۱۹۳۷ء
❀ الخطیب، محمد عجاج	السنة قبل التدوین	قاہرہ ۱۹۶۳ء
❀ ذوالفقار احمد، مولانا	قضاء الارب فی ذکر علماء النحو والادب	مطبع مفید عام، ۱۲۸۳ھ، آگرہ

❀ ذھبی، شمس الدین، محمد بن احمد	سیر اعلام النبلاء	مؤسسۃ الرسالۃ، طبع اولیٰ، ۱۴۰۳ھ۔ بیروت
❀ رحمانی، نذیر احمد	اہل حدیث اور سیاست	ادارۃ البحوث الاسلامیہ جامعہ سلفیہ، طبع ثانی ۱۹۸۶ء، بنارس
❀ رضیہ احمد، ڈاکٹر	نواب صدیق حسن خاں،	حکومت اتر پردیش، ہند
❀ الزرکلی، خیر الدین	الاعلام	دار العلم للملایین، بیروت
❀ سعیدی، غلام رسول، علامہ	تذکرۃ المحدثین	فرید بک سٹال، طبع اول ۱۹۷۷ء لاہور
❀ سلیم حامد،	اردو ادب کی ترقی میں بھوپال کا حصہ	
❀ سلیم فارس	قرۃ الاعیان ومسرۃ الاذہان فی مآثر الملک الجلیل النواب محمد صدیق حسن خاں	مطبعۃ الجوائب ۱۲۸۹ھ، قسطنطنیہ
❀ شاہ جہاں بیگم	تاج الاقبال	
❀ شعرانی، الامام	کتب المیزان	قاہرہ
❀ صدیق حسن خان، سید	ابقاء المنن بالقاء المحن	دار الدعوۃ السلفیہ، لاہور
❀ صدیق حسن خان، سید	ابجد العلوم	مکتبہ قدوسیہ، لاہور
❀ صدیق حسن خان، سید	اتحاف النبلاء المتقین باحیاء مآثر الفقہاء المحدثین	مطبع نظامی، کان پور ۱۲۸۸ھ
❀ صدیق حسن خان، سید	اکلیل الکرامۃ فی تبیان مقاصد الامامۃ	مطبع صدیقی، بھوپال، ۱۲۹۴ھ
❀ صدیق حسن خان، سید	التاج المکلل من جواہر مآثر الطراز الآخر والاول	مکتبہ دار السلام، طبع اول ۱۴۱۶ھ۔ ریاض
❀ صدیق حسن خان، سید	الحطۃ فی ذکر الصحاح الستۃ	اسلامی اکادمی، ۲، ۱۹۷۷ء، لاہور
❀ صدیق حسن خان، سید	السراج الوھاج شرح مسلم	مطبع صدیقی، بھوپال ۱۳۰۲ھ
❀ صدیق حسن خان، سید	العبرۃ مما جاء فی الغزو والشہادۃ والہجرۃ	دار الکتب العلمیہ، طبع اولیٰ، ۱۴۰۵ھ، بیروت
❀ صدیق حسن خان، سید	اللوء المقعود	بھوپال
❀ صدیق حسن خان، سید	جلب المنفعۃ	بھوپال
❀ صدیق حسن خان، سید	خطیرۃ القدس	بھوپال

مصنف	کتاب	ناشر
❀ صدیق حسن خان، سید	خیرۃ الخیرہ	مفید عام، آگرہ
❀ صدیق حسن خان، سید	خبیئۃ الاکوان فی افتراق الطراز الآخر والاول،	دارالکتب العلمیہ، بیروت
❀ صدیق حسن خان، سید	ذخر المحتی من آداب المفتی	مطبع مفید عام، ۱۳۰۵ھ، آگرہ
❀ صدیق حسن خان، سید	روض الخصیب	مطبع مفید عام، ۱۳۰۵ھ، آگرہ
❀ صدیق حسن خان، سید	سلسلۃ العسجد فی مشائخ السند	مطبع شاہ جہانی، ۱۲۹۳ھ، بھوپال
❀ صدیق حسن خان، سید	ضوء الشمس من شرح حدیث بنی الاسلام علی خمس	مطبع شاہ جہانی، ۱۲۹۳ھ، بھوپال
❀ صدیق حسن خان، سید	غصن البیان المورق بمحسنات البیان	مطبع شاہ جہانی، ۱۲۹۴ھ۔ بھوپال
❀ صدیق حسن خان، سید	عون الباری لحل ادلۃ البخاری	دارالرشید، سوریا، ۱۴۰۴ھ
❀ صدیق حسن خان، سید	فتح البیان فی مقاصد القرآن	دارالکتب والعلمیہ، بیروت
❀ صدیق حسن خان، سید	مقالۃ الفصیحۃ	مطبع صدیقی، ۱۲۹۳ھ، بھوپال
❀ صدیق حسن خان، سید	منہج الوصول الی اصطلاح احادیث الرسول	مکتبہ شاہ جہانی، ۱۲۹۲ھ، بھوپال
❀ صدیق حسن خان، سید	نزل الابرار	دارالمعرفہ، بیروت
❀ صدیقی، بختیار حسین	برصغیر پاک و ہند کے قدیم عربی مدارس کا نظام تعلیم	ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور 1982
❀ عبدالحی	نزہۃ الخواطر	مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد، دکن
❀ عبدالحی بن فخر الدین حسینی	الاعلام بمن فی تاریخ الہند من الاعلام	مکتبہ المثنی، ۱۵۹۲ء، بیروت
❀ عبداللہ انصاری، ابو اسماعیل	منازل السائرین	اہل حدیث پبلی کیشنز، لاہور
❀ عثمانی، محمد صفدر	صداقت مسلک اہل حدیث	مکتبہ السنۃ، کراچی
❀ عراقی، عبدالرشید	اہل حدیث کے چار مراکز	داراحیاء التراث، بیروت
❀ عسقلانی، ابن حجر	فتح الباری	جمعیۃ اہل سنت، لاہور
❀ علی حسن، سید	مآثر صدیقی	ادارہ ثقافت اسلامیہ، طبع اول
❀ غزالہ حامد	شروح صحیح بخاری	۱۹۹۱ء، لاہور
❀ قشیری، مسلم بن حجاج	صحیح مسلم	قدیمی کتب خانہ، کراچی

❀ کشمیری، انور شاہ — فیض الباری — قدیمی کتب خانہ، کراچی

❀ کحالہ عمر رضا — معجم المؤلفین — دار احیاء التراث، بیروت

❀ لقمان، اختر جمال، ڈاکٹر — السید صدیق حسن خاں القنوجی آرادہ الاعتقادیہ قفہ عن السلف — دار الھجرۃ، طبع اولیٰ ۱۴۱۷ھ، ریاض

❀ اسلم سیف، قاضی — تحریک اہل حدیث، تاریخ کے آئینے میں — مکتبہ تعلیمات اسلامیہ، ماموں کانجن

❀ محمد عبدالحلیم — حیات وحید الزمان — مطبع کارخانہ، تجارت کتب، ۱۹۵۷ء

❀ ملا علی قاری — مرقاۃ المفاتیح — قاہرہ

❀ ندوی، سید سلیمان — مقالات

❀ نوشہروی۔ ابو یحییٰ امام خاں — تراجم، علمائے حدیث ہند — مکتبہ اہل حدیث، کراچی

❀ نوشہروی۔ ابو یحییٰ امام خاں — ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات — مکتبہ نظریہ چیچہ وطنی

❀ اردو دائرہ معارف اسلامیہ — جامعہ پنجاب، لاہور

رسائل

❀ ہفت روزہ الاعتصام — ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۰ء، لاہور

❀ اہل حدیث، امرتسر — ۱۷ شعبان ۱۳۳۸ھ

❀ اشاعۃ السنہ — ج: ۶، شمارہ: ۴، جون ۱۹۸۳ء

☆..........☆..........☆
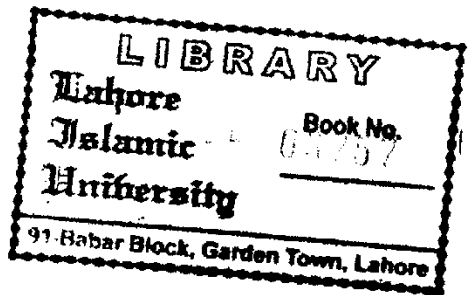
علمی اعتبار سے برصغیر نہایت پر ثروت علاقہ ہے۔ اس خطہء ارض کے مختلف مقامات میں بڑے بڑے علما وفقہا اور مصنفین و معلمین پیدا ہوئے جن کی علمی مساعی اور تحقیقی کاوشوں سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں بالخصوص یہاں لاتعداد اصحابِ کمال نے جنم لیا۔ اسی عالی مرتبت جماعت کے ایک عظیم رکن والا جاد نواب صدیق حسن خاں والئی بھوپال تھے جو ۱۴۔ اکتوبر ۱۸۳۲ء کو پیدا ہوئے اور ۱۸ فروری ۱۸۹۰ء کو فوت ہوئے۔ عیسوی حساب سے کل ستاون برس چار مہینے چار دن عمر پائی' لیکن اس تھوڑی عمر میں انھوں نے حیرت انگیز کارہائے نمایاں سرانجام دیے جن کی وجہ سے وہ علم و عمل کی دنیا میں بے حد احترام کے مستحق گردانے گئے۔

نواب صاحب کی تصانیف کی تعداد دو سو پچیس تک پہنچتی ہے اور یہ تصانیف بہت سے موضوعات کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ تفسیر' حدیث' فقہ' اصول' تاریخ' رجال' اخلاق' ادبیات' خلافیات غرض انھوں نے ہر موضوع پر لکھا اور نہایت تفصیل سے لکھا۔ صرف قرآن کی تفسیر کے بارے میں ان کی نگارشات دس ہزار صفحات پر مشتمل ہیں۔ اس جلیل القدر مصنف نے عربی' فارسی' اردو یعنی اپنے عہد کی تینوں متداول زبانوں کو ذریعہ اظہار بنایا اور اپنے افکارِ عالیہ سے ان کا دامن پُر کر دیا۔ بہ الفاظ دیگر یوں کہیے کہ جہاں انھوں نے علم و تحقیق کا ایک خوب صورت گلستاں سجایا وہاں لسانی اعتبار سے عربی' فارسی اور اُردو زبانوں کی بھی از حد خدمت کی۔ وہ دنیائے اسلام کے کثیر التصانیف مصنف تھے اور بے حد ذہین' بہ درجہ غایت محقق اور زود نویس مصنف تھے۔

نواب صاحب ممدوح نے تقریباً اپنی ہر کتاب میں اپنے حالات کسی نہ کسی انداز میں تحریر کیے ہیں۔ ان کی ایک کتاب ابقاء المنن ہے۔ اس میں انھوں نے اپنے واقعاتِ زندگی بہت تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ پھر متعدد اربابِ علم نے ان کی حیاتِ طیبہ کو موضوعِ تحقیق قرار دیا ہے اور انگریزی' اُردو اور عربی میں ان پر پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالے لکھے ہیں جن میں سے بعض چھپ گئے ہیں۔

یہ کتاب جناب عتیق امجد صاحب کی رشحاتِ قلم کا نتیجہ ہے جو قارئین کرام کے زیرِ مطالعہ ہے۔ اس میں نوجوان مصنف نے نواب صاحب کے حالاتِ زندگی بھی بیان کیے ہیں اور ان کے گوناگوں علمی کارناموں کی بھی وضاحت کی ہے۔ ادارہ کتاب سرائے کی مطبوعات میں یہ کتاب ایک نیا تحقیقی اضافہ ہے۔ اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے حضرات یقیناً اس کا خیر مقدم کریں گے۔

محمد اسحاق بھٹی